ایک عظیم مسلمان

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ: عبدالحفیظ بن عبدالعزیز

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ رب العالمین
والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین

GIFT BOOK

ایک عظیم مسلمان

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ
عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ

اسی مرتب کے قلم سے

مطبوعہ:

- ولادت رسول مقبولؐ اور عصر حاضر کے مسلمانوں کا ہدیۂ سپاس
- شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ
- عظیم مشرقی رہنما جمال عبدالناصرؒ
- روشن حقائق
- فلسفۂ حیات و ممات
- حقیقت حیات و ممات قرآن مبین کی روشنی میں (جلد اول)

منتظر طباعت:

- الشجرات الکبریٰ (انساب پر تاریخ کی سب سے بڑی کتاب، بحمد اللہ)
- اجالوں کے سفیر (پانچ صد سے زائد مناقب اصحاب رسولؐ کا انتخاب)
- امیر حجاج بن یوسف ثقفیؒ (سوانح و کارنامے اور اعتراضات کا علمی و مدلل جواب)
- دو عظیم رہنما (مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کے سوانح و کارنامے اور علمی دفاع)
- مجاہد کبیر جمال عبدالناصرؒ (سوانح، افکار، اعمال)
- مفتی محمودؒ کی استعمار دشمنی
- مرد حق آگاہ (حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کی داستانِ حیات)
- روشن حقائق (حصہ دوم) {کافرگری کی تاریخ اور مسئلۂ عذاب قبر}
- تحفۃ للمکفرین (مسئلۂ عذاب قبر کی آڑ میں کفریہ فتوے جاری کرنے والوں کا علمی محاسبہ)
- احوال و آثار حضرت مولانا عبدالعزیز خطاطؒ

- سینکڑوں مقالات (علمی تحقیقی۔ مطبوعہ و غیر مطبوعہ)

Marfat.com

مفسّر | محدّث | محقق | عالِم | خطیب | خطّاط

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

(۲۵۔اپریل ۱۹۳۵ء تا ۱۱۔جنوری ۲۰۰۲ء)

GIFT BOOK

کے

سوانح، افکار، اعمال

اصحابِ علم و دانش کے رشحاتِ قلم سے

الموسوم بہ

ایک عظیم مسلمان

مرتّبہ

عبدالحفیظ بن عبدالعزیز

Marfat.com

GIFT BOOK
ACC. No. 825
Date.
P.U. LIBRARY LHR.
65669
297.9927
ع ۲۷ عب

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ

نام کتاب : ایک عظیم مسلمان
مرتب : عبدالحفیظ بن عبدالعزیز
حروف چینی : محمد رشید اعوان
سرورق : قاضی محمد نعیم، مشتاق حسین
تصویر سرورق : عابد حسین قریشی
ڈیجیٹل عکاسی : بابر ظہور
مطبع : قاضی سنز پرنٹرز، ڈبل روڈ راولپنڈی
طباعت : ذی الحجہ 1423ھ ق / فروری 2003ء م
تقطیع : 8/26X20
صفحات : 400
تعداد : پانچ صد
برائے رابطہ : عبدالحفیظ بن عبدالعزیز۔ این۔ ای 1734-A، سٹریٹ 17، سلطانپورہ، راولپنڈی (پاکستان)
اعزاز اشاعت :

(بیادگار: حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

شکریہ

ان تمام اصحاب علم و دانش کا، کہ جن کے علمی مضامین سے کتاب ''ایک عظیم مسلمان'' آراستہ ہوئی۔

DATA ENTERED

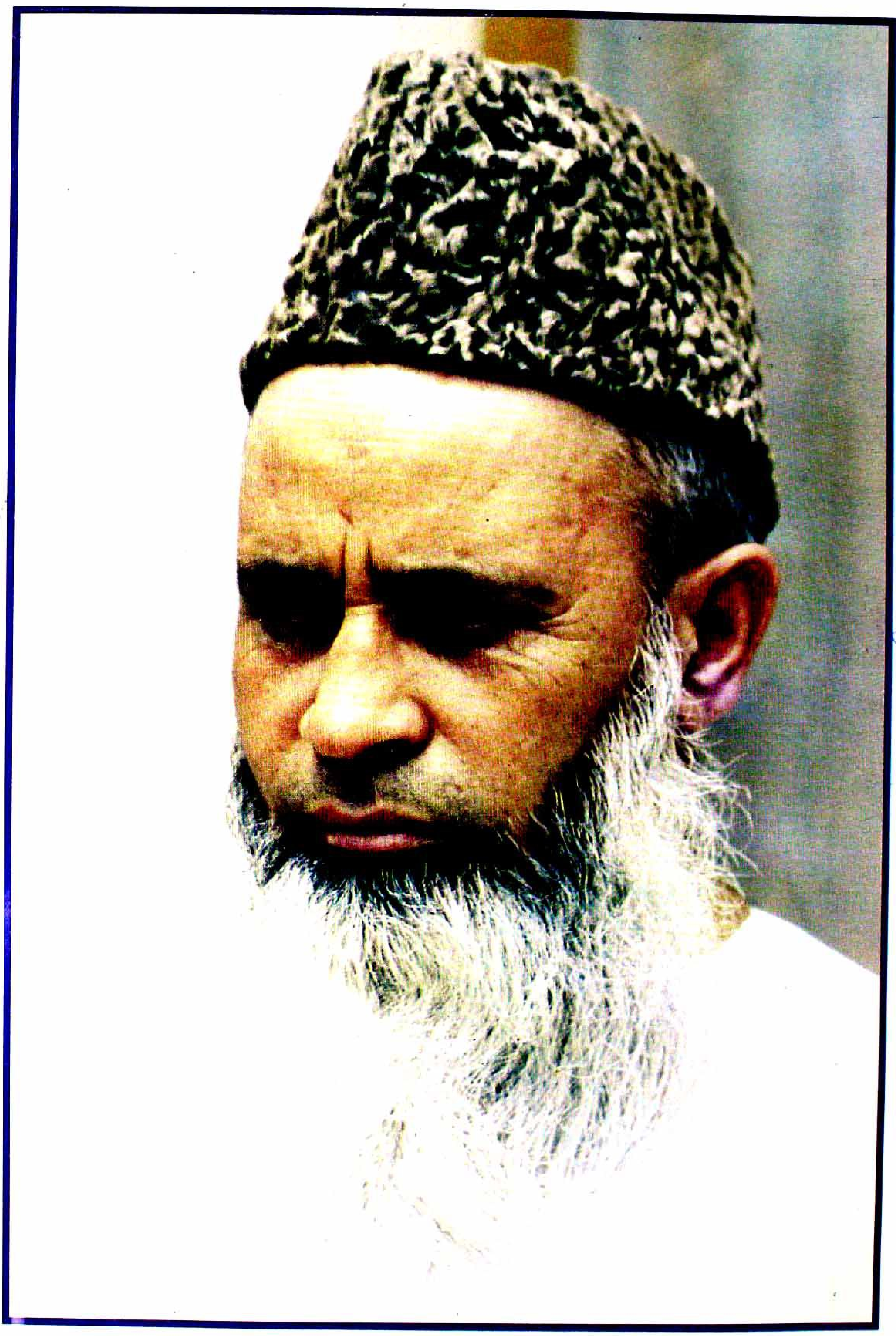

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

آج سے 14 برس پہلے، 1989

مرتب کتاب، عبدالحفیظ بن عبدالعزیز......اور......ایک عظیم مسلمان، حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

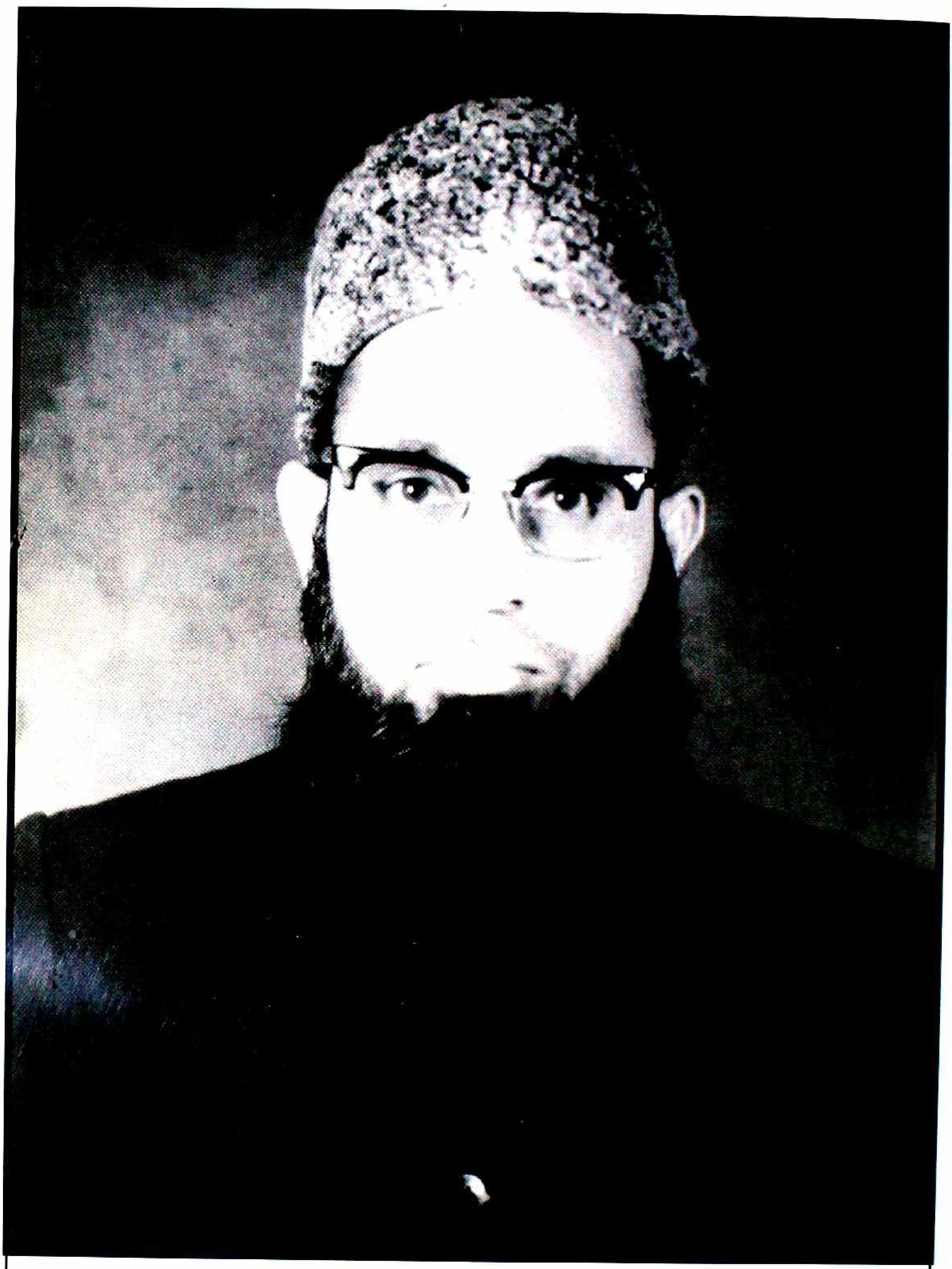

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

پاکیزہ صورت، پاکیزہ سیرت، اپنے عہد شباب میں

Marfat.com

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نصف صدی تک علوم و معارف قرآن حکیم
کی اشاعت میں مصروف رہے، درس قرآن حکیم کا ایک انداز

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، دار بنی عبدالعزیز میں قائم مکتبہ عزیزیہ کے ایک گوشے میں

انتساب

اُن تمام متلاشیان حق کے نام!

کہ جو

علوم و معارف قرآن کریم کی خوشہ چینی......اور

سنت رسول رحمت ﷺ پر عمل پیرا ہونے کے لئے،

ظلوم وجہول کی آندھیوں میں،

با اثر کروڑوں پتی سرمایہ داروں کی چمک دمک، اور

کافرگروں......و......وضعی روایات کے علمبرداروں کے دینی تکبر سے مرعوب ہوئے بغیر،

مسلسل آٹھ برس تک،

نہایت جرأت و دلیری کے ساتھ

ایک عظیم مسلمان

حضرت مولانا **عبدالعزیز** رحمۃ اللہ علیہ

کے ہم آواز و مؤید رہے......اور......ان کے شانہ بشانہ کھڑے رہے۔

عبدالحفیظ بن عبدالعزیز

Marfat.com

جن کے لئے ، اللہ کے ہاں اچھا بدلہ ہے

''تو جو لوگ میرے لئے وطن چھوڑ گئے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور لڑے اور قتل کئے گئے ۔ میں ان کے گناہ دور کر دونگا۔ اور ان کو بہشتوں میں داخل کروں گا۔ جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں ۔ (یہ) اللہ کے ہاں ان سے بدلہ ہے اور اللہ کے ہاں اچھا بدلہ ہے۔'' (آل عمران:195)

اس آیت کریمہ کی ایک عملی تفسیر میرے آباء، میرے جدامجد اور والد محترم بھی تھے۔

میرے آباء واجداد نے اپنے گھروں کو خیر باد کہہ کر سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے ساتھ مل کر راہ اسلام اور استخلاص وطن کے لئے بالاکوٹ میں جہاد کیا۔

میرے جدامجد حضرت مولانا فضل الٰہی بن عبدالحلیمؒ نے اپنے موضع کے مـلاؤں کے مظالم سے تنگ آ کر ہجرت کی۔ وہ زمزمۂ توحید سنانے کی ''پاداش'' میں مساجد کی امامت وخطابت سے الگ کئے گئے۔ ''جرم وہابیت'' میں 22 مکانوں سے بے گھر کئے گئے۔ انہیں کنوؤں کے پانی سے محض اس لئے محروم رکھا گیا کہ وہ مئے توحید سے سرشار تھے!

میرے والد محترم حضرت مولانا عبدالعزیز بن فضل الٰہیؒ کو نصف صدی تک، قرآن کریم کے حقیقی مفہوم کے ابلاغ کے ''جرم'' میں توہم پرستوں، روایت پسندوں، غلو گویوں، کافرگروں، دولت کے پجاریوں اور اندھی طاقت کے نشے میں چور، بااثر مـلاؤں نے ستایا۔ ان شش جہات اتحادیوں نے مسلسل آٹھ برس تک ان کی کردارکشی کی۔ ان کے خلاف کفریہ فتوے جاری کئے۔ مگر وہ ان اعصاب شکن مقاطعوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے۔ وہ اپنی زندگی کے آخری آٹھ برسوں میں مذہبی متکبروں اور دنیوی جاہ پرستوں کے خلاف مسلسل حالت جنگ میں رہے۔ انہوں نے ان کے عیارانہ ہتھکنڈوں کے سامنے فکر قرآن کے پھولوں کو بے وقعت نہیں ہونے دیا۔ جہل پسندوں نے انہیں اس قدر پریشان کیا اور ستایا کہ وہ مختلف عوارض کا شکار ہو کر اپنی جان کی بازی ہار گئے۔ وہ ساری عمر اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ اللہ نے انہیں اپنی آغوش رحمت میں لے لیا۔ یقیناً ان کے لئے اللہ کے ہاں اچھا بدلہ ہے۔ ☆

Marfat.com

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

نباض وقت، کسی گہری سوچ میں مستغرق

اسیرِ تحریکِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کا والا نامہ

''دراصل ہمیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ تکلیف اور پریشانی تو آپ لوگوں کو ہے۔ درحقیقت آپ کو بھی پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ یہ تکالیف اور پریشانیاں ہمارے اور آپ لوگوں کے لئے ایک اعزاز اور شرف ہیں۔ یہ مصائب کسی اخلاقی جرم کی پاداش میں نہیں ہیں۔ یہ تو حق اور حق گوئی کے لئے ہیں۔ ایسے مصائب تو انبیاءؑ مثلاً حضرت یوسفؑ، صحابہ کرامؓ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ، مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خانوادہ، شیخ الہندؒ اور حضرت مدنیؒ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے دیگر علماء حق پر بھی آئے۔ ہم تو ان کے مصائب کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اور ہم میں ان جیسے مصائب برداشت کرنے کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ ہم تو انگلی میں خون لگا کر شہیدوں میں شامل ہونے والوں میں سے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسلام کی حکمرانی ہو۔ اور صحیح اسلام لانے والے اوپر آئیں اور ظلم کا اللہ تعالیٰ خاتمہ فرمائے۔ بفضلہٖ تعالیٰ ہمارا ضمیر مطمئن ہے اور ہمارے حوصلوں میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ ہماری کچہری میں پانچ تاریخ ہے۔ اس دن تم ضرور کچہری آجانا۔ ہمارے معاملے میں (حکمران) پیپلز پارٹی کے کسی آدمی سے کسی قسم کی ذراسی بھی سفارش نہ کرانا۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی رہا ہوں گے۔ اور بفضل تعالیٰ با عزت آئیں گے۔ اور اس وقت ظلم کی کالی گھٹائیں بھی چھٹ چکی ہوں گی۔ ظلم کا دور دورہ بھی اپنے انجام کو پہنچ چکا ہوگا۔''

ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی

۳۰۔ اپریل ۱۹۷۷ء

بوقت بارہ بجے دن

فہارس

مقدمۃ الکتاب		13
شہ اقلیم قرطاس وقلم (قطعۂ تاریخ وفات مولانا عبدالعزیزؒ)	جناب مخلص وجدانی	16
حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (ریڈیو انٹرویو)	جناب محمد صادق	17
زمانہ ان پہ ناز کرے گا	عبدالحفیظ بن عبدالعزیز	28
ایک راسخ الایمان مسلمان	حضرت مولانا محمد اسحاق خان صاحب المدنی	58
صاحب عزیمت	حضرت مولانا علامہ قمر احمد عثمانی (مرحوم)	61
ایک خادم قرآن کا سانحہ ارتحال	حضرت مولانا قاری حمید الرحمٰن	65
ایک منفرد آہنی شخصیت	حضرت مولانا علامہ حکیم سید محمود احمد سرو سہارنپوری	75
خطیب وخوشنویس مولانا عبدالعزیزؒ (فارسی)	دکتر محمد حسین تسبیحی (رہا)	85
خطیب وخوشنویس مولانا عبدالعزیزؒ (اردو ترجمہ)	ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا	97
ایک حق گو اور بالغ نظر عالم دین	جناب قمر رعینی	103
حضرت مولانا عبدالعزیزؒ، کچھ یادیں کچھ تذکرے	جناب علامہ بشیر حسین ناظم	107
خطاط اور اس کا ترکہ	جناب محمد اظہار الحق	111
موت العالم، موت العالم	جناب خورشید احمد ندیم	114
ایک علم دوست انسان	الحاج محمد اسحاق قلبی (مرحوم)	118
عجب آزاد مرد تھا	پروفیسر ڈاکٹر صابر آفاقی	120
وجدان کی روشنائی	سید اختر امام رضوی	124
عزیز خاطر، مولانا عبدالعزیزؒ	پروفیسر ڈاکٹر سید عارف نوشاہی	130
چراغ علم وفن	ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا	134
متاع عزیز، مولانا عبدالعزیزؒ	پروفیسر محمد طاہر مصطفیٰ	138
نفس مطمئنۃ	پروفیسر شبیر افضل خان (مرحوم)	141
اسلام کا پرجوش اور بے باک مبلغ	جناب ضیاء محمد ضیاء (پسرور)	146
مماثل امام ابن تیمیہؒ	سید حسین عارف نقوی	149
ایک سنجیدہ مبلغ اسلام	جناب جی۔ایچ۔اعوان	151

Marfat.com

عنوان	مصنف	صفحہ
ایک مثالی مسلمان	حضرت مولانا قاضی مفتی عبدالجبار	156
ایک منکسر المزاج شخصیت	ڈاکٹر افتخار حسین قاری	160
اعلیٰ ظرف، روادار، بردبار	راجہ عبدالرزاق عادلؔ	166
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے	علامہ مظفر عباسی	169
عالم بے بدل	جناب زبیر اعوان	171
ایک مایۂ ناز شخصیت	جناب مخلصؔ وجدانی (مظفر آباد)	176
تفسیر قرآن کا خطاط	سید ناصر کاظمی	179
حق بات کہنے والا مفسر قرآن	قاضی افتخار احمد ایڈووکیٹ (مرحوم)	182
ایک ہمہ گیر شخصیت	جناب عبدالرحمٰن (کاشفؔ) فاروقی	185
صرف ایک ملاقات	جناب منظور الحسن (لاہور)	189
اس عہد کی ایک بڑی شخصیت	جناب غلام سرور	192
ہاں وہ مجھے اچھے لگے	سید اکرام الحق جاویدؔ	196
حق بات کہنے میں بے باک	جناب بہادر خان وحید	199
ہمارے استاذ ظلم کے سامنے جھکے نہ بکے	ملک بابر ناہید اعوان	201
ابن مقلہ ثانی	جناب گلزار حسین ندیمؔ (بہاولپور)	216
ایک عظیم علمبردار توحید	جناب سردار خان اورکزئی	218
مولانا عبدالعزیزؒ اور مسئلہ عذاب قبر	جناب زبیر اعوان	226

☆ چند تعزیت نامے 237 تا 250

عنوان	مصنف	صفحہ
مولوی عبدالعزیز خوش نویس درگذشت (فارسی)	دکتر محمد حسین تسبیحی (رہاؔ)	
	دانش: فصلنامۂ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان	239
مولوی عبدالعزیز خوش نویس چلے بسے (اردو ترجمہ)	ڈاکٹر رشیدہ حسن	240
غواص بحر علوم قرآن	جناب قمرؔ رعینی: ماہنامہ فیض الاسلام راولپنڈی	242
محبت و شفقت کے انمول خزانے	جناب ضیاء محمد ضیاءؔ (پسرور)	244
ان کی آنکھوں میں اسلام کی چمک تھی	جناب ارشد محمود (چکوال)	245
وہ یقیناً جنتی ہیں	جناب نظام الدین نظامیؔ	246
وہ بہت حساس تھے	جناب عبدالعزیز شکوہؔ (چکوال)	247
وہ دین کے سچے شیدائی تھے	حافظ عطاء الرحمٰن (سہگل آباد)	249

......مولانا عبدالعزیز صاحب، یقیناً ایک بڑے آدمی تھے	جناب مخلص وجدانی (مظفر آباد)	250
☆ چند والا نامے		251 تا 271
چند تاثراتی مضامین		273 تا 322
......میرے ابا جی	طاہرہ عزیز	275
......جنت کے مکین	میمونہ عزیز	284
......دعاؤں کے سائبان	روبینہ عزیز	290
......ہمارے آئیڈیل	سلمیٰ طارق شیخ	293
......ایک تھی ماں	زہرہ عزیز	296
......ابا جی کے آخری ایام	میمونہ عزیز	308
......صدیوں کا خلا	نورین حفیظ	315
......میرے بابا جانی اور نانو جانی	نور العین	319
......ایک عظیم مسلمان کا سواد تحریر		323 تا 336
......تفردات عزیزی	عبدالحفیظ بن عبدالعزیز	337
......دانا، عالم (پنجابی نظم)	جناب نظام الدین نظامی	358
......خطاط العصر کی خطاطی کے چند نمونے		359 تا 378
......شکریہ		379
......شکریہ		380
......عبدالعزیز ثانی نامہ	ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی رہا	381
......MAULANA ABDUL AZIZ, As Unforgetable Personality	Ch. Muhammad Aslam Zafar (Advocate)	
......MAULANA ABDUL AZIZ, A Symbol of Determination	M. Ikram Butt	

Marfat.com

اسیر تحریک نظام مصطفیؐ، حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کا والا نامہ

''اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے میں نے قرآن پاک کا مطالعہ، انبیاءؑ کے واقعات، صحابہؓ کی قربانیاں، اسلاف کے مصائب بھرے واقعات کا مطالعہ کیا ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کے نقش قدم پر چلنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔ اور میرے پاؤں میں، اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے، کوئی لغزش آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور تمہارے پائے استقامت میں ثبات اور تمہاری بہنوں کی ثابت قدمی اور تمہاری امی کی استقامت کا پڑھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ جو خوشی دل میں کروٹیں لیتی ہے۔ ان کا لفظوں میں اظہار مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور تم سب کو ہمیشہ دین اسلام اور حق گوئی پر ثابت قدم رکھے۔ اور ہمارے اسلاف کے کارنامے ہمارے لئے ایک سبق کا کام دیتے ہیں۔ اور ان کے نقش قدم ہمارے لئے راہ منزل ہیں۔''

ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی

۲۶۔اپریل ۱۹۷۷ء

بوقت پانچ بجے شام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمۃ الکتاب

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک حق گو، مخلص، مثالی، باعمل اور قابل تقلید مسلمان کا نورانی پیکر تھے۔ یہ محض ایک روایتی جملہ یا میرا دعویٰ ہی نہیں، کہ وہ میرے والد محترم تھے، بلکہ جس کسی کو بھی، زندگی میں ان سے کسی بھی حوالے سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، وہ اس کی تصدیق ضرور کرے گا۔ قحط الرجال کے اس دور میں، اگر ایک سچے اور سُچے مسلمان کی کہیں مثال دینی ہو تو بلا جھجک، 11 جنوری 2002ء کو جرعۂ موت چکھنے والے ایک عظیم مسلمان حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کی مثال دی جاسکتی ہے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہمہ جہت تھی۔ ان کی زندگی کا ہر پہلو مینارۂ نور تھا۔ وہ ایک بے مثل موحد تھے۔ ایک مفسر قرآن تھے۔ ایک محدثِ احادیثِ رسول انامؐ تھے۔ ایک محقق جلیل تھے۔ ایک مفکر کبیر تھے۔ مؤثر و مدلل گفتگو کرنے والے خطیب تھے۔ اسلاف کے مجاہدانہ کارناموں کی عملی تفسیر ایک مجاہد تھے۔ سنت یوسفیؑ ادا کرنے والے اسیر تحریک نظام مصطفیؐ تھے۔ وہ خود سچے تھے اور سچوں کا ساتھ دینے والے تھے۔ اعلاء کلمۃ الحق کی سربلندی کے لئے کبھی کسی سے مرعوب نہ ہوئے۔ انہوں نے کبھی کتمان حق نہ کیا۔ اسلام کی بے لوث خدمت کی۔ دین کو دولت کمانے کا ذریعہ نہ بنایا۔ سرکش طاغوتی طاقتوں کا کبھی ساتھ نہ دیا۔ با اثر کروڑوں پتی سرمایہ داروں کے اثر ورسوخ اور ان کے مقاطعوں کے سامنے کبھی سر تسلیم خم نہ کیا۔ پیشہ ور کافر گروں نے ان کے خلاف ملک بھر میں ایک محاذ قائم کرلیا، تو اُن کی طاعت کا طوق اپنی گردن

Marfat.com

میں حمائل نہ کیا۔ مذہبی متکبروں نے اپنی ''جلالت پناہ'' اور اپنے ''اجماع'' سے انہیں راہ حق چھوڑ دینے اور خوفزدہ ہونے پر مجبور کرنا چاہا۔ مگر ناکام رہے۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ جھوٹ سے نفرت کرتے تھے اور جھوٹی روایات کے مصنفوں، شارحوں اور ناشروں کے انبوہ کثیر کے سامنے کئی برس تک تن تنہا سچ اور حق کی مشعل روشن کئے رہے۔ انہوں نے ہمیشہ رزق حلال کمایا اور زندگی کو نور ایمان سے روشن کئے رکھا۔ انہوں نے نورِ قرآن پر اکابر کے اقوال وخیالات کو کبھی ترجیح نہ دی۔ وہ زندہ انسانوں کے لئے سعی پیہم، تکبیر مسلسل اور امید وتابناک مستقبل کی علامت تھے۔ وہ اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ مرنے کے بعد مُردے کے لئے تاریکی ہے۔ اور روز قیامت ہی پہلے انسان سے آخری انسان تک، سب کو اٹھا کھڑا کرنے اور حساب کتاب کے عمل سے گزارنے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، اچھی یا بُری زندگی دی جائے گی۔ اس لئے وہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''میں اکابر پرست ہوں نہ مقابر پرست۔'' وہ ایک باعمل مسلمان تھے۔ وہ گفتار وکردار میں اللہ کی بُرہان تھے۔ ان کے پیکر میں قہاری وغفاری وقدوسی وجبروت کے چاروں عناصر موجود تھے۔ وہ ایک مثالی مسلمان کی طرح جیئے اور شاداں وفرحاں، اپنے لبوں پر، لفظ ''اللہ'' سجائے اور کلمۂ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے، 11۔ جنوری 2002ء کو، اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے دنیائے علم ودانش میں یقیناً ایک خلاء پیدا ہو گیا ہے۔ مگر اُن کے افکار کی خوشبو سے یہ چمنستان دہر ہمیشہ معطر رہے گا۔ اُن کی باتیں اور اُن کے کارنامے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ کہا جاتا ہے کہ کتاب کے الفاظ بظاہر مردہ ہوتے ہیں لیکن ان میں زندگی کی حرارت ضرور موجود ہوتی ہے۔ اور کتابوں کے صفحوں پر مرقوم الفاظ انسانوں کو صدیوں تلک زندہ رکھتے ہیں۔ کتاب ''ایک عظیم مسلمان'' کا ایک ایک لفظ بھی، حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کو صدیوں تلک زندہ رکھے گا۔ ان شاء اللہ۔ اُن کی عظمت کی گواہی مختلف مسالک و مذاہب کے اصحاب علم ودانش نے دی ہے۔ اور آئندہ آپ کے زیر مطالعہ آنے والے صفحات اس کے شاہد ہیں۔

Marfat.com

میں سطور ہٰذا کے ذریعے، ذاتی طور پر، اُن تمام احباب کا ممنون ہوں کہ جنہوں نے ''ایک عظیم مسلمان'' کے لئے علمی و تحقیقی عمدہ مضامین لکھے۔ اور مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زیر بار احسان کر دیا۔ مَیں اُن تمام احباب کا، کہ جو خود میدان فضل و کمال میں بلند مقام پر فائز ہیں، اور ان میں علماء و فضلاء، مفسرین و محدثین، مصنفین و مصلحین، مؤرخین، خطباء و ادباء، شعراء و دانشور، ماہرین نشریات و ماہرین لسانیات، آثاریات شناس، سماجی رہنما، خطاط، مصور، صحافی، علم پرور، سائنس دان اور حضرتؒ کے تلامذہ و اہل خانہ...... سبھی شامل ہیں، کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور میں اُن تمام احباب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے مصیبت و آزمائش کے ماہ و سال میں حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کا ساتھ دیا۔ اور بااثر لوگوں کے مقابلے میں اُن کے معاون اور دست و بازو بنے رہے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کی شخصیت کے حوالے سے مستقبل قریب میں کچھ مزید کتب بھی منصۂ شہود پر جلوہ آراء ہوں گی۔ ان شاءاللہ۔

زیر نظر کتاب ''ایک عظیم مسلمان'' میں حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر 60 تأثراتی مضامین و نظمیں شامل ہیں۔ مطالعہ کیجئے اور اپنی رائے گرامی سے مطلع فرمائیے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بہت اچھے خطّاط اور ڈیزائنر تھے۔ آپ کی ڈیزائننگ میں سے منتخب نوادرات کو سکین کر کے کتاب ''ایک عظیم مسلمان'' کے عناوین کی تزیین کی گئی ہے۔

یقیناً آپ حضرت مولانا مرحومؒ کے ذوق کی داد ضرور دیں گے۔

24۔ ذی الحجہ 1423ھ ق

26۔ فروری 2003ء م

(بوقت 11 بجے رات)

دار بنی عبدالعزیز،
NE-1734-A، گلی نمبر 17،
سلطان پورہ، راولپنڈی (پاکستان)

شہ اقلیمِ قرطاس و قلم

(قطعۂ تاریخ وفات)

مولانا عبدالعزیزؒ

نتیجۂ فکر

جناب مخلص وجدانی (مظفر آباد)

نامور خطاط مولانا عزیز
غمگسارِ دوستاں ہمدم انیس
محفل احباب میں روشن چراغ
نیک سیرت باطن و ظاہر نفیس
وہ شہِ اقلیمِ قرطاس و قلم
علمِ فن کی سلطنت کا وہ رئیس
عالم ہستی سے رخصت ہو گیا
اشکبار و غمزدہ ہیں ہم جلیس
مصرعِ تاریخ مخلصؔ نے کہا
"اٹھ گیا جنت کو اپنا خوش نویس"

2002

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

(ریڈیو انٹرویو)

انٹرویور: جناب محمد صادق، سابق کنٹرولر ریڈیو پاکستان

ممتاز عالم دین ---- مفسر قرآن ---- موحد جلیل ---- محدث عظیم ---- محقق کبیر ---- استاذ الخطاطین حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کی شخصیت کے حوالے سے ایک انٹرویو آپ ذیل کی سطور میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ انٹرویور تھے ریڈیو پاکستان کے سابق کنٹرولر اور قابل احترام ماہر براڈ کاسٹر جناب محمد صادق ---- یہ انٹرویو ریڈیو پاکستان راولپنڈی کے پروگرام ''زندگی رواں دواں'' میں 22۔ فروری 2000ء کو شب نو بجکر پندرہ منٹ پر نشر ہوا۔ دورانیہ تھا 29 منٹ ۔ ریڈیو پاکستان راولپنڈی کے شکریہ کے ساتھ اس انٹرویو کی ٹرانسکرپشن، ہم مِن وعَن آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں:

ص: جناب محمد صادق .... ع: جناب مولانا عبدالعزیزؒ

ص: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ السلام علیکم ۔ پروگرام ''زندگی رواں دواں'' کے ساتھ محمد صادق حاضر ہے۔ آج میرے معزز مہمان ہیں مولانا عبدالعزیز صاحب۔ مولانا عبدالعزیز صاحب امام مسجد ہیں۔ خطیب ہیں۔ عالم دین ہیں۔ خطاط ہیں۔ اور قرآن کے بارے میں گہرا علم رکھتے ہیں۔ قرآن کی تعلیم کو پھیلانے میں ان کا خاصا حصہ ہے۔ جامع مسجد الفاروقؓ کے خطیب ہیں۔ انہوں نے

Marfat.com

درس قرآن کا باقاعدہ اہتمام کر رکھا ہے۔ جو عشاء کی نماز کے بعد ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کو جو خاص اعزاز حاصل ہے، وہ ہے اپنے وقت کی عظیم شخصیات سے ملاقات، جن میں سے چند نام میں ابھی آپ کو بتاؤں گا اور باقی انشاء اللہ گفتگو کے دوران تذکرے میں آئیں گے۔ ان میں سید سلیمان ندویؒ ہیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ہیں۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ ہیں۔ اسی طرح اور بڑے بڑے نامور لوگ ہیں۔ اسی طرح فن خطاطی پر بھی گفتگو ہوگی۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج کا انٹرویو، آج کی یہ گفتگو ہمارے سننے والوں کے لئے بہت فائدہ مند ہوگی۔ پیشتر اس کے کہ میں آگے چلوں۔ سب سے پہلے میں اپنے معزز مہمان مولانا عبدالعزیز صاحب کو ریڈیو پاکستان راولپنڈی کے سٹوڈیوز میں خوش آمدید کہتا ہوں۔

ع: شکریہ۔

ص: مولانا صاحب! میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ریڈیو اور اس کا یہ مائیکروفون اس لئے آپ کے لئے نیا نہیں ہے کہ آپ امام ہیں۔ خطیب ہیں۔ اور خطابت کا فن جانتے ہیں۔ اور دوسرا ایک حوالہ یہ ہے کہ آپ کے صاحبزادے عبدالحفیظ، ہمارے دوستوں میں سے ہیں، ساتھیوں میں سے ہیں۔ اور وہ ریڈیو پاکستان کے سینئر پروڈیوسر کے طور پر فرائض انجام دے رہے ہیں۔ لہٰذا اس لحاظ سے ریڈیو آپ کے گھر کی بات ہے۔ تو مولانا صاحب گفتگو شروع کرنے کے لئے یہ جسارت کروں گا کہ تھوڑا سا آپ اپنے بچپن کے حالات بتائیے کہ کس طرح یہ زندگی کا سفر شروع ہوا؟ بتدائی حالات کیا تھے؟ تعلیم کیسے حاصل کی؟ کس طرح آپ جامع مسجد الفاروقؓ تک پہنچے۔

ع: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ تقریباً سولہ سال کی عمر میں مسجد الفاروقؓ کی خدمت کے لئے اللہ نے مجھے موقع دیا۔ پہلے اس مسجد میں میرے والد صاحب تھے مولانا فضل الٰہی صاحبؒ۔ عالم دین تھے اور علمی گھرانہ تھا۔ وہاں ان کو میں نے دیکھا اور ان کی وفات کے بعد وہاں لوگوں نے مجھے کہا کہ میں مسجد کی ذمہ داری سنبھال لوں۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے، وہ خدمت جو ہے، وہ میں اب تک سرانجام دے رہا ہوں۔ اس دوران میں، مَیں نے تعلیم بھی حاصل کی۔ اس وقت کی جو قدآور شخصیات تھیں، ان کو بھی دیکھنے کا، ان کے قریب ہونے کا موقع ملا۔ ان میں خاص طور پر سید سلمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ظفر

Marfat.com

احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، جنہوں نے ڈھاکہ میں قائداعظمؒ کے کہنے پر سب سے پہلے پاکستان کا جھنڈا لہرایا تھا، ان کو دیکھنے کا موقع ملا۔ ان کا ایک خصوصی درس تھا، اس میں بھی میں شریک ہوا۔ اسی طرح سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، اس وقت کے بڑے لوگوں میں سے تھے، ان کو سننے کا اور ان کے قریب ہونے کا، اور ان کے دروس اور جلوس میں شامل ہونے کے مواقع ملتے رہے۔ اسی دوران اپنی دنیوی ضروریات کے لئے فن خطاطی جو ہے، وہ میں نے صرف چھ مہینے کے اندر سیکھنے کی کوشش کی۔ شوق تو پہلے ہی سے تھا، بچپن سے۔ اور پھر میں نے یہ کام بھی شروع کر دیا۔ بڑے بڑے اخبار تھے اس وقت۔ مثال کے طور پر ''تعمیر'' تھا، اپنے عروج پر۔ اس میں مَیں نے کام کیا۔ اسی طرح روز نامہ ''جنگ'' میں۔ ''جاوداں'' میں، ''ناقوس'' میں، ان میں مَیں نے کام کیا۔ اس وقت کے معروف صحافی جو تھے، ان کے ساتھ بیٹھنے کا موقع ملا۔ مثلاً اس وقت بشیر الاسلام عثمانی مرحوم تھے، محمد فاضل مرحوم تھے۔ منو بھائی تھے، یہ میرے بالکل قریب بیٹھ کر اس وقت کالم لکھا کرتے تھے، دید شنید۔ اس کی کتابت کرنے کا بھی مجھے ہی اکثر موقع ملتا تھا۔ اسی طرح ہدایت اختر صاحب تھے، ''جاوداں'' کے، وہ ''نوائے وقت'' میں بھی رہے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی کام کرنے کا مجھے موقع ملا۔ پھر اس فن میں آگے بڑھنے کا شوق تھا۔ اور پھر اسی دوران شمالی کوریا کی ایمبیسی نے مجھ سے رابطہ کیا۔ کہ آپ نے ہماری کتابوں کی کتابت کرنی ہے تو اس وقت مَیں ''جاوداں'' میں کام کرتا تھا۔ میں نے وہاں سے کام چھوڑ دیا۔

ص: مولانا صاحب! یہاں مَیں قطع کلامی کرنا چاہتا ہوں۔ خطّاطی پر میں آپ سے الگ بات کروں گا۔ اچھا آپ یہ فرمائیے کہ یہ جو قرآنی علم ہے۔ دینی علوم ہیں۔ ان سے آپ نے کیسے اکتساب کیا۔ آپ کی باتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے باقاعدہ سکول کی تعلیم حاصل نہیں کی بلکہ آپ نے غالباً براہ راست دینی مدرسے میں تعلیم حاصل کی۔

ع: پرائمری تک تو میں نے سکول میں پڑھا ہے۔

ص: کہاں جی؟

ع: اسلامیہ ہائی سکول لیاقت باغ میں۔ یہاں میں نے پڑھا ہے۔ جب تقسیم ہوئی ہے۔ پاکستان بنا

ہے۔ اس وقت میں پڑھ رہا تھا۔ اور پھر میں سکول میں باضابطہ تعلیم تو جاری نہ رکھ سکا۔ البتہ میں نے اس وقت مدرسہ تھا دارالعلوم القرآن راجہ بازار میں' وہاں میں نے جانا شروع کیا۔ اگرچہ والدمحترم نے مجھے ایک عالم دین کے پاس بٹھایا۔ وہاں ان سے میں نے استفادہ کیا۔ اسی طرح گلستان' بوستان سید محمد علی شاہ صاحب سے پڑھیں۔ اور کچھ کتابیں' جو درس میں فقہ کی پڑھائی جاتی ہیں مدارس میں' وہ بھی میں نے پڑھی ہیں۔ لیکن میں نے اپنے طور پر درس نظامی کی تمام کتابوں کا شب و روز مطالعہ کیا۔ خصوصی طور پر قرآن سے مجھے شروع سے ہی بہت زیادہ محبت ہے۔ اور میں چاہتا تھا کہ قرآن مجھے سمجھ آ جائے۔ تو تعلیم القرآن میں' شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب کے دروس میں شامل ہوتا تھا' باقاعدگی کے ساتھ۔ قرآن پاک کو وہ ایک مخصوص انداز کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ مثال کے طور پر قرآن پاک کی آیات کو مربوط کرنا یعنی آیات کا ایک دوسرے کے ساتھ ربط پیدا کرنا' وہ میں نے سب ان سے اکتساب کیا۔

ص : ہاں میں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ مولانا غلام اللہ خان صاحب کا۔ ان کی بڑی contribution ہے راولپنڈی کے لوگوں کے لئے۔ اور خاص طور پر دین کو پھیلانے کیلئے' دین کا علم دوسروں تک پہنچانے کے لئے۔ کیسی شخصیت تھے جی وہ؟ آپ نے کیسا پایا ان کو؟ یعنی کیا ان کی contribution ہے راولپنڈی کے لئے؟

ع : وہ بہت بڑی شخصیت تھے جی۔ مولانا غلام اللہ خان صاحب جب راولپنڈی تشریف لائے۔ تو یہاں کے لوگ توہمات میں اور شرک و بدعات میں مبتلا تھے۔ انہوں نے خصوصی طور پر اس طرف توجہ دی۔ اور انہوں نے یہ سمجھا کہ لوگوں کی اصلاح قرآن ہی سے ممکن ہے۔ اس لئے انہوں نے قرآن پاک سمجھانے پر اور لوگوں کو پڑھانے پر زیادہ توجہ دی۔ انہوں نے لوگوں پر زور دیا کہ قرآن پڑھو۔ اس لحاظ سے وہ بہت بڑی شخصیت تھے۔ اللہ کا قرآن ایک عظیم کتاب ہے۔ بہت بڑی کتاب ہے۔ لاریب کتاب ہے۔ انہوں نے اس کو ہی اپنا موضوع بنایا۔ اور مجھے ان کا جو انداز تھا قرآن پڑھانے کا' جو طرز استدلال تھا ان کا' وہ مجھے بہت پسند آیا۔ بہت اچھا لگا۔ دل کو لگا۔ تو میں ان کی طرف مائل ہو گیا۔ اور خصوصاً میرے والد صاحب جو تھے وہ بھی شرک و بدعات اور توہمات سے بہت متنفر تھے۔ یہ بھی اثر تھا مجھ پر۔ تو شیخ القرآن تو

Marfat.com

بہت بڑی شخصیت تھے۔انہوں نے قرآن کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔اور قرآن کریم کے علوم کو لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔اسی طرح وہ علمی شخصیت تو تھے ہی۔وہ بہت بڑے دلیر بھی تھے۔وہ بہت بڑے مہمان نواز بھی تھے۔نرم دل بھی تھے۔ان کے پاس بیٹھنے والے جانتے ہیں کہ وہ لوگوں کی خدمت بھی بہت کرتے تھے۔اور جب کلمہ توحید بیان کرتے تھے تو ان کی ایک خاص شان ہوتی تھی۔مسئلہ توحید بیان کرتے ہوئے ایک خاص جلال ہوتا تھا ان کا۔وہ قرآن کریم پڑھتے چلے جاتے تھے۔قرآن کریم کی آیات کو برمحل پڑھنے میں انہیں ملکہ حاصل تھا۔تو وہ واقعی بڑے مسلمان اور دلیر مسلمان تھے۔

ص: اچھا آپ نے شخصیات کا تذکرہ کیا۔کہتے ہیں جی کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ایک خطیب اور مقرر شعلہ بیان تھے' وہ جب چاہتے تھے رلا دیتے تھے جب چاہتے تھے ہنسا دیتے تھے' ان کے بارے میں آپ کچھ بتائیں۔

ع: امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بہت بڑے خطیب تھے۔ساری دنیا جانتی ہے۔وہ عہد ساز تھے۔ایسی شخصیات زمانے کو اپنے ساتھ لے کر چلتی ہیں۔یہ شخصیات اپنے عہد کا فخر ہوتی ہیں۔یہ شخصیات ایک عرصہ گزرنے کے بعد پیدا ہوتی ہیں۔شاہ صاحب میں بڑی شجاعت تھی۔اور یہ بے خوفی ان میں قرآن کی وجہ سے تھی۔وہ جب قرآن پڑھتے تھے' تو اس کو سننے پر غیر مسلم بھی مجبور ہو جاتے تھے۔ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب جلسے میں تشریف لاتے تو قرآن کریم کے کسی ایک پارے کا تقریباً ایک ربع تلاوت کرتے تھے تو طبیعت چاہتی تھی کہ ان کا قرآن سنتے رہیں۔اور وہ کسی اور موضوع پر بات ہی نہ کریں۔لیکن جب وہ بات کرتے تھے تو وہ بھی سن کر انسان حیران رہ جاتا تھا۔حتیٰ کہ صبح ہو جاتی تھی۔اذانیں ہو جاتیں۔تو وہ فرمایا کرتے تھے۔ابھی تو میں نے تمہید ہی باندھی ہے۔وہ بہت بڑی شخصیّت تھے۔ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔معلوم یہ ہوتا تھا کہ ان کے اندر ایک آگ ہے، جو کہ سلگ رہی ہے، مسلمانوں کے ماضی کو دوبارہ دنیا پر جاری وساری ہونے کیلئے۔وہ ایک مضطرب شخصیت تھے۔چاہتے تھے کہ مسلمان ایک بار پھر دنیا پر غالب ہوں۔غلامی کی زنجیریں توڑ دیں۔فرنگیوں کی غلامی سے نجات پائیں۔وہ عظیم شان والی شخصیت تھے۔اور ان کی باتیں اب بھی یاد آتی ہیں تو دلوں میں ایک عجیب سا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔یہ عطاء

GIFT BOOK

Marfat.com

اللہ شاہ بخاریؒ امیر شریعت ہی تھے' جو کہا کرتے تھے کہ مجھے دنیا میں ایک چیز سے محبت اور ایک چیز سے نفرت ہے۔ محبت مجھے قرآن سے اور نفرت مجھے فرنگی سے ہے۔ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ میری آدھی زندگی ریل میں اور آدھی جیل میں گزری۔ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ میں سُوروں کا وہ ریوڑ بھی چَرانے کیلئے تیار ہوں' جو انگریزوں کی کھیتیوں کو ویران کرے۔ یہ بھی ان کا ہی قول ہے کہ میں چیونٹیوں کی اُن بلوں میں شکر بھی ڈالوں گا کہ جو انگریزوں کو کاٹ کھائیں۔ بہت بڑے حُریّت پسند تھے۔ انقلابیوں کے لیڈر تھے۔ غرض اپنے وقت کی شخصیات میں سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بہت بڑی شخصیت تھے۔

ص : مولانا عبدالعزیز صاحب آپ جس جامع مسجد میں امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ درس دے رہے ہیں۔ آپ یہ بتائیے کہ آپ یہ فریضہ کتنے عرصے سے انجام دے رہے ہیں؟

ع : تقریباً اڑتالیس سال ہونے والے ہیں کہ میں مسجد میں یہ خدمت انجام دے رہا ہوں۔ اور اللہ کے فضل وکرم سے میں مسجد سے کوئی تنخواہ' کوئی مراعات' کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتا رہا۔ اور نہ ہی کر رہا ہوں۔

ص : جی کیا بالکل فی سبیل اللہ؟

ع : بالکل جی فی سبیل اللہ۔ اگرچہ میری بہت بڑی مالی حیثیت نہیں ہے۔ قلم کا مزدور ہوں' خوشنویسی کر کے رزق حلال کماتا رہا ہوں۔ دین کو کاروبار نہیں بنایا۔ میری ایک عادت ہے کہ اللہ کا قرآن سناؤں یا نماز پڑھاؤں یا کوئی دین کی بات بتلاؤں۔ تو میں اس کا معاوضہ لوں' اس کو میں بہت بُرا سمجھتا ہوں۔ اور اللہ کے فضل وکرم سے آج تک میں نے مسجد سے کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ اس وجہ سے لوگ بھی مجھ پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور اگر کسی غریب، مسکین یا مسافر کے لئے بھی کچھ اپیل کرتا ہوں تو لوگ اس کی مدد کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اس کی ضرورت کو پورا کر دیتے ہیں۔

ص : مولانا صاحب' یہ دنیا ہے۔ ہر آدمی دنیا کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ مجھے تو یہ قناعت کا رنگ لگتا ہے۔ یہ قناعت کس طرح حاصل ہوتی ہے جی؟ یعنی کیا کرے آدمی کہ دل سے محبت نکل جائے پیسے کی؟ یہاں تو پیٹ ہی نہیں بھرتا' آنکھیں نہیں بھرتیں' دیکھیں' لوگ بنکوں کے پیسے لے کر کھا گئے۔ واپس ہی کرنے کو

65669
GIFT BOOK

Marfat.com

ان کا دل نہیں کرتا۔ یہ کیا چیز ہے؟

ع: قناعت بہت بڑی اللہ کی نعمت ہے۔ انعام ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ جس کو عطا فرما دیں۔ اگر انسان کے سامنے آخرت کی فکر ہو کہ کل میں نے بھی اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اور یہ مال و دولت تو وہاں کام نہیں آئیں گے۔ میرے اچھے اعمال ہی وہاں کام آئیں گے۔ ظالمانہ اعمال کام نہیں آئیں گے۔ تو پھر یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ میں نے خود محسوس کیا ہے کہ اللہ کا قرآن پڑھنے سے اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات، جن کا اللہ کے قرآن نے ذکر کیا ہے، ان سے یہ چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر انبیاء علیہم السلام تھے۔ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے۔ قوموں کو یہ کہا کرتے تھے کہ ہم جو کچھ تمہیں بتلا رہے ہیں، اس کا کوئی اجر نہیں مانگتے۔ یہ بات بھی میرے سامنے تھی جی۔ اس بات کو میں نے مدنظر رکھا ہوا ہے۔ ویسے بھی لوگوں کے پاس ہے ہی کیا؟ یہ کسی کو کیا دے سکیں گے؟ انبیاء علیہم السلام کی اسی تعلیم کو میں نے اپنی زندگی کا ایک حصہ بنا لیا ہے۔ اور اس پر کوشش ہے کہ کاربند رہا جائے۔ ویسے بھی زندگی کا کوئی پتہ نہیں ہے کہ کتنی باقی ہے۔ تو میں اس طریقے کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

ص: اللہ تعالیٰ استقامت دے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ بڑی ہمت ہے۔ اچھا اب درس قرآن کی طرف آتا ہوں۔ آپ کا طریقہ کار کیا ہے؟ ہمارے سننے والوں کی رہنمائی کیلئے بتائیے، کہ وہ کس طرح اس میں شرکت کر سکتے ہیں؟

ع: میرا خیال یہ تھا جب میں نے شروع کیا کہ یہ قرآن کریم کس طرح لوگوں تک پہنچایا جائے، تو سوچتا رہا کافی عرصہ۔ پھر دل میرے میں یہ خیال آیا کہ لوگوں کو گردانوں کے مشکل چکر میں نہ ڈالا جائے۔ وہ گھبرا جاتے ہیں۔ گردانوں کا سلسلہ ویسے ہے بھی مشکل۔ میں نے کافی غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ قرآن شریف کی ایک آیت پڑھائی جائے اور پھر اسے اس طرح پڑھایا جائے کہ وہ درس میں شریک لوگوں کے ذہن میں نقش ہو جائے۔ اس کے لئے میں نے فیصلہ کیا کہ تختۂ سیاہ پر ایک آیت لکھی جائے۔ تو ایک آیت میں خود ہی لکھتا ہوں موٹے چاک کے ساتھ، بڑے لفظوں میں۔ تو پھر میں اس کو پڑھانا شروع کرتا ہوں۔ پچاس ساٹھ لوگ ہوتے ہیں اللہ کے فضل و کرم سے۔ ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کی، زبر،

Marfat.com

زیر' پیش کی تفصیل بیان کرتا ہوں۔ مثلاً یہاں پر لفظ واؤ کیوں آیا ہے؟ قرآن کریم میں جو لفظ واؤ آتا ہے عربی قواعد کے مطابق' اسے واؤ استنافیہ' یعنی آغاز میں آنے والی کہتے ہیں۔ کچھ واؤ حالیہ کہلاتی ہیں' جس کا حالانکہ ترجمہ کیا جاتا ہے اور کچھ واؤ قَسم کے لئے آتی ہے' وغیرہ تو میں لوگوں کو یہ بتاتا ہوں کہ یہاں پر کون سی واؤ آئی ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق قرآن کریم اسی ہزار حروف پر مشتمل ہے۔ اور اس میں سے اگر تکرار کے الفاظ نکال دیئے جائیں تو یہ صرف دو ہزار رہ جاتے ہیں۔ جبکہ ان میں پانچ سو ایسے حروف ہیں کہ جو ہم روزمرہ گفتگو میں استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً ''شئ'' یہ لفظ شے ہم پنجابی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ اصل میں ہے یہ عربی کا لفظ۔ تو اگر ایسے الفاظ کو بھی نکال دیا جائے تو اللہ کے قرآن میں صرف پندرہ سو الفاظ رہ جاتے ہیں۔ تو میں کوشش کرتا ہوں وہ لوگوں کو سمجھانے کی' اب اس کا اثر یہ ہے کہ درس میں شریک ایک آٹھ دس سال کا بچہ بھی یہ بتاتا ہے کہ یہ واؤ کون سی ہے۔ لفظ مؤمنین اور مؤمنوں میں کیا فرق ہے؟ مؤمنون کیوں آیا ہے' مؤمنین کیوں نہیں آیا؟ تو ان لفظوں کی حالت جری' حالت نصبی یا حالت رفعی اب درس میں شریک بچے بھی بتاتے ہیں۔

ص: مولانا صاحب میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ آپ کے درس میں کس طبقے کے لوگ زیادہ شرکت کرتے ہیں اور اس درس کا ان لوگوں کی زندگیوں پر کیا اثر ہو رہا ہے؟

ع: اس وقت درس میں شریک لوگوں کی مستقل تعداد پچاس اور ساٹھ کے درمیان ہے۔ ان میں بعض ایسے ہیں کہ جو پہلے دن درس میں شریک ہوئے۔ اور ابھی تک باقاعدگی کے ساتھ شریک ہو رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بہت ماہر ہو گئے ہیں۔ میں درس کے اختتام پر ان سے آیت کا ترجمہ کراتا ہوں تو وہ خود ترجمہ بھی کرتے ہیں۔ یہ تعداد اللہ کے فضل وکرم سے بڑھ رہی ہے۔ اور اس پیغام کو وہ لوگوں تک پہنچا بھی رہے ہیں۔ انہیں بتاتے ہیں کہ ایک مولانا صاحب اس طرح درس دیتے ہیں تو وہ بھی اس میں آکر شرکت کرتے ہیں۔ اور اللہ کے فضل وکرم سے یہ روشنی جو ہے دن بدن بڑھ رہی ہے۔ پھیل رہی ہے۔ میرے خیال میں یہ قرآن کا معجزہ ہے' کسی کا کمال نہیں۔

ص: یہ قرآن حکیم ہے جی' یہ اس کی اپنی برکت ہے' رحمت ہے اور جہاں دن بدن علم آرہا ہے' روشنی

بڑھ رہی ہے' شوق زیادہ ہو رہا ہے۔ دنیاوی مسائل کا حل اس کے اندر موجود ہے جی۔ اور دنیا سکون کی تلاش میں ہے۔ مولانا صاحب! آپ کا دوسرا بڑا مضبوط شعبہ ہے۔ حوالہ ہے۔ خطّاطی۔ یہ کیا فن ہے جی۔ اس کا مقصد کیا ہے؟

ع: یہ فن تو جی بادشاہوں کا ہے۔ مثال کے طور پر زمانۂ قدیم میں بادشاہ اپنے شہزادوں کو جہاں اور فنون سکھاتے تھے۔ مثلاً تلوار زنی' نیزہ بازی' گھڑ سواری یا دیگر آداب شاہی سکھاتے تھے۔ وہاں ایک فن ان کو یہ بھی سکھاتے تھے کہ وہ خوبصورت انداز میں لکھیں۔ کتابت کریں۔ وہ خوش خط ہوں۔ وہ انہیں فن خوشنویسی یعنی فن خطّاطی بھی سکھاتے تھے۔ سلطان اورنگزیب عالمگیرؒ، سلطان شمس الدین التمشؒ اور سلطان ناصر الدین محمودؒ بہت بڑے خطاط تھے۔ شہزادہ داراشکوہ بہت بڑے خطاط تھے' خوشنویس تھے۔ اورنگزیب عالمگیرؒ نے قرآن کریم کی کتابت کی۔ تو یہ بادشاہوں کا پسندیدہ فن ہے۔ یہ فنون لطیفہ میں اہم مقام کا حامل ہے۔ اگرچہ یہ فن بہت ادق اور بہت مشکل ہے لیکن انتہائی دلچسپ بھی ہے۔ زمانۂ قدیم میں خطاط بہت عالم و فاضل ہوا کرتے تھے۔ ان میں ماضی قریب میں استاد تاج الدین زرین رقم گزرے ہیں' پروین رقم صاحب تھے' جنہوں نے علامہ اقبالؒ کی کتابیں شروع میں لکھی ہیں بانگ درا وغیرہ۔ یوسف سدیدی صاحب، جنہوں نے مسجد نبوی پر خطاطی کی ہے۔ انور حسین نفیس رقم' ماشاءاللہ حیات ہیں' ان کے شاگرد بھی بے شمار ہیں۔ میرے دوست استاد عبدالرشید مرحوم۔ اور میرے دوست رشید بٹ صاحب، جنہوں نے خط کوفی کا ایک نئے سرے سے احیاء کیا ہے۔ تو یہ ایک عظیم فن ہے اور میں نے اس کو پسند کیا ہے۔ میرے استاد تھے عبدالحفیظ سوہاوی صاحب۔ ان سے میں نے سیکھا۔ اور پھر میں نے کوشش اس میں یہ کی کہ اس میں زیادہ سے زیادہ کمال حاصل کروں۔ اس کو میں نے ذریعۂ معاش بھی بنایا ہے۔ اس میں عزت بھی ہے اور علمی و ادبی شخصیات سے اسی حوالے سے رابطہ بڑھتا ہے' ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ میں نے شاعری کی بھی بے شمار کتابیں کتابت کی ہیں۔ شعراء سے بھی رابطہ رہا۔ شناسائی رہی۔ ایک بات میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ خصوصی طور پر مجھے قرآن کریم لکھنے کا موقع ملا۔ گزشتہ چند برسوں میں ایک تفسیر لکھی ہے میں نے' تقریباً آٹھ جلدوں میں' تدریس لغۃ القرآن ...... ویسے اس کی دس جلدیں ہیں۔ یہ

تفسیر پروفیسر ابو مسعود حسن علوی صاحب کی لکھی ہوئی ہے۔ اور ہر جلد تقریباً ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اور ان مجلدات کو دیکھ کر میں انتہائی خوش ہوتا ہوں۔

ص: مولانا صاحب۔ یہ تو بڑا مشکل فن ہے۔ اور اس فن کی مدد سے قرآن کریم کی کتابت کرنا۔ کیسا آپ نے اس خدمت کو پایا؟ کیسی احتیاط کرنا پڑتی ہے؟

ع: جب کتابت کی جاتی ہے تو سارا جسم ساکت ہوتا ہے۔ انتہائی باریک اعراب لگانا پڑتے ہیں۔ نقطے اور چھوٹے چھوٹے حروف لکھنا پڑھتے ہیں۔ قرآن کریم کی کتابت کرتے ہوئے باوضو بیٹھنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے بے شمار کتابیں کتابت کی ہیں۔ بہت سے پی ایچ ڈی کے تھیس لکھے ہیں۔ تاریخ' تصوف' ادیان' لسانیات' ادب' معاشیات' طب وصحت اور سوانح وغیرہ۔ بڑے بڑے لوگوں کے مقالات کی خوشنویسی کا موقع ملا۔ لیکن اس میں اور قرآن کریم کی کتابت میں بے پناہ فرق ہے۔ جب میں قرآن کریم کی کتابت کرتا ہوں۔ تو اس میں ایک عجیب سا سکون محسوس کرتا ہوں۔ اس میں بہت خوشی محسوس ہوتی ہے۔ اس کی برکت بھی ہے۔ قرآن کا ایک لفظ لکھنے سے جو مسرت حاصل ہوتی ہے وہ الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔

ص: مولانا صاحب۔ یہ جو خطاطی کا فن ہے۔ کیا یہ عروج پر ہے یا زوال پذیر ہے؟ اب تو لوگوں نے بال پوائنٹ استعمال کرنے شروع کر دیئے ہیں' کیا اس سے فن خطاطی پر فرق پڑا ہے؟

ع: یہ جو فن خطاطی ہے ناں۔ اس کا ایک اپنا جلال ہے۔ اس کی اپنی ایک عظمت ہے۔ یہ تو قائم رہے گی۔ اگرچہ کمپیوٹر وغیرہ آ گیا ہے لیکن اس میں ایک مشینی یکسانیت ہے۔ الفاظ کی کئی انداز کی دلکشی و دل آویزی نہیں۔ لیکن فن خطاطی کی اپنی ہی انفرادیت ہے۔ یہ فن زندہ رہے گا۔ اور دنیا کی ترقی اسے پیچھے نہیں کر سکتی۔ اگرچہ اس فن سے وابستہ عام لوگوں پر اس کا اثر پڑا ہے، لیکن جو اساتذہ ہیں۔ جو عمدہ لکھنے والے ہیں اور جن کو اس فن میں مہارت حاصل ہے، اب بھی اسی شان وشوکت سے کتابت کر رہے ہیں۔

ص: اچھا مولانا صاحب یہ بتایئے کہ بہت سے مصور بھی خطاطی کر رہے ہیں۔ بہت سے طغرے تخلیق کئے جا رہے ہیں۔ آپ یہ بتایئے کہ ایک مصور اور ایک خطاط میں کیا فرق ہے؟

Marfat.com

ع: خطاط جو ہے وہ فن خوشنویسی کے اصول وضوابط کے مطابق لکھتا ہے۔ جتنے قط ہیں ان کے مطابق الفاظ کو صفحات پر منتقل کرتا ہے۔ لیکن جو مصور ہے وہ اپنے ذہن کے اندر موجود تصور اور تصویر کو الفاظ کی شکل عطا کرتا ہے۔ اور ان لفظوں کو تصویر میں ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگرچہ اس کا بھی اپنے ہاں بہت اونچا مقام ہے لیکن فن خطاطی کے اصولوں کے مطابق کتابت کرنے والا خطاط جو ہے' اس کی اپنی اہمیت ہے۔ اسی لئے میرے خیال میں دونوں کمال کے لوگ ہیں۔ دونوں عظیم ہیں اور قابل تحسین ہیں۔

ص: اچھا مولانا صاحب۔ یہ جو Titles ہوتے ہیں خطاط حضرات کے مثلاً پروین رقم' زرین رقم وغیرہ۔ یہ کیا ہیں؟

ع: یہ جو پروین رقم صاحب یا تاج الدین زرین رقم صاحب وغیرہ حضرات تھے۔ انہوں نے فن خطاطی کو اتنا بلندی پر پہنچا دیا کہ ان کو اہل فن نے القاب دیئے۔ مثلاً زرین رقم یعنی سنہری لکھنے والے۔ مثلاً الماس رقم' گوہر رقم یہ ان لوگوں کی فن میں عظمت کا اعتراف ہے۔ اور وہ حضرات اپنی پہچان بھی ان ہی ٹائیٹلز سے کراتے تھے۔

ص: مولانا عبدالعزیز صاحب۔ ہمارے پاس وقت محدود ہوتا ہے۔ ہم مزید گفتگو کے لئے آئندہ ایک نشست کا اہتمام کریں گے۔ میں آپ کا انتہائی شکرگزار ہوں کہ آپ یہاں تشریف لائے اور اپنے تجربے اور علم کی روشنی میں بہت سی فائدہ مند باتیں بتائیں۔ امید ہے کہ ہمارے سننے والے اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

ع: آپ کا بہت شکریہ جی۔ ☆

''جتنے دن اس دنیا میں رہو، عزت ووقار اور خودداری کے ساتھ رہو، جیو تو دلیروں کی طرح، مرو تو نیکوں کی طرح۔''

(حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

Marfat.com

زمانہ اِن پہ ناز کرے گا

خامۂ اثر

عبدالحفیظ بن عبدالعزیز

جہاں کہیں، جب کبھی، حق و باطل اور صدق و کذب کا معرکہ بپا ہو گا۔ وہاں حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کو ضرور یاد کیا جائے گا، عزت و احترام، جرأت و دلیری اور حق و سچ کی فتح و نوید کے ساتھ۔

مَیں نے جو لکھ دیا وہ خود ہے گواہی اپنی
جو نہیں لکھا ابھی اس کی شہادت دوں گا

سنہ دو ہزار دو کے جنوری کی دس اور گیارہ تاریخ کی درمیانی شب کارگہ حیات میں لمحوں کا سفر شاہراہِ حیات پر اپنے معمول کے مطابق رواں دواں تھا۔ شب کے بارہ بجے تو ایک نئی صبح کا آغاز ہو گیا۔ نظام فطرت میں کیلنڈر تبدیل ہو گیا۔ جمعرات نے جمعۃ المبارک کا عنوان اختیار کر لیا۔ اس کرہ ارض کے ہر انسان کی زندگی میں سے ایک دن اَور کم ہو گیا۔ تاریخ کا سفر آگے کی جانب بڑھ گیا۔ تقویم تاریخی پر اب 25۔ شوّال کے بجائے 26۔ شوّال المکرّم 1422 ہجری قمری کے حروف و اعداد سج گئے۔ گھڑی کی سوئیاں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگیں۔ لمحے رات کی تاریکی میں اپنے سفر پر آگے ہی آگے سرکنے لگے۔ ساٹھ منٹ گزرے تو شب کے بارہ بجے کے بعد گھڑیال نے صبح کے ایک بجے کا گجر بجادیا۔ ایک بج گیا تو

لمحوں کا سفر رُکا نہیں۔ نظام کائنات میں بظاہر کوئی تغیر، کوئی تبدیلی، کوئی غیر معمولی کمی بیشی دیکھنے میں نہیں آئی۔ ساری دنیا میٹھی نیند کے مزے لے رہی تھی۔ لیکن اِن ڈھلتے لمحوں میں ایک گھر کا ہر مکین اندیشوں اور یاس وامید کے درمیان اپنی اپنی نبض کی رفتار کو دوڑتے محسوس کر رہا تھا۔ ہر ایک کے دل کی دھڑکن دوسرا سُن رہا تھا۔ ہر ایک کے لبوں پر دعائیں تھیں۔ اپنے پیارے بزرگ کی زندگی کے لئے دعائیں۔ لمحے گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر ایک کی نگاہیں مضبوط چھت کو چیرتی، افق در افق، آسمان تک جا پہنچتیں۔ ایک اور صرف ایک اللہ، ربّ العالمین کے سامنے پُرنم، پُرسوز، دل گداز الفاظ اور عاجزی وانکساری کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں فریاد کناں ہوتیں کہ اے اللہ! ہم پر رحم فرما۔ ہمارے پیارے بزرگ کو صحت عطا فرما۔ زندگی عطا فرما۔ کیونکہ اس پیارے بزرگ کی دعاؤں کا سایہ، اس گھر پر فگن ہے۔ لمحوں کے آگے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان دعاؤں میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یوں محسوس ہونے لگا کہ اب وقت محدود ہوتا چلا جا رہا ہے۔ وقت سمٹنے لگا ہے۔ لیکن لمحے بکھرنے لگے ہیں۔ گھر کے مکین بے بس نظر آنے لگے۔ ان کا مشفق ومہربان بزرگ، ان سے جدا ہونے والا ہے۔ وہ انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داغِ مفارقت دینے لگا ہے۔ بکھرتے لمحوں میں انہیں یقین نہیں آ رہا کہ ان کا بہت ہی پیارا بزرگ ان سے جدا ہو رہا ہے۔ ایک نئی طلوع ہوتی صبح میں اس گھر کے مکینوں کے دل پژمردہ ہونے لگے۔ ان سب کی آنکھوں کے سامنے گویا اندھیرا چھانے لگا۔ اور پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ان سب سے ایک روشنی جدا ہوگئی۔ ان سب کی کھلی آنکھوں کے سامنے، ان کا نہایت پیارا بزرگ اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔ چہرے پر تابندگی، شگفتگی اور روشنی۔ لبوں پر ایک حسین تبسم۔ یہ لب چند لمحے قبل لفظ اَللّٰہُ اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی لذت سے آشنا ہو چکے تھے۔ گھر کے سب ہی افراد کو یقین نہ آیا کہ ان کے ساتھ کیا ہو چکا ہے۔ سب نے ہی باآواز بلند اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ اس وقت صبح کے دو بجے تھے۔ اس گھر کے مکینوں پر ایک قیامت ٹوٹ چکی تھی۔ اِسے قیامت صغریٰ کہیے یا قیامت کبریٰ؛ محاورۃً کچھ بھی کہیئے، حقیقت یہی ہے کہ یہ لمحے قیامت سے کم نہ تھے۔ ایک بجلی تھی، جو سبھی کے دلوں میں کوندسی گئی۔ اس گھر کے مکین اس امتحان کے لئے تیار نہ تھے۔ یہ موحدوں کا گھرانہ تھا۔ یہ مئے توحید سے سرشار افراد کا خاندان تھا۔ ان سب کی تربیت، ان کے پیارے بزرگ نے اِسی انداز میں کی تھی

Marfat.com

کہ مصائب و آلام کے طوفانوں میں، ایک اور صرف ایک اللہ سے مدد و نصرت مانگنی ہے۔ صبر کا دامن نہایت مضبوطی سے تھامے رکھنا ہے۔ ان قیامت خیز لمحوں میں بھی اہل خانہ نے اسے اللہ کی رضا سمجھا۔ اس کا حکم مان کر، واویلا کرنے کے بجائے زمانے کے رب کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ امتحان و آزمائش کی یہ گھڑیاں کچھ اور آگے بڑھنے لگیں، ابھی لمحے دقیقوں میں تبدیل ہو رہے تھے۔ صبح کے دو بجے لمحے سفر کرتے کرتے دو بجکر دس منٹ پر آن کر رک گئے۔ کہ اسی گھر کی ایک اور بزرگ ہستی بھی داعئ اجل کو لبیک کہہ گئی۔ وہ اپنے بچوں کو اللہ جی کے حوالے کر کے، اپنے رفیق حیات کے ساتھ ابدی سفر پر روانہ ہو گئیں۔ اکٹھے جینے اور اکٹھے مرنے والوں نے اپنا عہد پورا کر دیا۔ اور دارِ بنی عبدالعزیز کو ویران کر کے وفا کی ایک نئی داستان رقم کر دی۔

یہ گھر تھا۔ دارِ بنی عبدالعزیز۔ مقام تھا: سلطانپورہ، راولپنڈی۔ ابدی سفر پر روانہ ہونے والے بزرگ تھے، اس عہد کے نامور عالم دین، مفسر قرآن، محدثِ احادیثِ رسولِ انامؐ، محبِ اصحابِ محمدؐ، حق گو، مجاہد، محقق، معلّم، خطیب اور خطّاط۔۔۔۔ حضرت مولانا عبدالعزیز بن مولانا فضل الٰہی بن عبدالحلیم۔ ہمارے پیارے ابا جی۔ اور ان کے ساتھ جرعۂ موت چکھنے والی ہستی تھیں، انکی رفیقۂ حیات۔ ہماری پیاری امی جی۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اپنے جوارِ رحمت میں، اعلیٰ علیّین میں، جنت الفردوس میں بلند ترین مقام اور اپنا قرب عطا فرمائے۔ آمین۔

میرے والد محترم حضرت مولانا عبدالعزیزؒ تین بھائی تھے۔ ایک بھائی بہت ہی بچپن میں فوت ہو گئے۔ ان کا نام بھی عبدالعزیز تھا۔ ان ہی کے نام پر بعد میں میرے والد محترم کا نام عبدالعزیز رکھا گیا۔ ان دونوں ''عبدالعزیز'' کے ایک بڑے بھائی تھے۔ عبدالرحمٰن۔ چوہدری عبدالرحمٰن۔ جرأت و دلیری، غریب پروری اور مظلوم دوستی میں واقعی چوہدری۔ سچوں کا ساتھ دینے والے اور بزدلوں زرداروں سے نفرت کرنے والے۔ عبدالعزیز جو بچپن میں فوت ہوئے، چوہدری عبدالرحمٰن جو دسمبر 1976ء میں فوت ہوئے اور مولانا عبدالعزیزؒ جو 11۔ جنوری 2002ء کو دارِ بنی عبدالعزیز میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، ان تینوں کی ایک ہی بہن ہیں۔ جو اِس وقت ماشاء اللہ 80 سے زیادہ برس کی ہیں۔ اور حیات

Marfat.com

ہیں۔

میرے دادا جان حضرت مولانا فضل الٰہی (1867ء۔1952ء) ایک زبردست موحد اور باعمل مسلمان تھے۔ وہ نڈر، بے باک، شریف النفس، پُرخلوص عالم دین تھے۔ انہوں نے دین کو ذریعۂ روزگار نہیں بنایا۔ ساری عمر رزق حلال کمایا۔ چکری روڈ پر موضع رنیال میں اقامت گزیں تھے۔ صبح منہ اندھیرے رزق کی تلاش میں، عموماً پیدل راولپنڈی شہر تشریف لاتے۔ اور غروب آفتاب کے ساتھ واپس موضع رنیال چلے جاتے۔ ان کے برادر نسبتی بھی ان کے ہم نام تھے۔ فضل الٰہی نام تھا ان کا۔ بڑے جری اور بہادر تھے۔ خاکسار تحریک سے وابستہ رہے۔ اپنے گاؤں کے وڈیروں سے کبھی مرعوب نہ ہوئے۔ ان سے کبھی خائف نہ ہوئے۔ ہمیشہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی۔ بزدلوں اور خوشامدیوں کی طرح کبھی نہ جیئے۔ علاقے میں انگریزوں کے گماشتے انہیں اپنی رعایا بنانا چاہتے تھے۔ مگر یہ فضل الٰہی بھی ان کے باغیوں میں سے تھے۔ نتیجۃً آئے روز جھگڑے فسادات ہونے لگے۔ ظالم اور مظلوم کی آویزش یہاں بھی دلوں کے درمیان خلیج وسیع کرتی چلی گئی۔ خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں نوبت خون خرابے تک نہ پہنچ جائے۔ مولانا فضل الٰہیؒ نے فیصلہ کیا کہ اپنے برادر نسبتی کے ساتھ راولپنڈی منتقل ہو جائیں۔

اس خاندان میں ظالموں اور فرنگیوں کے ساتھ ساتھ ان کے گماشتوں سے نفرت نئی نہ تھی۔ مولانا فضل الٰہیؒ کے بزرگ راجپوتوں کی ایک شاخ ''بدھن'' سے تعلق رکھتے تھے۔ بدھن راجپوت کہلاتے تھے۔ مسلمان ہونے سے پہلے راجپوتوں کی روایتی غیرت کی حفاظت کرتے رہے۔ اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد اپنی اس غیرت میں اسلامی حمیّت کو بھی شامل کر لیا۔ سید احمدؒ اور شاہ اسماعیلؒ نے فرنگی گماشتوں (سکھوں) کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ تو ان کے ہراول دستوں میں شامل ہو گئے۔ شمالی ہند کے فلک بوس کہساروں کو اپنا مسکن بنالیا۔ ان کے ساتھ ساتھ رہے۔ معرکۂ بالاکوٹ میں شریک ہوئے۔ مئی 1831ء میں شاہ شہید کے لشکریوں کے ساتھ مل کر داد شجاعت دیتے رہے۔ جنگ کا نتیجہ اہل ایمان کے خلاف تھا۔ سید احمد اور شاہ اسمٰعیل جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ بالاکوٹ کے پہاڑ اور دریائے کنہار کی لہریں ان کے پونے چار سو سے زائد سرفروش ساتھیوں کے خون سے سرخ ہو چکی تھیں۔ کچھ ہی عرصے بعد

جماعت مجاہدین نے گوریلا جنگ کے ساتھ ساتھ دوسرے محاذوں کا بھی انتخاب کرلیا۔ ان تاریخ ساز شہیدوں اور غازیوں کے قصے ہمارے بابا جان سنایا کرتے تھے۔ ان ہی کی روایتوں کے مطابق جنگ بالاکوٹ کے بعد ہمارے بزرگ مری اور ایبٹ آباد کے درمیان موضع ''لورہ'' میں آن کر آباد ہوگئے۔ جہاں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد راولپنڈی سے گزرتے ہوئے موضع رنیال، چکری روڈ پر مستقل اقامت اختیار کرلی۔

حضرت مولانا فضل الٰہیؒ نے 1926ء میں فیصلہ کیا کہ اب مستقل طور پر راولپنڈی میں آباد ہو جانا چاہئے۔ راولپنڈی تشریف لائے تو محلہ امر پورہ میں قیام کیا۔ یہاں مری روڈ پر، وارث خان بس سٹاپ پر واقع جامع مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دینے لگے۔ اس دینی خدمت کا وہ کوئی معاوضہ وصول نہ کرتے تھے۔ فی سبیل اللہ، اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے انداز میں بے لاگ توحید بیان کرتے۔ توحید کی کاٹ برداشت نہ کرنے والے متحد ہوگئے۔ ان پر ''وہابی'' ہونے کی فرد جرم عائد کردی گئی۔ اور پھر انہیں مسجد کی امامت و خطابت سے الگ کردیا گیا۔ محلہ امر پورہ میں ایک اُور مسجد میں قرآن کو موضوع بنایا۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اُن کا خاص موضوع رہا۔ ان دنوں راولپنڈی کو شرک و بدعات اور جہالت کا گڑھ سمجھا جاتا تھا۔ یہاں پر توحید کو موضوع بنانا کسی جرم سے کم نہ تھا۔ محلہ امر پورہ کی مسجد کے دروازے بھی ان کے لئے بند کردیئے گئے۔ انہیں یہاں پر بھی ''فرزندان توحید'' نے امامت و خطابت سے الگ کردیا۔ حضرت مولانا فضل الٰہیؒ کے لئے 1926ء سے 1929ء تک، تین برس بڑے پُرآشوب تھے۔ اِس دوران میں، انہیں دو مرتبہ مساجد کی امامت و خطابت سے محض اس لئے الگ کردیا گیا کہ وہ توحید بیان کرتے تھے۔ شرک سے نفرت کرتے تھے۔ لیکن ان کے لئے ایک اور آزمائش بھی ساتھ ساتھ چل رہی تھی، وہ موضع رنیال سے راولپنڈی شہر آنے کے بعد کرائے کے مکان میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ لیکن اُس وقت کے ''مدعیانِ عشقِ رسولؐ '' نے اُنہیں ''جرم وہابیت'' میں کرائے کے مکان سے بھی نکلوادیا۔ سر چھپانے کے لئے دوسرے مکان میں گئے۔ تو وہاں سے بھی نکلوادیا گیا۔ تیسرے مکان میں بھی یہی عمل دہرایا گیا۔ حتیٰ کہ بائیس مکانوں سے محض اس لئے نکالا جاتا رہا کہ وہ توحید کیوں بیان کرتے ہیں!

Marfat.com

وہ شرکت و بدعات سے بچنے کے لئے لوگوں کو کیوں تلقین کرتے ہیں! اس آزمائش پر مستزاد یہ بھی کہ ''جرم وہابیت'' کے مرتکب میرے دادا جان اور ان کے اہل خانہ کو کنویں سے پانی حاصل کرنے سے بھی منع کر دیا گیا۔ بالآخر انہوں نے محنت مزدوری کر کے ایک سو روپے میں، تھوڑی سی زمین خریدی اور اس پر چھوٹا سا گھر بنایا۔ یوں ''فرزندانِ توحید'' کی ''محبت واخوت'' کے انوکھے اظہار سے نجات حاصل کی۔ مزید برآں حضرت مولانا فضل الٰہیؒ نے محلّہ سلطانپورہ کا وہ حصہ، جو اُس وقت موضع ٹاہلیاں قصباتی کہلاتا تھا، وہاں پر غیر آباد ایک چھوٹی سی مسجد کو آباد کیا۔ اسے باقاعدہ مسجد کی شکل دی۔ اور وہاں پر امامت کے فرائض انجام دینے لگے۔ مسلسل 23 برس تک اس مسجد میں، جسے باضابطہ طور پر، بعد میں امیر المومنین سیدنا عمر فاروقؓ سے منسوب کیا گیا، فی سبیل اللہ، بغیر کسی اجرت و مشاہرے کے پیش امام صلوٰۃ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ انہوں نے اپنے خون جگر سے شمع توحید کو فروزاں رکھا۔ کسی لمحے میں بھی شرک و بدعات کی آندھیوں کو مشعل توحید بجھانے نہ دی۔ دین اسلام سے وفا کا جو عہد ان کے راجپوت بزرگوں نے صدیوں پہلے باندھا تھا اُس پر بے وفائی کی آنچ کا دھبہ نہ لگنے دیا۔ دین اسلام کا یہ باوفا سپاہی 2۔ اگست 1952ء کو اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔ آپ کو کوری روڈ کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

شمع توحید تو امر قیامت قائم ہونے تک فروزاں رہنے کے لئے ہے۔ شمع توحید کو ہر عہد میں اہل ایمان، اپنے جذبات کی حدت سے، اپنی اپنی استطاعت و بساط کے مطابق روشن رکھتے رہے۔ اور اپنے گرم لہو کے نذرانوں سے اس کی حفاظت کرتے رہے۔ حضرت مولانا فضل الٰہیؒ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، تو ان کے فرزند ارجمند حضرت مولانا عبدالعزیزؒ سامنے آئے۔ انہوں نے بھی جادۂ مستقیم پر کبھی مصلحتوں کی منفعتوں سے دامن دل کو آلودہ نہ ہونے دیا۔ کبھی کسی جابر وڈیرے یا ظالم خانوادے کے سامنے سر نہ جھکایا۔ کسی زردار کی چمک دمک سے خائف نہ ہوئے۔ دین کو پیشہ نہ بنایا۔ دین کو کاروبار نہ بننے دیا۔ دین کو ذریعۂ روزگار بنانے والوں سے ہمیشہ اعراض و اباء کیا۔ عمر بھر سچے رہے، اور سچوں کا ہی ساتھ دیا۔ اپنی عبائے زندگی کو علوم و معارفِ قرآن کے نگینوں سے جگمگائے رکھا۔ اہل حق کی صف میں کھڑے رہے۔ اپنی

زندگی اس شان سے بسر کی کہ دوسروں کے لئے نمونہ بن گئے۔ دوسروں کے سامنے ایک روشن مثال قرار پائے۔ زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہ گزرا کہ دین اسلام کے معطر اصولوں کی خوشبو سے ان کا کردار مہک نہ رہا ہو۔ زیرِ نظر کتاب کے آئندہ صفحات میں مختلف اصحابِ علم ودانش کی تحریریں اس کی گواہی دیں گی۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے زندگی بھر ایسے رہنمایانِ اسلام سے تعلق رکھا کہ جو اپنے اپنے وقت میں علم وعمل کے پہاڑ تھے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ جیسے زعماء کی علمی مجلسوں سے خوشہ چینی کی۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسے امیر احرار کی فرنگ دشمنی کو اپنے انگ انگ میں بسا لیا۔ امیر الموحدین سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ جیسے عظیم موحد کی خالص توحید پر مبنی فکر کے زبردست ناشر وشارح بنے۔ الازہر کے تجدد پسند علماء کی بہت سی توجیہات پر انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ کی دیو پیکر علمی شخصیت کے ہمیشہ رطب اللسان رہے۔ امام الہندؒ کے ''ترجمان القرآن'' کے اکثر حوالے دیتے اور ان کے بعض تفسیری نکات پر عش عش کر اٹھتے۔ ان کے ''الہلال'' اور ''البلاغ'' کو گزشتہ صدی میں زوال پذیر مسلمانوں کے شکوہ رفتہ کی ایک جھلک سے تعبیر کرتے۔ مفتی محمد عبدہٗ مصری کے ''العروۃ الوثقیٰ'' کے بعض شماروں کو ظلمت کدۂ یورپ میں نور اسلام کا عنوان دیتے۔ حیدرآباد دکن کے جامعہ عثمانیہ کے بعض تراجم کو اہم علمی خدمت سے تشبیہ دیتے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کو عالمی سطح کے ان رہنماؤں سے بہت عقیدت تھی جو مختلف اوقات میں مغربی استعمار کے سامنے چٹان بن گئے۔ جمال عبدالناصرؒ، احمد بن بیلا، عبدالرحیم احمد سوئیکارنوؒ، ہوچی منہ، ماؤزے تنگ، فیدل کاسترو اور صدام حسین، ہمیشہ ان کی عقیدتوں کا محور رہے۔ اکثر مجھے فرمایا کرتے تھے کہ مغربی یورپ اور امریکہ ازل سے مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ ان کے مقابلے میں جو بھی ڈٹ جائے۔ آنکھیں بند کر کے اس کی حمایت میں کھڑے ہو جاؤ۔ دنیا میں تمام برائیوں اور مسائل کی جڑ مغربی یورپی اور امریکہ کے حکمران ہیں۔ اور دنیا بھر میں مسلمانوں کی عصری زبوں حالی میں نوے فیصد حصہ یورپی و امریکی حکمرانوں کا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام دشمنی میں نصرانی وصیہونی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی مسلمانوں کا حامی ودوست نہیں ہو سکتا۔ مشرق وسطیٰ اور افریشیا میں بادشاہتیں

Marfat.com

اور ملوکیتیں محض مغربی گماشتوں کا کردار ادا کر رہی ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ امریکی حکمرانوں کو خونِ مسلم کی چاٹ لگ گئی ہے۔ انہیں مسلمانوں کا لہو بہانے میں بہت مزہ آتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ برطانوی حکمران لومڑی کے مماثل ہیں۔ اپنی عیاری اور چالاکی سے مسلمانوں کے لئے تباہی کی سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ صلیبی جنگوں میں بھی برطانیہ کے ہی رچرڈ نے صلیبیوں کی قیادت کی تھی۔ آج بھی برطانیہ کے حکمران ہی ہر اسلام دشمن جنگ میں امریکہ کے غیر مشروط حامی و مددگار ہوتے ہیں۔ اقوام متحدہ کو ایک ایسا ادارہ قرار دیتے تھے کہ جو مسلم کشی کے لئے امریکہ و برطانیہ کو جواز و دستاویز مہیا کرتا ہے۔ قرآن کریم کی آیات پڑھ کر یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی کو واضح فرماتے اور اہل اسلام کو ان سے بچنے کی تلقین کرتے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کو قرآن سے لازوال عشق تھا۔ جب بھی تھوڑا سا ہی وقت ملتا، قرآن کریم کی تلاوت فرماتے۔ اس کے علوم پر غور و فکر کرتے۔ ایک ایک لفظ کو توجہ سے پڑھتے۔ تفاسیر و تراجم سے رجوع کرتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم کو جتنی مرتبہ اور جب بھی پڑھو، ہر لفظ سے ایک نیا مفہوم ہی نکلے گا۔ قرآن کریم کا ہر لفظ علم و عرفان کا ایک بحرِ بے کراں ہے۔ اس عظیم کتاب پر صدیوں سے ہزاروں افراد کی سینکڑوں زبانوں میں ہزاروں انداز میں ریسرچ جاری ہے۔ اور ہر مرتبہ اس کی صداقت دلوں پر اور زیادہ گہرے نقوش ثبت کرتی چلی جاتی ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ قرآن کریم کا ہی اعجاز ہے کہ مادرزاد بصارت سے محروم افراد بھی اس کے حفاظ ہیں۔ پانچ چھ سال کے بچے بھی اس کے حافظ ہیں۔ عورتیں بھی اس کی حافظ ہیں۔ یہ ان حفاظ کا نہیں بلکہ قرآن کریم کا اپنا اعجاز ہے۔ اور دنیا کے کسی اور مذہب کا کوئی اور فرد اپنی مقدس کتاب کا حافظ دنیا میں موجود نہیں۔ حتیٰ کہ پوپ اعظم بھی نہیں۔ علوم قرآن سے لذت آشنائی کے لئے عربی، اردو، فارسی اور پنجابی کی بے شمار تفاسیر ان کی ذاتی لائبریری میں موجود تھیں۔ اور جب وہ درس کے لئے تیاری فرماتے تو یہ تفاسیر آپ کے سامنے موجود ہوتیں۔ اور ہر تفسیر سے متعلقہ و مطلوبہ آیت کے رموز و اسرار کو ذہن نشین کرتے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کا دل ہر لمحہ مضطرب رہتا کہ مسلمان قرآن کریم سے اپنا ناطہ کیوں نہیں جوڑتے! قرآن کے بحرِ علوم میں غواصی کیوں نہیں کرتے! وہ قرآن کریم کے علاوہ قصے کہانیوں کی کتابوں

Marfat.com

کے مطالعے میں اپنا وقت کیوں ضائع کرتے ہیں! مسلمانوں کے علماء بھی قرآن پر کم اور متنبی وحماسہ پر زیادہ وقت کیوں ضائع کرتے ہیں! وہ صبح سے شام تک رزق حلال کماتے۔اور ساتھ ساتھ شام ڈھلنے کا بھی انتظار کرتے اور صلوٰۃ مغرب کے فوراً بعد درس کی تیاری شروع کردیتے۔عشاء کی اذان تک تیاری کرتے۔اور صلوٰۃ عشاء کے فوراً بعد درس قرآن دیتے۔درس میں موجود ہر شخص کو آیت درس ازبر ہو جاتی۔اس کے لغوی وتفسیری مطالب اور مفاہیم اس کے ذہن نشین ہو جاتے۔اور جب وہ مسجد سے رخصت ہوتا تو قرآن کریم کی روشنی سے اس کا قلب وذہن منور ہو چکا ہوتا۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ ایک روشن دماغ، روشن ضمیر اور وسیع المطالعہ شخصیت تھے۔توہم پرستی سے شدید نفرت کرتے تھے۔پیری مریدی، تعویذ گنڈے اور جادو ٹونے کو پتھر کے زمانے کی باتوں سے تشبیہہ دیتے۔فرمایا کرتے تھے۔کہ پیری مریدی دراصل کاروبار بن چکا ہے۔ماضی کے روحانی رہنما علماء ہوتے تھے۔جو علوم قرآن سے آگاہ اور پابند شریعت ہوتے۔وہ شعبدہ بازیوں سے کوسوں دور ہوتے۔اور اسلام کی سادہ وپُر وقار روایات واقدار کے باعمل وباکردار نمونہ ہوتے۔وہ معتقدین کی جیبوں پر نظر رکھنے کی بجائے اپنے ہاتھوں سے رزق حلال کماتے۔تعویذ گنڈے تو دراصل مشرکین مکہ کے عہد کی یادگار ہیں۔ترمذی شریف کی ایک حدیث بیان فرماتے۔کہ تمائم یعنی تعویذ وغیرہ سے اسلام میں منع کیا گیا ہے۔جادو کو ایک بے حقیقت، بے اصل اور بے بنیاد واہمہ قرار دیتے۔فرماتے کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔اور اس حوالے سے لکھی گئی تحقیقی کتب کا مطالعہ کرنے کی تلقین فرماتے۔پیری مریدی، تعویذ گنڈے اور جادو ٹونے کا کاروبار کرنے والوں کو، خواہ وہ کسی بھی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں، پسند نہ فرماتے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ مدارس کے موجودہ نظام سے مطمئن نہ تھے۔فرمایا کرتے کہ ایک مدرس جس کی کاغذات میں تنخواہ ڈھائی تین ہزار ہے۔وہ ہر سال عمرہ کس طرح ادا کرتا ہے؟ ہر سال حج کس طرح کر لیتا ہے؟ ایک معمولی مہتمم مدرسہ کے پاس پجیرو، پلاٹ، کوٹھی، کاروبار اور کلاشنکوف بردار کیونکر آجاتے ہیں؟ کیا رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ ایسے ہی تکلفات سے عبارت تھی؟ فرمایا کرتے تھے کہ ایک پیر ومولوی جو اپنے ہاتھوں سے رزق حلال نہیں کماتا، وہ اسلام آباد کے مہنگے ترین کاروباری مرکز میں پلازوں، راولپنڈی

شہر میں پٹرول پمپوں، ہوٹلوں اور قیمتی جائیدادوں کا مالک کس طرح بن جاتا ہے! لوگوں کو یہ بتانے والے کہ رسول اللہ ﷺ چٹائی پر آرام فرمایا کرتے تھے تو آپ ﷺ کے جسم مبارک پر چٹائی کے نشان پڑ جاتے تھے، مگر اس گدی نشین کی اپنی خوابگاہ پُر آسائش گدوں سے کیوں آراستہ ہے؟ لوگوں کو یہ بتانے والے کہ، رسول اللہ ﷺ کے گھر کئی کئی دن چولہا نہیں جلتا تھا، ان ''فقیروں'' کے اپنے گھروں سے سارا سارا دن مرغن کھانوں کی خوشبوئیں کیوں آتی رہتی ہیں؟ فرمایا کرتے تھے کہ دین کاروبار نہیں۔ دین کا کوئی مسئلہ بتا کر اجرت لینا حرام ہے۔ دین کا وعظ کہہ کر اُجرت لینا ناجائز ہے۔ دین کی عبادات میں پیشوائی کر کے اجرت لینا جائز نہیں۔ حتیٰ کہ نماز پڑھا کر تنخواہ لینا بھی درست نہیں۔ نماز ہر ایک مسلمان پر فرض ہے۔ خواہ وہ مرد ہے یا عورت، ہر بالغ عاقل مسلمان نے نماز پڑھنی ہی پڑھنی ہے؛ اگر اسے کوئی شرعی عذر لاحق نہ ہو؛ اگر کوئی عالم مسجد میں موجود ہے اپنے اوپر فرض کیے گئے پنجگانہ کی ادائیگی کے لئے؛ تو وہ بجائے چوتھی پانچویں صف میں کھڑے ہونے کے پیش امام کے مصلے پر کھڑا ہو جائے۔ نماز پڑھنے کے ساتھ ساتھ پڑھا بھی دے؛ تو اس پر وہ معاوضہ کیوں طلب کرتا ہے؟ جمعے کا وعظ کہتا ہے تو اجرت کیوں لیتا ہے؟ تمام انبیاء کرامؑ اپنی امتوں اور اپنے مخاطبین سے یہی فرماتے رہے کہ ہماری بات سنو۔ ہم تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتے۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ بھی نماز پڑھا کر یا جمعہ کا وعظ کہہ کر اُجرت نہیں لیا کرتے تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت عمروؓ بن العاص اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مدارس قائم نہیں کر رکھے تھے کہ وہ ان کے مہتممین بن کر دور دراز علاقوں سے اپنے نمائندوں کے ذریعے چندے جمع کیا کرتے تھے۔ تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ اپنے ان خیالات کا بے باکی کے ساتھ اظہار فرماتے اور مروجہ دینی مدارس کے بعض مہتممین اس حوالے سے ان سے شاکی رہتے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ مروجہ تبلیغی جماعت کے اکثر ارکان کو پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ اپنے علاوہ دیگر تمام دینی کام کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور ان کے ایمان کو بھی ناقص قرار دینے میں حجاب

Marfat.com

محسوس نہیں کرتے۔ حضرت مولانا عبدالعزیز مروجہ تبلیغی جماعت کے طریقہ تبلیغ کو بھی تبلیغ نبوی کا مماثل نہیں سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ جس تبلیغ میں جہاد کا تذکرہ نہیں اور یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی سے نفرت کا اظہار نہیں، وہ تبلیغ ناقص ہے۔ جس تبلیغ میں مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم پر چشم مسلم اشکبار نہیں، وہ تبلیغ ناقص ہے۔ جو تبلیغ مسلم نوجوانوں سے عقابی روح چھین لے، انہیں علم سے دور کر دے، ماں باپ کا نافرمان بنا دے اور ماں باپ کی خدمت سے دور کر دے وہ تبلیغ ناقص ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ تبلیغی جماعت کی قیادت ایسے ہاتھوں میں ہے کہ جو قومی و عالمی سیاست میں استعمار کو فائدہ پہنچاتی ہے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظاموں کو مسلمانوں کے لئے زہر ہلاہل سے تشبیہ دیتے تھے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کی پسماندگی اور غربت و جہالت کے اصل منابع یہی دو نظام ہیں۔ ان دونوں نظاموں نے محنت و محبت کی خوشبو اور روشنی کو متعفن و تاریک کر دیا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام انسانیت کے دشمن ہیں۔ ساری دنیا میں استعماری حکمران اپنے سامراجی نظاموں کے تحفظ و بقاء کے لئے اپنے سرمایہ دار اور جاگیردار گماشتوں کو استعمال کرتے ہیں۔ یہ مزدور و کسان کی محنت کو ہڑپ کر جاتے ہیں۔ اور یہ انسانوں کی فروخت کا کام کرتے ہیں۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر قیام پاکستان کے ساتھ ہی پاکستان سے جاگیردارانہ نظام کو تلپٹ کر دیا جاتا اور سرمایہ داروں کو بھی ایک حد تک محدود کر دیا جاتا تو آج پاکستان کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ مقامی سطح پر کروڑوں پتی سرمایہ داروں کو تلقین کیا کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی دولت پر سانپ بن کر نہ بیٹھ جائیں۔ زکوٰۃ کی رقم کو ایک مربوط طریقے سے مقامی غرباء میں اس طرح تقسیم کریں کہ وہ معاشی طور پر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔ وہ بار بار حج بیت اللہ کے نام پر اپنی دولت کے مظاہرے نہ کریں۔ اور رمضان المبارک میں عُمرے کے نام پر ہر سال قیمتی زرمبادلہ کو ضائع نہ کریں۔ بلکہ اپنے علاقے کے محتاجوں، مسکینوں اور بے روزگار سفید پوشوں کی مالی طور پر مدد کریں۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ پلازے، یہ جائیدادیں، یہ بڑی بڑی کاریں، سب یہیں رہ جائیں گی۔ دولت پر غرور و ناز اور هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کے تصور کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ کروڑوں پتی سرمایہ دار زمین کے اندر مدفون بے

Marfat.com

جان مُردوں کو ہر حال میں عذاب دلانے کے لئے بھی لڑتے ہیں اور زمین کے اوپر رہنے والے اپنے اردگرد کے زندہ انسانوں کے حقوق بھی پورے نہیں کرتے۔ان کے دلخراش احوال سے جان بوجھ کر، بے خبر رہ کر، اغماض بھی برتتے ہیں۔آپ سوالیہ انداز میں پوچھا کرتے تھے کہ کیا ایسے دیندار حُجاج، اسلام کے حقیقی نظام انفاق کے تقاضوں کو پورا کر رہے ہیں؟

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ مروجہ کرایہ دارانہ نظام کو بھی درست نہیں سمجھتے تھے۔ان کے نزدیک کرایہ دارانہ نظام، سرمایہ دارانہ اور ملوکانہ نظام کا ہی ایک انداز ہے۔وہ حکومتیں جو اپنے عوام کو سر چھپانے کے لئے گھر کی چار دیواری اور چھت نہیں دے سکتیں؛ وہ حکمرانی کا دعویٰ نہیں کر سکتیں، جب حکومتیں اس حوالے سے بے اعتنائی برتتی ہیں تو سرمایہ دار اپنے سرمائے کو دگنا کرنے کے لئے آگے بڑھتا ہے۔اسلام دولت کی اس انداز میں افزودگی کو پسند نہیں کرتا۔مجبور اور بے بس کرایہ دار اپنی محنت کا ایک بڑا حصہ مالک مکان سرمایہ دار کو ہر مہینے ادا کر دیتا ہے۔اور وہ بیٹھ کر نہیں بلکہ لیٹ کر اس کی محنت کو کھاتا ہے۔اسلام اس امتیاز و تفاوت کو ناجائز سمجھتا ہے۔فرمایا کرتے تھے کہ سرمایہ دار مالک مکان و دکان کا یہ منافع بخش دولت جمع کرتے چلے جانے کا انداز اسلام سے مطابقت نہیں رکھتا۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ سرکاری زمین کو، اپنے اثر و رسوخ سے اپنے ذاتی تصرف میں لانے اور پھر اس سے دولت جمع کرتے چلے جانے کے انداز کو بھی درست نہیں سمجھتے تھے۔ان کے نزدیک ایسا کرنا قومی مجرموں کا کام تو ہوسکتا ہے۔کسی قومی خدمت گار کا نہیں۔اس حوالے سے وہ اکثر بعض کروڑوں پتی سرمایہ داروں کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔کہ جو سرکاری زمینوں، جگہوں، سڑکوں اور راستوں پر قابض ہو کر اپنی تجوریاں بھرتے چلے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ فرمایا کرتے تھے کہ درس قرآن، خطبۂ جمعہ یا دینی گفتگو کے کسی بھی لمحے میں کتمانِ حق کرنا جرم ہے۔مسانید رشد و ہدایت کے بزعم خود مدعی، جو اپنے آپ کو انبیاء کا وارث کہتے ہیں؛ اگر وہ ثَمَنًا قَلِیلًا کے لئے اللہ کے کلام کی آیتوں کو سنا کر معاوضہ لیں تو یہ آیات فروخت کرنے کے مترادف ہے۔اگر کسی علاقے کی مسجد کا امام و خطیب کسی سرمایہ دار یا سیاسی و سماجی اثر و رسوخ والے کی

Marfat.com

خوشامد کرے، اس کی کاسہ لیسی کرے تو اسے امامت وخطابت کا کوئی حق نہیں۔ وہ اللہ کے ہاں مجرم ہے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے پچاس برس تک جامع مسجد الفاروق ؓ میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیئے۔ لیکن کسی بھی مرحلے پر کتمانِ حق نہیں کیا۔ سچ کو نہیں چھپایا۔ نماز ووعظ کے عوض کبھی معاوضہ نہیں لیا۔ خطاطی کے ذریعے رزق حلال کمایا۔ کسی سرمایہ دار و جاگیردار یا سیاسی اثر و رسوخ والے کی خوشامد نہیں کی۔ اس کی چاپلوسی نہیں کی۔ اپنے خطبوں میں اس کی تعریفوں کے پل نہیں باندھے۔ کسی عمامہ پوش کی رعونت سے بھی کبھی مرعوب نہیں ہوئے۔ زندگی بھر اگر کبھی ڈرے تو صرف اور صرف ایک ذات باری تعالیٰ سے۔ ہمیشہ خوف آخرت وقیامت کو ہی ملحوظ رکھا۔ اپنی زبان کو کروڑوں پتی سرمایہ داروں کی بے جا مدح سرائی سے آلودہ نہیں کیا۔ اور ہمیشہ وہی بات کہی جو حق تھی۔ جو قرآن کے تیس پاروں میں مرقوم ہے۔ جو لسان نبوت سے واقعتاً امت کی رہنمائی کے لئے ادا ہوئی ہے۔ وہ علماء حق کے اس قافلے کے بچھڑے ہوئے حُدی خواں تھے کہ صدق وصفا جس کا شعار تھا۔ جو راہ حق میں مصائب وآلام کے طوفانوں سے کھیلتے رہے۔ جو اعلائے کلمۃ الحق کی ادائیگی کی پاداش میں جور وستم برداشت کر کے ہنستے مسکراتے رہے۔ ان کی کردارکشی کی گئی تو وَ خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا کے الٰہی حکم پر عمل پیرا ہوتے رہے۔ ان پر کفریہ فتوؤں کی توپیں داغی گئیں۔ تو صبر ورضا کے پیکر بن گئے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کی ایک طویل عرصے سے خواہش تھی کہ لوگوں میں فہم قرآن کی تڑپ پیدا ہو۔ وہ علوم قرآن سے براہ راست باخبر ہوں۔ وہ قرآن کو آسان انداز میں سمجھیں۔ وہ قصے کہانیاں اور دوہڑے سننے پڑھنے کی بجائے قرآن کریم سے براہ راست استفادہ کریں۔ انہوں نے اپنے مخصوص اور نہایت آسان انداز میں درس قرآن کا آغاز کیا۔ انہوں نے پندرہ منٹ میں ربع ونصف یا ایک پارے کا درس دینے کی بجائے ایک یا دو آیات پڑھانا شروع کیا۔ آپ خطاط تھے۔ بلیک بورڈ پر ایک یا دو آیات کتابت کرتے۔ اور ایک ایک لفظ، ایک ایک زبر، زیر، پیش پڑھاتے۔ اس کے لغوی مطالب بتاتے۔ اس کے تفسیری نکات بیان کرتے۔ اس ضمن میں شان نزول سمیت، انبیاء کرام ؑ کے واقعات سناتے۔ صحابہ کرامؓ کے عشق رسول ﷺ کی داستانیں بیان کرتے۔ علماء حق کی عزیمت اور سنت رسول ﷺ کو عمل کا

روپ عطا کرنے کے قصص بیان کرتے۔عصر حاضر میں مسلمانوں کو درپیش مسائل و مصائب کا آیت کریمہ کے تفہیمی پس منظر میں حل بتاتے؛ خاص طور پر نوجوان مسلمانوں کو عصری Challenges سے نبرد آزما ہونے کے لئے جدید علوم سے بھی آراستہ ہونے کی تلقین کرتے اور عالمی سطح پر نصرانی وصہیونی سازشوں سے باخبر کرتے۔اور ایوبی وغزنوی وغوری فاتحوں کی رزم آرائیوں سے اپنے سامعین کو آگاہ کرتے۔استعمار دشمنی کو جزوایمان بنانے پر زور دیتے۔علاء حق کا احترام اور علماء سوء کے گھناؤنے کردار سے نفرت کا اظہار کرتے۔اور دنیا میں رہنے کے آداب کا سلیقہ بتاتے۔حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام کرنے کی نصیحت کرتے۔ذرا سوچئے، کیا دنیادار، دولت پرست اور دین کو کاروبار بنانے والے ایسی باتوں کی حدت کو برداشت کرسکتے تھے؟

1994ء کے اوائل کا ذکر ہے کہ دوران درس قرآن حکیم، سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 28 کے ضمن میں فلسفۂ حیات وممات بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو دو زندگیاں اور دو موتیں عطا کی ہیں۔اگر قبر کے اندر انسان کے زندہ ہونے کے تصور کو مان لیا جائے۔تو اس طرح تین زندگیاں اور دو موتیں ہو جاتی ہیں۔یہ نظریہ قرآن کریم کی اس آیت سے مطابقت نہیں رکھتا۔اس کے بعد آپ نے اور بھی بہت سی آیات بطور دلائل پیش کیں۔حالانکہ آپ نے ''مسئلۂ عذاب قبر'' کو خصوصی طور پر موضوع نہیں بنایا تھا۔بلکہ یہ ترتیب کے ساتھ پڑھی جانے والی آیات درس میں سے ایک آیت تھی۔مگر مقامی کروڑوں پتی سرمایہ داروں میں سے ایک نئے نئے تبلیغی نے کچھ عناصر کی ایماء پر مختلف مدارس سے کفریہ فتوؤں کا ایک انبار جمع کرکے پروپیگنڈے کا ایک طولانی طوفان برپا کردیا۔حضرت مولانا عبدالعزیزؒ سے ذاتی طور پر کچھ بھی استفسار نہ کیا۔کیونکہ مسئلے کی تفہیم تو مقصد تھا ہی نہیں۔مدارس کو دین کے نام پر بطور کاروبار چلانے والے، نمازیں پڑھا کر بھاری تنخواہیں وصول کرنے والے، تبلیغ کے نام پر نوجوانوں میں سے جذبہ جہاد سرد کرنے اور ضعیف روایتوں کو دین کا درجہ دینے والے، دولت سے پیار کرنے والے، بے گھر کرایہ داروں کی محنت پر پلنے، حج بدل اور عمروں کے نام پر قیمتی زرمبادلہ ضائع کرکے سیاحت کرنے والے، سبھی متحد ہو گئے۔ایک اتحاد بن گیا۔اسے اجماع امت کا نام دیا گیا۔مسلک کے تحفظ کے نام پر ایک دوسرے کے

خلاف کفر تک کے فتوے جاری کرنے والے، بریلوی، دیوبندی، غیر مقلد اور اہل تشیع سب ہی اکٹھے ہو گئے۔ تبلیغی جماعتیں ملک بھر میں جہاں بھی جاتیں باطنی تحریک کے انداز میں مسئلۂ عذاب قبر بیان کرتیں اور ملک بھر میں حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے خلاف جاری کئے گئے کفریہ فتوؤں کو موضوع بنا کر تشہیر کرتیں۔ گویا اسلام کی اولین بنیاد مسئلۂ عذاب قبر ہی تھا اور حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے اس سے انکار کر کے اسلام کی ساری عمارت کو دھڑام سے گرا دیا تھا۔ جن زرداروں کو اندھی دولت پر کنڈلی مار کر بیٹھ جانے والے سانپ نہ بننے اور انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین کی جاتی تھی؛ وہ اپنی بلوں سے باہر نکل آئے۔ اور گھر گھر جا کر فتوے دکھا کر لوگوں کو حضرتؒ کی امامت میں نماز پڑھنے سے روکنے لگے۔ نوعمر ونوآموز مفتیوں کے بے ربط جاہلانہ فتوؤں پر بڑے مفتی بھی صاد کرنے لگے۔ غیر مقلدوں نے اپنے جمعے کے خطبات میں حدیث کے نام پر ان کفریہ فتوؤں میں مزید زور پیدا کیا۔ پیر صاحب موہڑہ شریف کی گدی سے وابستہ کچھ افراد بھی سرگرم عمل ہو گئے۔ سیٹلائٹ ٹاؤن کی ایک مسجد کے مفتی کی خدمات حاصل کی گئیں؛ جو مسجدوں پر قبضے کرنے کے ماہر سمجھے جاتے ہیں؛ کہ مسجد الفاروقؓ پر قبضہ کر لیا جائے۔ کچھ مولوی پر تولنے لگے کہ پچاس برس تک مسلسل توحید بیان کرنے اور ایک عالیشان مسجد تعمیر کرنے والے بے لوث موحد کو ہٹا کر اس مسجد سے وہ اپنے لئے ''روزگار'' کا سامان کر لیں۔ ایک مفتی صاحب کو تو حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے گھر کے بالکل سامنے اور مسجد کے قریب گھر خرید کر بھی دے دیا گیا۔ جہاں انہوں نے اپنے والد محترم کے نام کی نسبت سے ایک مدرسہ بھی قائم کر لیا۔ یہاں پر ان مخالفین کا اجتماع ہوتا، صلاح ومشورے ہوتے۔ عذاب قبر کی آڑ میں سازشیں ہوتیں۔ مسجد پر قبضہ کرنے کے منصوبے بنتے۔ دن بہ دن دباؤ بڑھایا جانے لگا۔ منظم اور غلیظ پروپیگنڈے سے حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کی شخصیت کو اس طرح لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا کہ نقل کفر، کفر نہ باشد، وہ مسلمان نہیں رہے۔ استغفر اللہ۔ انہوں نے دین اسلام چھوڑ دیا ہے۔ استغفر اللہ معاذ اللہ۔ اور یہ کہ عالم اسلام نے ان کے کفر پر اجماع کر لیا ہے۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ ایک شب صلوٰۃ عشاء کے بعد درس قرآن سے فارغ ہوئے تو بلوچستان کے ایک قبائلی نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ ہی مولانا عبدالعزیزؒ ہیں؟ اور آپ ہی عذاب قبر کے منکر ہیں؟ آپ نے اسے بٹھایا۔ آیات قرآن کی

Marfat.com

اس کے سامنے تلاوت کی۔ کچھ دلائل پیش کئے۔ تو وہ کہنے لگا کہ اسے کچھ اور بتایا گیا تھا۔ اور وہ اس لئے آیا تھا کہ "لشکر" لے کر آئے گا۔ اور اسلام کے دشمن کو "شوٹ" کر دے گا۔ کچھ عرصہ مزید گزرا۔ تو میری والدہ مرحومہ کو ایک دھمکی بھجوائی گئی کہ یہ صرف دو باپ بیٹا ہیں۔ انہیں ہم اٹھوالیں گے۔ اور مروادیں گے۔ لیکن شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے ساتھ مل کر جہاد کرنے والے مجاہدوں کی حمیت اسلامی کا وارث، توحید کی لذت سے سرشار حضرت مولانا فضل الٰہیؒ کا جانشین، اپنے عہد کا سب سے بڑا موحد، مخالفتوں کی ان آندھیوں میں بھی نہ گھبرایا۔ وہ فروغِ علومِ قرآن کی مشعل روشن کئے رہا۔ پچاس ساٹھ افراد روزانہ ان کے درس سے مستفید ہوتے۔ قرآن کریم کے ایک ایک لفظ پر غور وفکر کرتے۔ اور اس کے مختلف لغوی مطالب سے دلوں کو روشن کرتے۔ یہ سب لوگ مبارکباد کے مستحق ہیں کہ وہ ترغیب وتحریص اور دھمکیوں کے باوجود حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے ہم آواز رہے۔ حضرتؒ کے ایک تلمیذ پر ان کے والدین اور بہنوئی کے ذریعے دباؤ ڈالا گیا کہ وہ حضرتؒ کا ساتھ چھوڑ دیں۔ میری والدہ محترمہ فرمایا کرتی تھیں کہ آپ قرآن سناتے ہیں۔ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں یہ انسان نہیں، فرشتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی حمایت میں بھیجا ہے کہ جاؤ! میرا بندہ اکیلا ہے۔ اس کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ اسی دوران معاملہ عدالت تک جا پہنچا۔ قانونی معاونت کے لئے چوہدری محمد اسلم ظفر ایڈووکیٹ سامنے آئے۔ انہوں نے مفت قانونی مشاورت ومعاونت مہیا کی۔ اور نہایت ذاتی دلچسپی کے ساتھ مقدمے لڑتے رہے۔ ان پر بھی ان کی جماعت کے قائدین کے ذریعے دباؤ ڈالا گیا کہ وہ قانونی معاونت سے دستبردار ہو جائیں۔ مگر انہوں نے بھی استقامت کا مظاہرہ کیا۔ کچھ عرصہ مزید گذرا تو دولت واثر والے کروڑوں پتی سرمایہ داروں نے اپنی برادری کے نام ایک حکم جاری کیا کہ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کا مقاطعہ کر دیا جائے۔ برادری وخاندان کا جو بھی فرد ان کے گھر جائے گا؛ "وہ ہمارے گھر نہ آئے۔" برادری والے بھی جرأت کا مظاہرہ نہ کر سکے۔ اور ان کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیا۔ بڑے قریبی رشتہ دار بھی ساتھ چھوڑ گئے۔ سب نے ہی حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے گھر آنا چھوڑ دیا۔ سینکڑوں کی برادری میں صرف ایک گھر ایسا تھا جس نے اس "حکم" کو نہ مانا۔ اور حضرتؒ کے ساتھ رابطہ قائم رکھا۔ یہ گھرانہ تھا چوہدری ظہور احمد صاحب کا۔ مقاطعے کا یہ عرصہ تین سال سے زیادہ پر محیط ہے۔ لیکن حضرت مولانا عبدالعزیزؒ

Marfat.com

اوران کے اہل خانہ نے مقاطعے (بائیکاٹ) کا یہ تین سال کا عرصہ بھی صبر واستقلال کے ساتھ گزار لیا۔

بظاہر ان مصائب و آلام کا ذکر پڑھ لینا بہت آسان ہے۔ لیکن اصولوں اور نظریات پر سودا بازی نہ کرنا، دولت و طاقت والوں کے سامنے نہ جھکنا، دولت مند نہ ہونے کے باوجود دین کے نام پر دولت نہ کمانا، دین کی بے لوث خدمت کرنا اور اپنے ہاتھوں سے رزق حلال کمانا، جو بات کہنا اور پھر اس پر قائم رہنا اور یہ بھی کہ پچاس سال تک مسلسل قرآن سنانے کے بعد دین سے بے خبر روایت پرستوں کی طرف سے کفر و گمرہی کے غلیظ فتوؤں کا سامنا کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ بہت مشکل ہے۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے والد گرامی حضرت مولانا فضل الہیٰؒ نے بھی 1926ء سے 1929ء تک ایسے ہی پُر آشوب حالات کا سامنا کیا تھا۔ واقعات سیرت میں شعب بنی ہاشم کے تذکرے میں بھی تین سال ایسے ہی پڑھنے کو ملتے ہیں کہ جب اہل حق کا، قرآن سنانے اور سننے والوں کا مقاطعہ کیا گیا تھا۔ انہیں بھی توحید بیان کرنے کی پاداش میں برادری وقوم سے الگ کر دیا گیا تھا۔ بعینہٖ حضرت مولانا فضل الہیٰؒ کو بھی تین برس تک توحید بیان کرنے کی وجہ سے مکانوں سے بے دخل، امامت وخطابت سے علیحدہ اور کنوئیں سے پانی حاصل کرنے سے روکنے کی اذیتیں برداشت کرنا پڑیں۔ اور پھر تاریخ ایسے ہی تین سالہ واقعات کی ایک بار پھر گواہ بنی کہ ساری برادری نے قبر پرستی کے بجائے توحید کے فروغ کے جرم میں حضرت مولانا عبدالعزیزؒ اوران کے اہل خانہ کا بائیکاٹ کر دیا۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے ایک روز درس قرآن کریم کے دوران میں اعلان کیا کہ مسئلۂ عذاب قبر پر جو بھی ان سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ وہ آٹھ دن کے اندر اندر کسی جگہ بھی ان سے تبادلۂ خیالات کر لے۔ آٹھ دن گزر گئے۔ کوئی بھی نہ آیا۔ ایک ہفتے کی مزید مہلت دی گئی۔ مگر کوئی بھی نہ آیا کہ گفتگو کرتا۔ اور قرآن کریم کی آیات کے مقابلے میں روایات کا انبار لے کر آتا۔ اور پھر حضرتؒ نے اس روز اپنے درس کے ساتھیوں کے سامنے بے شمار دلائل کے ساتھ مسئلۂ عذاب قبر پر ایک زبردست خطاب کیا۔

چند دن گزرے تو آپ نے علاقے کے بااثر کروڑوں پتی مخالفین کو کہلوا بھیجا۔ کہ وہ جمع ہوں۔ ان کے سامنے دلائل سے گفتگو کریں گے۔ آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ مسلسل تین گھنٹے تک دلائل

Marfat.com

دیتے رہے۔ مگر وہ نہ مانے۔ آپ نے انہیں مباہلے کا بھی چیلنج دیا کہ: وہ مسجد الفاروقؓ کی چھت پر اپنے اہل وعیال کو لے کر آجائیں، مَیں بھی اپنے بال بچوں سمیت آجاتا ہوں، جو بھی جھوٹا ہو اس کے حق میں بد دعا کریں کہ اللہ اُسے تباہ و برباد کر دے۔ سب کے چہروں پر ہوائیں اڑنے لگیں۔ پریشان ہو گئے۔ انہوں نے یہ بھی حتمی چیلنج قبول نہ کیا۔ البتہ پروپیگنڈے میں تیزی پیدا کر دی۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ پر ہر طرف سے زبردست دباؤ تھا۔ خالص توحید بیان کرنے اور قرآن سنانے کے ''جرم'' میں انکے خلاف دنیاداروں، زر پرستوں، مذہبی تنگ نظروں، ''نومسلموں'' اور دنیاداروں کے مفادات کے تحفظ کے لئے کام کرنے والوں کا ایک بڑا اتحاد منظّم طریقے سے سرگرم عمل تھا۔ آپ اپنے موقف سے سرِ مُو ہٹنے کے لئے تیار نہ تھے۔ آپ کے خلاف شدید نفسیاتی جنگ لڑی جا رہی تھی۔ زبردست اعصابی تناؤ اور دباؤ کے باعث اپریل 2000ء میں آپ علیل ہو گئے۔ دین کے نام پر کفریہ فتوے جاری کرنے والے اور دولت کی پوجا کرنے والے اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے ایک سچے مسلمان عالم کو کافر قرار دے کر سخت ذہنی اذیت پہنچائی تھی۔ یہ سب مخالف ٹولے یہی چاہتے تھے کہ آپ کو اپنے راستے سے ہٹا دیں۔ آپ کو دو مرتبہ TURP کے مراحل سے گزرنا پڑا۔ آپ کو ذرا سا بھی افاقہ ہوتا، آپ درس قرآن کے سلسلے کو آگے بڑھاتے۔ مگر مخالفین کو یہ سب کچھ گوارا نہ تھا۔ وہ آپ کا خاتمہ چاہتے تھے۔ وہ آپ کو مسلسل دباؤ میں رکھنے کے لئے مختلف حربے استعمال کر رہے تھے۔ دن بدن آپ کی صحت گرنے لگی۔ آپ کو Prostate کا مسئلہ درپیش تھا۔ اب ذہنی دباؤ اور بلند فشارِ خون سے آپ کے گردوں کو بھی نقصان پہنچنا شروع ہو گیا۔ آپ کے گردے تقریباً ناکارہ ہو گئے۔ dialysis کے اذیت ناک لمحوں میں بھی آپ نے اُف تک نہ کی۔ اپنی زبان پر کوئی مایوسی یا گلے شکوے کا لفظ بھی لانا پسند نہ کیا۔ ناشکری کی کوئی بات نہ کی۔ نہایت وقار اور تمکنت سے اس موذی بیماری کا مقابلہ کیا۔ dialysis کے لئے آپ کا Fistula بنایا گیا۔ ناکام ہو گیا۔ ایک ماہ بعد دوبارہ آپریشن کر کے Fistula بنایا گیا۔ وہ بھی ناکام ہو گیا۔ تقریباً تین ہفتے بعد دوبارہ بنایا جانے والا Fistula آپریشن کر کے remove کیا گیا۔ ڈیڑھ ماہ میں ان تین آپریشنوں سے بھی آپ کی صحت کو کافی نقصان پہنچا۔ آپ کا

Marfat.com

Hemoglobin کافی حد تک گر گیا۔ معالجین نے خون لگانے کے لئے کہا۔ 13 جولائی 2001ء سے 11 جنوری 2002ء تک آپ کو مختلف اوقات میں خون کی بارہ بوتلیں لگانی پڑیں۔ جو کہ مختلف احباب نے رضا کارانہ طور پر عطا کیں۔ ان چھ ماہ کے دوران آپ کو بغیر Fistula کے بیالیس مرتبہ dialysis کے تکلیف دہ عمل سے گزرنا پڑا۔ جس اذیت سے آپ دوچار ہوتے اور اس پر اف تک بھی نہ کرتے، آپ کے معالجین حیران رہ جاتے۔ بلکہ آپ dialysis کے دوران میں قرآن کریم کی آیات کی تلاوت کرتے رہتے۔ dialysis کے دوران میں چار پانچ مرتبہ آپ کو سانس کی تکلیف ہوگئی اور ایک مرتبہ تقریباً سوا گھنٹے تک آپ کو مصنوعی سانس کے ذریعے زندگی و موت کی کشمکش میں بھی مبتلا رہنا پڑا۔ آپ کو زندگی اور موت کی اس کشمکش تک پہنچانے والے زرداروں کے ساتھ وہ کافر گر طالع آزما فتویٰ فروش بھی تھے کہ جو دوسروں کے ایمان کو بازیچۂ اطفال بنا کر اپنے خود ساختہ تقویٰ کے ڈھنڈورے پیٹتے ہیں۔ اپنے ''دنیوی کاروبار'' اور ''دینی تکبر'' میں بڑھوتری کے لئے اپنے ساتھ اختلاف کرنے والے سچے مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ جب ان اذیت ناک لمحوں سے گزر رہے تھے۔ تو از خود گئے ہوئے کروڑوں پتی سرمایہ داروں اور تبلیغی نصاب والوں نے چار سال بعد مسجد میں آنا شروع کر دیا۔ اس دوان وہ نائب امام کہ جسے حضرتؒ نے مراعات کے ساتھ تنخواہ پر مسجد میں ملازم رکھا ہوا تھا، نے کھلم کھلا اپنی وفاداریاں تبدیل کر لیں۔ ان صاحب کی وفاداریاں تو پہلے ہی مشکوک تھیں۔ اور حضرتؒ کے رفقاء اس حوالے سے اپنے خدشات کا بھی اظہار کرتے تھے۔ مگر آپ درگزر فرماتے کہ انہیں مسجد سے فارغ کرنے سے ان کے بچوں کے لئے مالی مسائل پیدا ہوں گے۔ پہلے یہ صاحب چھپ چھپا کر حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے کروڑوں پتی مخالفین سے ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔ اب کھل کر ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔

18 رمضان المبارک 1422 ھجری قمری / 4 دسمبر 2001 عیسوی میلادی کو جامع مسجد الفاروقؓ میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کی جا رہی تھی۔ مسجد کے ہال میں چھ سات صفیں تھیں کہ مسجد کے صحن میں پندرہ بیس افراد نے نہایت دیدہ دلیری اور غنڈہ گردی کے ساتھ اپنی جماعت کرانی شروع کر دی۔ اس مقابلے کی

Marfat.com

جماعت کے امام کا انتظام، مخالفین کے ساتھ مل کر سازش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والے مذکورہ نائب امام نے کیا تھا۔ ضد کی جماعت میں شرکت کرنے والے علاقے کے وہ کروڑوں پتی سرمایہ دار تھے کہ جوان کی ہاں میں ہاں نہ ملانے والے اور مسجد میں بغیر مشاہرے و مراعات کے بے لوث امامت و خطابت کے فرائض انجام دینے والے حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کو ان کے منصب سے ہٹانا چاہتے تھے۔ مسجد میں اس غنڈہ گردی کے باعث نمازیوں میں اشتعال پیدا ہو گیا۔ غنڈہ گردی کرنے والوں نے مسجد کے صحن میں کھڑے ہو کر ننگی گالیاں دیں۔ پھر یہ لوگ اپنے چمڑہ گودام میں چلے گئے۔ چند ہی منٹ گزرے تھے کہ پولیس پہنچ گئی۔ گویا اسے پہلے سے اطلاع کر دی گئی تھی۔ یا اسے لمحوں میں ''الہام'' ہو گیا تھا۔ کہ وہ وقوعہ پر پہنچ گئی۔ دونوں اطراف کے لوگوں کو تھانے میں طلب کر لیا گیا۔ باضابطہ باجماعت نماز ادا کرنے والوں اور جماعت کے اوپر جماعت کرانے والے مٹھی بھر افراد کو یکساں مجرم ٹھہرایا گیا۔ اور دونوں اطراف کے پانچ پانچ افراد کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔ چھ گھنٹے کے بعد تھانے کے ایس ایچ او صاحب نے تھانے کے اندر ''معززین شہر'' کی مشاورت سے ایک ''فیصلہ'' فرمایا۔ دیوبندی مسلک کی مسجد کے تنازعہ کا فیصلہ کرنے والوں میں کروڑوں پتی سرمایہ دار اور تبلیغی نصاب والے جن شخصیات کو لے کر آئے، وہ آزاد کشمیر اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر (مسلک بریلوی)، ایک سابقہ ڈپٹی میئر راولپنڈی (مسلک بریلوی) ایک اور سابقہ ڈپٹی میئر راولپنڈی (مسلک بریلوی)، ایک جنرل کونسلر (مسلک بریلوی) اور ایک اور کونسلر (مسلک بریلوی) تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ، ''چمک'' اور ''اثر'' بھی اپنا کام دکھا رہے تھے۔ ان سب بریلوی مسلک کے زعماء نے مل کر فیصلہ یہ صادر کیا کہ پچاس سال تک مسجد الفاروقؓ میں مسلک علماء دیوبند کے مطابق بے لوث خدمات انجام دینے والے امام و خطیب حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کو مسجد سے محض اس لئے علیحدہ کیا جاتا ہے کہ وہ علیل ہیں۔ اور یہ بھی کہ ان کا جانشین بھی سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض انجام نہ دے گا۔ اور یہ بھی کہ مسجد کا نائب امام بھی جو کہ سرکاری ملازم ہے، وہ بھی امامت کے فرائض انجام نہ دے گا۔ اور مزید یہ بھی کہ دونوں اطراف کے تین تین ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی نئے امام و خطیب کا تقرر کرے گی۔ اس ''فیصلے'' پر دستخط کر دیئے گئے۔ اس سانحہ کو صرف ایک ہی دن گزرا تھا کہ نائب امام کی

Marfat.com

سبکدوشی پر دستخط کر کے آنے والے کروڑوں پتی سرمایہ داروں نے مسجد کی محراب کے نزدیک کھڑے ہو کر ''معاہدے'' کو توڑنے کا اعلان کیا۔ اور ہڑبونگ وغنڈہ گردی کے ذریعے مسجد پر قبضہ کرلیا۔ اور نائب امام کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ چند ہی دنوں بعد مسجد کے مؤذنین کو بھی بے دخل کر دیا گیا۔ اور نائب امام نے اپنی موجودگی میں ایک پولیس اہلکار کے ذریعے ان کے رہائشی کمروں پر اپنے تالے لگا دیئے۔ ابھی تک مسجد پر تنخواہ دار ملازم نائب امام، اس کے بیٹوں، کروڑوں پتی سرمایہ داروں، تبلیغی نصاب والوں اور ان کے پشتیبانوں کا ناجائز قبضہ موجود ہے، اگرچہ ان کی قانونی حیثیت کا تعین کرنے کے لئے ابھی تک راولپنڈی کی ایک عدالت میں ایک مقدمہ بھی زیر سماعت ہے۔ نیز مسجد الفاروقؓ جہاں 23 برس تک مسلسل امامت کے فرائض انجام دینے کے بعد جب حضرت مولانا فضل الٰہیؒ نے 1952ء میں رحلت فرمائی تو اس وقت ان کی عمر 85 برس تھی۔ ان کے بعد حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے نصف صدی امامت وخطابت کرنے کے بعد جب 2002ء میں رحلت فرمائی تو ان کی عمر 67 برس تھی۔ مگر اب مسجد الفاروقؓ کا مصلیٰ نائب امام کے جابرانہ قبضے اور اس کے پندرہ سالہ بیٹے کا تختۂ مشق بنا ہوا ہے۔ اور 73 برس تک فروغ توحید کی پہچان بننے والی، امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروقؓ سے منسوب مسجد کے ملکیتی مکان کو تعویذ فروشی اور جھاڑ پھونک کا مرکز بھی بنا دیا گیا ہے۔ لیکن یہاں پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ اگر غنڈہ گردی اور اثر ورسوخ کے ذریعے کہیں بھی قبضہ کرلیا جائے تو اسے قانونی جواز مہیا نہیں ہو جاتا۔ اگر کوئی شریف اپنی شرافت کے باعث یا امن عامہ میں خلل پیدا ہونے کے اندیشے یا کسی اور وجہ سے مخالفین کی طرح غنڈہ گردی نہ کرے تو یہ اس کی کمزوری نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک لمحہ ایسا ضرور آتا ہے کہ جب باطل سرنگوں ہوتا ہے اور حق کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے آج جب کہ حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم آثار میں سے ایک، جامع مسجد الفاروقؓ پر مختلف عناصر نے غنڈہ گردی کے ذریعے قبضہ جما رکھا ہے ان شاء اللہ، وہ وقت قریب ہے، جب یہاں پر ایک بار پھر توحیدِ خالص اور نورِ قرآن کے سچے علمبرداروں کے زمزموں سے نعرۂ حق بلند ہوگا۔ اور ناجائز قابضین سے اللہ کے اس گھر کو واگذار کرایا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کی شدید علالت سے پہلے ان لوگوں کو تین برس تک جرأت نہ ہوئی تھی کہ وہ

Marfat.com

مسجد پر قبضے کے بارے میں سوچ بھی سکیں، ان میں سے ایک صاحب تو اپنا مکان فروخت کر کے گلزار قائد میں کرائے کے مکان میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ ایک اور ''چوہدری'' نے تو بہت پہلے ڈھوک چوہدریاں کو اپنا مسکن بنالیا تھا۔ ایک صاحب نے اپنا مسلک تبدیل کرلیا تھا۔ اس کے باوجود یہ لوگ دور دراز علاقوں میں بیٹھ کر سازشوں کے تانے بانے بُنتے رہتے تھے۔ نائب امام، حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کو ایک طرف اباجی اور مخدومنا اور مکرم و محترم کے القابات سے یاد کیا کرتے تھے۔ آپ کہیں تشریف لے جا رہے ہوتے تو آپ کے برابر چلنے کی جرأت نہیں کیا کرتے تھے۔ حضرتؒ کے پانچ برس کے پوتے سعد کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ ''وہ سعد صاحب کے بھی تابعدار ہیں'' لیکن دوسری طرف انہی صاحب نے ''اباجی اور مخدومنا اور مکرم و محترم'' کے مخالفین کے ساتھ بھی برابر رابطہ رکھا......اور جب حضرت مولانا عبدالعزیزؒ شدید علیل ہوئے تو ان سب عناصر نے نہایت اوچھے ہتھکنڈوں، غنڈہ گردی اور دیدہ دلیری کے ساتھ دوسرے مسالک کے سرکردہ بااثر لوگوں کے تعاون سے مسجد پر قبضہ کرلیا۔ اور اسے ''مسلک دیوبند'' کی فتح قرار دیا۔

''مسلک دیوبند'' کی ''فتح'' کے اس سانحہ کو 37 دن ہی گزرے تھے کہ 11 جنوری 2002ء کی صبح دو بجے حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ عالم اسلام ایک عظیم مخلص عالم و محقق سے محروم ہو گیا۔ اللہ کے دین کے فروغ کے لئے بے قرار اور جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبے انسانوں کی حالت زار پر شب و روز مضطرب رہنے والا شخص اللہ کے ہاں پہنچ گیا۔ اپنے جوش خطابت سے لوگوں کے دلوں کو گرما دینے والا عالم دین خاموش ہو گیا۔ اپنی بذلہ سنجی اور خوش گفتاری سے محفلوں کو زعفران زار بنادینے والا ایک زندہ دل شخص محفلوں کو ویران کر گیا۔ جس کے دل میں آدمیوں کو انسان بنادینے کی ایک تڑپ تھی؛ ہم سے بہت دور چلا گیا۔ وہ شخص کہ جو اس امر کی خواہش کرتا تھا کہ ہر شخص اچھے اخلاق اور اچھے کردار کا مالک ہو، ہر شخص مثالی انسان ہو۔ بہترین مسلمان ہو اور اللہ کا ایسا ولی ہو کہ جس کی مثالیں اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ کے عنوان سے دی گئی ہیں۔ میں نے حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے چہرے کو بغور پُرنم آنکھوں سے دیکھا۔ اور سوچنے لگا کہ مسلسل پچاس برس تک توحید کے زمزمے فضاؤں میں بکھیرنے اور طاغوتی طاقتوں کا تعاقب

کرنے والا یہ عظیم مسلمان چند لمحوں میں کتنے سکون و اطمینان اور کامرانی کے ساتھ اپنے خالق کے سایۂ رحمت میں پہنچ گیا۔ دل سے صدا نکلی۔ اے ملت اسلامیہ رو، تو اپنے عظیم محسن سے محروم ہوگئی۔ تیرا خورشید جہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

اس وقت میرے اباجی، دار بنی عبدالعزیز کی زیریں منزل میں بڑے بیڈروم میں بستر مرگ پر تھے۔ ان کا اکلوتا بیٹا اور وہاں پر موجود چار بیٹیاں اور بہو حلقہ باندھے کھڑی تھیں۔ ہماری امی جی کی گود میں ان کا سر مبارک تھا۔ امی جی نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ ان کی آنکھیں بند کیں۔ چہرۂ مبارک رومال سے صاف کیا۔ اور پاؤں کے انگوٹھے باندھے۔ میں نے اباجی کے نہایت پیارے معالج دوست عاشق حسین صاحب کو فون کیا۔ آپ تشریف لائے۔ اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے ہوئے بغیر کچھ کہے، پرنم آنکھوں سے چلے گئے۔ چند ہی لمحے گزرے تھے۔ کہ امی جی کی بھی طبیعت خراب ہوگئی۔ آپ کی سانسیں بے ترتیب ہوگئیں۔ فیصلہ کیا کہ امی جی کو ہسپتال لے جائیں۔ عزیزم صنوبر گل (کونسلر)، برادرم عبدالواحد اور چھوٹی ہمشیرہ امی جی کو لے کر ہسپتال کے لئے روانہ ہوئے۔ ابھی گاڑی گلی کے موڑ پر ہی پہنچی تھی کہ امی جی بھی اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ سب کچھ صرف دس منٹ میں ہوگیا۔ ایک گھر میں اب ایک نہیں دو میتیں تھیں۔ صرف دس منٹ کے وقفے سے ایک ہنستا بستا گھر اجڑ گیا۔ اس گھر کی رونقیں لمحوں میں بکھر گئیں۔ لمحے بے نور ہو گئے۔ آسمان کی طرف نظر گئی تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ دور تلک ایک روشنی پھیلتی چلی جارہی ہے۔ جیسے فرشتے اپنے جلو میں نور کے دو ہالے لئے آسمان کی وسعتوں میں آگے ہی آگے بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ مجھے محسوس ہونے لگا۔ یہ قرآن کی روشنی ہے۔ یہ قرآن کے نور سے منور دلوں کی روشنی ہے۔ یہ ہر دم تلاوت کرتے رہنے والے عالم دین، عاشق قرآن کی زبان سے نکلنے والے الفاظ کی روشنی ہے۔ یہ روشنی ان آنکھوں کی ہے جو اللہ کے خوف، فکر آخرت اور زبوں حال مسلم قوم کی بے بسی پر آنسوؤں سے بھیگ جاتی تھیں۔ یہ ایک عالم کی موت کا حادثۂ فاجعہ تھا۔ یہ ایک اللہ کی نیک و مقبول، سچی موحدہ کے ان سجدوں کی روشنی تھی کہ جو تہجد کے لمحوں میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کے لذت گیر الفاظ سے دار بنی عبدالعزیز کو بقعۂ نور بنا دیتی تھی۔ یہ

روشنی افق در افق پھیلتی چلی گئی۔ شب کی تاریکی نور کے تڑکے میں بدلنے لگی۔ وقت ایک بار پھر آہستہ آہستہ آگے سرکنے لگا۔ موذن کی صدائے اَللّٰہُ اَکْبَرُ بلند ہونے لگی۔ احباب دارِ بنی عبدالعزیز میں جمع ہونے لگے۔ دار بنی عبدالعزیز ماتم کدہ میں تبدیل ہو گیا۔ اس گھر کے دونوں سربراہ ہم سب کو یتیم کر گئے۔ بے آسرا کر گئے۔ اپنی دعائیں اپنے لبوں پر ہی سجائے ہم سے دور چلے گئے۔ اپنی محبتیں اپنے ساتھ لے کر وہاں چلے گئے، جہاں سے کوئی بھی واپس نہیں آتا۔ جن کے دم قدم سے بہاریں تھیں۔ جن کی باتوں سے گلوں کی خوشبو آتی تھی۔ جنہوں نے دار بنی عبدالعزیز کو اپنی آہ سحر گاہی سے محفوظ و مامون بنا رکھا تھا۔ جنہوں نے دار بنی عبدالعزیز کو قدم قدم پر اپنے رب کے حضور سجدوں سے سجا رکھا تھا۔ دار بنی عبدالعزیز، جن کی آواز میں تلاوتِ آیات قرآن سے گونجا کرتا تھا۔ اب یہ سب کچھ خواب ہو چکا تھا۔ احباب تسلیت کے لئے تشریف لانے لگے۔ یہ ایک محیر العقول واقعہ تھا۔ کہ گھر کے سربراہ کی رحلت پر اس کی رفیقۂ حیات بھی صدمے سے اپنی جان کی بازی ہار گئی ہوں۔ یہ وفا کی ایک نئی داستان تھی۔ ہر دل ملول اور ہر آنکھ پرنم تھی۔ کلیجے پارہ پارہ اور ذہن ماؤف۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ سب کچھ لمحوں میں کیسے ہو گیا! کیا کبھی پہلے بھی ایسا کسی نے دیکھا سنا تھا!! کبھی نہیں!! شاید کبھی تاریخ میں ایسا ہوا ہو۔ بڑے بڑے حادثے ہوئے۔ لیکن یہ اپنی نوعیت کا ایک انوکھا واقعہ تھا۔ میں بے سایہ ہو گیا۔ شجر سایہ دار کا سایہ مجھ سے چھن گیا۔

سارے جہاں کی دھوپ میرے گھر میں آ گئی
سایہ تھا جس درخت کا مجھ پر، وہ کٹ گیا

ابا جی کو زندگی میں چھوٹی سوچ والے مخالفین سے واسطہ پڑا تھا۔ وہ آپ کی زندگی میں بہادروں کی طرح سامنے نہ آئے۔ آپ شدید بیمار ہوئے تو گھٹیا انداز میں مسجد پر قبضہ کر لیا۔ جب آپ فوت ہوئے تو پست ذہنیت کی انتہا کر دی۔ ان کم ظرف مخالفوں نے اپنے ظرف کے مطابق ہی حرکت کی۔ انہوں نے حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم اور ان کی مرحومہ رفیقۂ حیات کے جنازوں کا بھی مقاطعہ کرنے کا اعلان کیا۔ انہوں نے کہا کہ جو اِن کے جنازوں میں جائے گا۔ وہ ہم میں سے نہ ہو گا۔ ان کے چیف کی بیٹی،

Marfat.com

ہماری امی جی کی قریب ترین سہیلی کے بیٹے سے منسوب تھی۔ انہیں فون کر کے کہا کہ اگر تم ان کے ہاں تعزیت کے لئے گئے تو ہم رشتہ توڑ دیں گے۔ وہ خاتون نہ آئیں۔ میرے خالہ زاد بھائی کی بیٹی اپنے خالہ زاد سے منسوب تھی۔ انہیں بھی ایسی ہی دھمکی دی گئی۔ وہ بھی نہ آئے۔ پندرہ بیس افراد تھے، جنہوں نے خادمِ قرآن اور ان کے ساتھ راہ حق میں مصائب جھیلنے والی صابرہ وشاکرہ رفیقۂ حیات کے جنازوں کا بائیکاٹ کیا۔ جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ مسجد الفاروقؓ میں پچاس برس تک بلا مشاہرہ اسلام کی خدمت کرنے والے امام وخطیب حضرت مولانا عبدالعزیزؒ اور راہ حق میں تمام مصیبتوں اور مشکلات میں ان کے ساتھ ثابت قدم رہنے والی ان کی رفیقۂ حیات کی میتیں ابھی دار بنی عبدالعزیز میں رکھی ہوئی تھیں کہ جمعۃ المبارک کی نماز کے بعد وہاں کا تنخواہ دار ملازم نائب امام کہہ رہا تھا کہ اس مسجد کے خطیب مولانا عبدالعزیز صاحب فوت ہو گئے ہیں۔ ان سے اختلاف تھا۔ اختلاف رہے گا۔ اب ان کا اور اللہ کا معاملہ ہے۔ ان کی نماز جنازہ اتنے بجے ہوگی۔ پہلے ان صاحب کے مطابق وہ استاذ جی، ابا جی اور مخدومنا تھے۔ اب وہ "اس مسجد کے خطیب" ہو گئے۔ اب ان کے ساتھ کھلم کھلا اختلاف کا اظہار بھی کیا جانے لگا۔ گویا وہ، استغفر اللہ، ایک مجرم تھے کہ جن کا معاملہ اب اللہ کی عدالت میں پیش ہو چکا تھا۔ یوں یہ صاحب بھی اپنے سرپرست زرداروں کی خدمت کا حق ادا کر رہے تھے۔ یہ جنازے کے وقت آئے۔ اور پھر تادم ایں بھی تعزیت کے لئے بھی نہ آئے۔ حالانکہ وہ مرحوم کے سامنے زانوئے تلمذ بھی تہہ کر چکے تھے۔ مرحوم کے ان پر بہت سے احسانات بھی تھے۔ جن کا یہ صاحب خود بہت سوں کے سامنے اعتراف واظہار بھی کیا کرتے تھے۔ چشم فلک نیلی فام نے بے وفائی کا ایسا منظر کبھی نہ دیکھا تھا۔ پچیس برس تک جس شخص کے سر پر دست شفقت رکھا تھا۔ وہ اس قدر بے اعتبار نکلا۔ سوچا بھی نہ جا سکتا تھا۔ گو اب حضرت مولانا عبدالعزیزؒ ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن اُن کے حوالے سے تاریخ کے کچھ اور چھپے گوشے قرطاس پر منتقل ہوں گے۔ اور آستین کے بہت سے سانپ بند پٹاریوں میں سے نکلیں گے۔ جب حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے حکم اذان کی صداؤں کے فضاؤں میں تحلیل ہونے کے قصے اوراق تاریخ کا حصہ بنیں گے تو اہل اسلام کی جماعت کی آستینوں کے بتوں کا تذکرہ بھی قلمبند ہوتا رہے گا ———— حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے

Marfat.com

یہ مجرم تاریخ کی عدالت کے کٹہرے میں کھڑے رہیں گے۔ آنے والا مؤرخ ایک نئی تاریخ لکھے گا، حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کی صداقت اور ان کے مخالفین کی قرآن دشمنی کی تاریخ۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے خلوص اور ان کے مخالفین کے اوچھے ہتھکنڈوں اور غنڈہ گردیوں کی تاریخ۔ دیکھئے تاریخ کی یہ عدالت کب تک ان مجرموں کو اپنے کٹہرے میں کھڑا رکھے گی!

زمانہ تا بہ ابد جن کو بھر نہیں سکتا
جگر پہ کھائے ہیں وہ زخم دوستی میں نے
شعور حسن سے محروم تھی نگاہ جہاں
زمانے بھر کو دیا درس آگہی میں نے

کچھ لوگوں نے اپنے اثر ورسوخ سے حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کا تین سال تک مقاطعہ کئے رکھا۔ انہیں تنہا کر دیا۔ ان لوگوں نے ان کی وفات کے موقع پر بھی ان کے جنازے کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ میتوں کے بائیکاٹ کا یہ پہلا واقعہ تھا۔ ہر شخص حیران، انگشت بدنداں۔ کہ الٰہی! یہ کیسے دشمن ہیں، جو آداب دشمنی سے بھی عاری ہیں۔ بھلا موت جیسی آزمائش پر بھی ایسی دشمنی کی جاتی ہے! دشمن کی موت پر خوشیاں منانے والے آخر کس دنیا کے لوگ ہیں! زندگی میں حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے سائے سے بھاگ کر دور دراز علاقوں میں جا بسنے والے، اب ان کے جنازے کے بائیکاٹ کے لئے سرگرم تھے! ایک طرف ان لوگوں کے یہ مکر جاری تھے۔ اور دوسری طرف اللہ رب العزت بھی اپنے پیارے بندوں، اپنے قرآن کے ناشروں، اپنی توحید کے مبلغوں، اپنے نبی ﷺ کی سچی باتوں کو بیان کرنے والوں کی لاج رکھنے کے لئے اپنی تدبیریں کر رہے تھے۔

اس دن فضاء میں ایک عجیب سی سوگواری تھی۔ دار بنی عبدالعزیز کے اردگرد انسانوں کا ایک ہجوم تھا۔ یہ انسان نہیں اللہ کے فرشتے تھے۔ ہر آنکھ نمناک، ہر دل ٹکڑے ٹکڑے۔ خواتین کا اتنا بڑا ہجوم بھی شاید ہی کبھی کسی نے دیکھا ہو۔ ہر طبقۂ فکر سے تعلق رکھنے والے اصحاب کو بھی شاید ہی اہلیان راولپنڈی نے کبھی اس طرح اکٹھے دیکھا ہو۔ یہ ایک فقیر، غریب، خوددار، اللہ کے دوست اور اللہ کی ایک صابرہ و شاکرہ

Marfat.com

تہجد گزار مقبول بندی کا سفر آخرت تھا۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے ایک شاگرد خان عبدالقیوم صاحب پشاور گئے ہوئے تھے؛ کہ ان کے گھر والوں نے انہیں اطلاع دی۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ آئے کہ جنازے میں، بقول ان کے معلوم نہیں لوگ ہوں گے بھی یا نہیں۔ کیونکہ حضرتؒ کی بے پناہ مخالفت کرنے والے بااثر لوگ ہیں۔ لیکن جب وہ جنازے میں شریک ہوئے تو انسانوں کا شمار نہ تھا۔ امی جی، اباجی سے فرمایا کرتی تھیں کہ آپ نے قرآن سنایا ہے۔ یہ "انسان" آپ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے آپ کی مدد کریں گے۔ جنازے کے موقع پر اپنے آپ کو مہذب، بڑا، دولت مند، برادری پر گھمنڈ کرنے اور اپنے آپ کو بااثر کہنے والے "انسانوں" نے مخالفت کی۔ لیکن اللہ نے اپنے فرشتوں سے قطار در قطار ان کی لاج رکھوائی۔ جب دارِ بنی عبدالعزیز سے ان دونوں بزرگوں کے جنازے اٹھے۔ تو انسانوں کا ایک سمندر تھا۔ تاحد نظر پھیلا ہوا۔ جدھر نظر اٹھائیں انسانوں کے سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔ معلوم نہیں کتنے ہزار انسان تھے۔ یہ اللہ ہی جانتا ہے۔ لیکن یوں محسوس ہوتا تھا۔ کہ جیسے آج اللہ کی غیرت بھی جوش میں ہے۔ اور اس نے بھی اسی زمین پر ایک عدالت قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ محسوس یہ ہوتا تھا کہ جیسے کانوں سے مسلسل ایک صدا ٹکرا رہی ہے۔ یہ صدائے ہاتف تھی۔ کوئی کہہ رہا تھا:

اے انسانوں کی عددی اکثریت پر ناز کر کے اہل حق کو ستانے والو!

اے اپنی دولت واثر کے گھمنڈ میں، اُس کے قرآن کے مبلغوں کے مقاطعے کرانے والو!

اے اللہ کے مخلص اور تابع فرمان بندوں کی کردار کشی کے لئے نت نئے حربے استعمال کرنے والو!

اے اللہ کی توحید کی طرف بلانے والوں کے جنازوں کا بائیکاٹ کرنے والو!

دیکھو! سفر آخرت کیا ہوتا ہے۔ کیسا ہوتا ہے۔ تم عددی اکثریت کی بات کیا کرتے تھے؛ دیکھو آج خادم و مفسر قرآن کو کتنی دنیا احترام و عقیدت اور پُرنم آنکھوں اور وقار کے ساتھ تمہارے چھجوں چوباروں کے سامنے سے تمہاری کھلی آنکھوں کے سامنے اللہ کے حضور لے جا رہی ہے۔

دیکھو! تمہارے جھوٹے دعووں اور کردار کشی کے گھٹیا اور غلیظ پروپیگنڈوں نے لوگوں کے دلوں پر کوئی اثر نہیں کیا ہے؛ لوگ سچ کے ساتھ ہیں۔ سچ بیان کرنے والوں کی آنکھیں بند ہیں۔ لیکن اس خاموش

Marfat.com

سفر میں لوگوں کی آنکھیں کھلی ہیں۔

ایسا سفر کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے........

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ اور ان کی رفیقۂ حیات کا سفر آخرت جب راول روڈ کے بڑے چوک کو عبور کر کے کوری روڈ کے قبرستان کے قریب پہنچا۔ تو نماز جنازہ کے لئے صفیں باندھی گئیں۔ ایک صاحب نے سینتالیس صفیں شمار کیں تو آگے حد نظر انسان ہی انسان تھے۔ کسی نے کہا۔ مزید کتنی صفیں شمار کرو گے۔ جب انسانوں کا اتنا بڑا اجتماع ہو تو پھر صفیں شمار نہیں کی جاتیں۔ ایک مفسر قرآن اور ایک خادمۂ قرآن کی نماز جنازہ ایک مفسر قرآن نے پڑھائی۔ ایک سچے عالم دین اور ایک سچی بے باک موحدہ کی جنازے کی نماز ایک حقیقی عالم دین نے پڑھائی۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ اور ان کی رفیقۂ حیات کے جنازے کی نماز پڑھانے کی سعادت حضرت مولانا قاری حمید الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی خطیب جامع مسجد عمر فاروقؓ، منگرال ٹاؤن کو حاصل ہوئی۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے بھی جس مسجد میں مسلسل پچاس برس تک خدمت اسلام کے فرائض انجام دیئے تھے؛ اتفاق سے وہ مسجد بھی امیر المؤمنین عمر فاروق اعظمؓ سے ہی موسوم ہے۔ اور یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ اشاعت توحید میں جماعت صحابہؓ میں سیدنا فاروق اعظمؓ بھی اپنی مثال آپ تھے!

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ اور ان کی رفیقۂ حیات کی ہمیشہ خواہش رہی کہ وہ حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ مند ہو سکیں۔ لیکن مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلاً کے زمرے میں نہ آنے کی وجہ سے یہ سعادت حاصل نہ کر سکے۔ البتہ یہ سعادت ان دونوں بزرگوں کو ضرور حاصل ہوئی کہ انہیں آخری کفن آبِ زمزم میں دُھلے ہوئے نصیب ہوئے۔ میرے ایک محترم دوست سردار خان صاحب ان ہی دنوں عمرہ کی سعادت حاصل کر کے واپس آئے تھے۔ خود ہی تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ وہ دو کفن آب زمزم میں دھلے لے کر آئے ہیں، اور یہ دونوں کفن پیش کرنا چاہتے ہیں۔ انکی خواہش کے احترام میں یہ دونوں کفن، دونوں بزرگوں کا نصیب بنے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کا سانحۂ ارتحال معمولی واقعہ نہیں۔ یہ ایک شخص کی موت نہیں۔ بلکہ ایک

Marfat.com

جماعت ،فکر اور نظریئے کے لئے نقصان عظیم ہے۔لیکن کچھ بے حس لوگوں کے لئے یہ ایک عام سے انسان کی موت تھی۔ایک طرف،کئی ہفتوں تک لوگ تعزیت کے لئے آتے رہے تو دوسری طرف دیوبندیت کا دم بھرنے والے بہت سے مولویوں نے بھی تعزیت کے لئے دار بنی عبدالعزیز آنا گوارا نہیں کیا۔ حالانکہ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کی ذات سے ان لوگوں کو اکثر فیض ہی پہنچتا رہا۔بہر حال یہ ان پیشوایان امت مسلمہ کی ذاتی صوابدید تھی کہ وہ ایک عالم دین،موحد عظیم،مفسر ومحدث اور محقق ومجاہد کے لئے اپنے دلوں میں کیسے جذبات رکھتے ہیں !!

گو آج حضرت مولانا عبدالعزیزؒ ہم میں موجود نہیں۔لیکن ان کی باتیں، ان کی یادیں، ان کے تذکرے اور ان کے کارنامے زندہ ہیں۔وہ ایک فرد نہیں، اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔وہ زندگی کی علامت تھے۔ان کی باتوں سے گلوں کی خوشبو آتی تھی۔ان کے کردار سے دھنک کی قوس وقزح بکھرتی تھی۔وہ امید کا نشان تھے۔وہ مایوسیوں کے اندھیروں میں آس کی طرف رہنمائی کرتے تھے۔جرأت و دلیری ان پر ناز کرتی تھی۔رعونت وفکر کے مقابل متانت وسنجیدگی اور خودداری کی بہترین مثال تھے۔ چھوٹوں کے لئے شفقت اور بڑوں کے لئے احترام انکا شعارِ زندگی تھا۔ساری عمر مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے رہے۔وہ کبھی کسی مصلحت کا شکار نہ ہوئے۔وہ دوستوں کے دوست تھے۔وہ وضعداری اور مہمان نوازی کی پہچان رہے۔دولت سے کبھی محبت نہ کی۔ہمیشہ زیر بار رہے۔ اور رزق حلال کماتے رہے۔وہ ایک جید،سکہ بند، روشن خیال اور زمانے کے مسائل و وسائل سمجھنے والے عالم دین تھے۔اُنہوں نے فتویٰ فروشوں کا جس دلیری اور ایمانی حمیت کے ساتھ مقابلہ کیا؛ وہ ان کا ہی خاصہ تھا۔یقیناً جہاں کہیں، جب کبھی حق و باطل اور صدق و کذب کا معرکہ بپا ہوگا۔وہاں حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کو ضرور یاد کیا جائے گا۔عزت واحترام، جرأت و دلیری اور حق و سچ کی فتح ونوید کے ساتھ۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ عہد ساز شخصیت تھے۔اور آپ کا عہد آپ پر ناز کرے گا۔

Marfat.com

یقیناً حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کی یادوں اور باتوں سے جہاں دلوں کے چراغ روشن رہیں گے وہاں اُن کا خلاء بھی صدیوں تلک محسوس کیا جاتا رہے گا؛

بہت دنوں سے نہیں اپنے درمیان وہ شخص
اداس کرکے ہمیں چل دیا کہاں وہ شخص
وہ جس کے نقش قدم سے چراغ جلتے تھے
جلے چراغ تو بن گیا خود دھواں وہ شخص
اس ایک شخص میں تھیں دلربائیں کیا کیا
ہزار لوگ ملیں گے مگر کہاں وہ شخص
چھپا لیا جسے پت جھڑ کے زرد پتوں نے
ابھی تلک ہے بہاروں پہ حکمران وہ شخص
قتیل کیسے بھلائیں گے اہل درد اس کو
جگا کے دردمیرا کھو گیا کہاں وہ شخص ☆

احقر العباد ناچیز بندہ
عبدالعزیز عفی عنہ - محلہ سلطان پورہ
چک لالہ روڈ - راولپنڈی شہر
خرید مورخہ ۴ اپریل ۱۹۵۶ء ۲۲ شعبان ۱۳۷۵ھ

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن سے ہی کتابیں خریدنے اور پڑھنے کا شوق تھا۔ آج سے 47 برس پہلے آپ نے ''برکات اسلام'' کے عنوان سے ایک کتاب خریدی۔ کتاب کے سرورق پر آج سے 47 سال پہلے کی آپ کے دستِ مبارک سے لکھی ہوئی تحریر۔

ایک راسخ الایمان مسلمان

خامۂ اثر
حضرت مولانا محمد اسحاق خان صاحب المدنی
بانی وسرپرست اعلیٰ جمعیت اہل السنت والجماعت متحدہ عرب امارات، دبی
(مفسر، محدث، محقق، مصلح، مصنف کتب کثیرہ)

''وہ ایک راسخ الایمان مسلمان، عقیدۂ توحید کی لذت سے سرشار انسان، اللہ کا خوف اور آخرت کی جوابدہی کا احساس رکھنے والے سچے مسلمان تھے۔''

موت ایک ایسی قطعی اور یقینی حقیقت ہے کہ جس سے گریز وفرار کسی کے لئے ممکن نہیں۔ کسی کافر ومنکر کے لئے بھی اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔ اس دنیا میں جو بھی آیا، اس نے بہرحال یہاں سے جانا ہے۔ اور جو بھی پیدا ہوا اس نے بہرحال مرنا ہے۔ اور جس نے جو کچھ بنایا، اس نے بالآخر فناء وزوال کے گھاٹ اتر کر رہنا ہے۔ اسی لئے کسی شاعر نے کہا اور خوب کہا:

لدوا للموت وابنوا للخراب

یعنی جیو موت کے لئے، اور بناؤ مٹنے اور خراب ہونے کے لئے

یہ دنیا دراصل دار الامتحان اور دار العمل ہے۔ اور انسان کو کارگہ حیات میں بھیجا ہی اسی لئے گیا ہے کہ وہ اس میں صحیح ایمان وعقیدہ کو اپنا کر عمل صالح کی پونجی جمع کرے، تاکہ اس کے نتیجے میں آخرت کی اپنی اصل اور حقیقی زندگی کی تعمیر وآبادی کا سامان کر سکے۔ سو اگر دیکھا جائے تو دنیا کی عارضی اور فانی زندگی کا اصل مقصد اور حقیقی مصرف آخرت کی اس ابدی زندگی کے لئے تیاری کرنا ہے، جس کے لئے نہ کوئی فناء ہے نہ زوال، اور نہ کوئی حد ہے نہ انتہاء اور اس مقصد کا حصول دین حق کی روشنی اور اس کی تعلیمات مقدسہ کو اپنائے بغیر ممکن نہیں۔ سو بڑے خوش نصیب اور نیک بخت ہیں وہ لوگ جو دین حق کی تعلیمات مقدسہ کو صدق دل

Marfat.com

سے اپنا کر اپنی آخرت کے لئے عمل صالح کی پونجی جمع کرتے ہیں۔

دین حنیف کی ان تعلیمات مقدسہ کی رو سے انسانی عمل و کردار کے دو پہلو ہیں۔ایک وہ جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی معرفت اوراس کے حقوق وفرائض کی ادائیگی سے ہے۔جس کو حقوق اللہ کہا جاتا ہے اور دوسرا وہ جس کا تعلق مخلوق سے ہے۔اور مخلوق میں چونکہ سب سے اہم مخلوق اس کے بندے اور انسان ہیں۔باقی تمام مخلوق تو دراصل انسان کی ہی خدمت اوراس کی بہتری کے لئے پیدا فرمائی گئی ہے۔اس لیے ان حقوق کو حقوق العباد کہا جاتا ہے۔سو اس اعتبار سے، اور انسانی زندگی سے متعلق ان تینوں پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر انسان کے لئے صحیح راہ وروش، اور اس کی فوز وفلاح کے لئے ضابطۂ حیات یہ قرار پاتا ہے کہ سب سے پہلے انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے صحیح ہو جو کہ اس کا خالق و مالک اور اس کا ولی وکارساز ہے۔اوراس کے حقوق کا خلاصہ ہے اس کی معرفت اور اسکی عبادت و بندگی۔جبکہ دوسری طرف اس کا تعلق اللہ کے بندوں کیلئے صحیح اور درست ہو۔اور انسان حقوق العباد کی ادائیگی کا خیال رکھے، اور دوسرے تمام انسانوں کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرے۔اور انکے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔اور تیسری طرف وہ انسانوں کے علاوہ دوسری تمام مخلوق سے طرح طرح کے فائدے اٹھائے۔اور حضرت واھب مطلق جل وعلا شانہٗ کا صدق دل سے شکر بجالائے؛ جس نے اس کو ان گونا گوں نعمتوں سے نوازا ہے۔اس طرح اس کے لئے ایسی تمام نعمتیں دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ اور وسیلہ بن جاتی ہیں۔مولانا عبدالعزیز مرحوم ومغفور بھی ہمارے نزدیک ایسے ہی سعادت منداور خوش نصیب لوگوں میں سے تھے۔جن کو حق وہدایت کی اس راہ سے سرفرازی نصیب ہوئی تھی۔وہ ایک راسخ الایمان مسلمان، عقیدۂ توحید کی لذت سے سرشار انسان، اللہ کا خوف اور آخرت کی جوابدہی کا احساس رکھنے والے سچے مسلمان تھے۔

راقم اثم کا مولانا عبدالعزیز مرحوم ومغفور کے ساتھ تعلق ربع صدی پر محیط طویل عرصے سے تھا۔میری اکثر و بیشتر بلکہ ساری ہی تصنیفات وتالیفات کی کتابت وتیاری انہی کے ہاتھوں اور ان ہی کے ذریعہ سے ہوئی۔میرے ساتھ بڑا گہرا اور دلی تعلق رکھتے تھے۔وہ امانت و دیانت کی پابندی کرنے والے اور ایک خوش اخلاق انسان تھے۔بندہ جب بھی دبی (متحدہ عرب امارات) سے آتا یا واپسی کے لئے روانہ ہوتا، مجھ

سے ملنے آتے، مٹھائی کے خلوص و محبت بھرے ڈبے اٹھائے، ہنستے مسکراتے، میرے ہاں پہنچتے اور ادب و احترام کی ایک ایسی خاص کیفیت کے ساتھ میرے پاس آتے، جو اُن کے چہرے مہرے سے ٹپکتی محسوس ہوتی تھی۔ بہر کیف وہ اپنی طبعی عمر پوری کر کے اس دار فانی سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ اب ہماری ان کے لئے دعاء ہے۔ اور یہی دعاء ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کر کے جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ اور زندگی میں جو غلطیاں، کوتاہیاں اور لغزشیں بشری تقاضوں کی بناء پر ان سے سرزد ہو گئی ہوں، وہ ان کو معاف فرمائے۔ آمین۔ اور ہاں حدیث کی رو سے مرنے والوں کیلئے زندوں کی طرف سے اصل تحفہ دعاء ہی ہے۔

☆

اسیر تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ، حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کا والا نامہ

''ہم تو اللہ کی رضا پر راضی ہیں۔ ہمارا ضمیر مطمئن ہے۔ اسلاف کے مصائب جھیلنے کے واقعات ہمارے لئے صبر و استقامت کا درس ہیں۔ اور ہمارے لئے مسرت کا مقام ہے کہ ہم جیسے گناہگاروں اور کمزوروں نے بھی ان کے نقش قدم پر چل کر ایک بہت ہی تھوڑا اور خفیف سا عمل کیا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور عنایت ہے۔ جیل کے مشاہدات بعد میں گھر میں آ کر بتاؤں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور ان واقعات سے ایک تاریخ مرتب ہو سکتی ہے۔ ہمیں تو بالکل ہی کوئی تکلیف نہیں ہے۔ لیکن دیگر قیدیوں کی حالت (اخلاقی قیدیوں کی) قابل رحم ہے۔ اور انسانیت سوز۔ بالکل ہم اتحاد والوں کے آنے سے ان کی مشقت اور غیر انسانی سلوک میں بہت حد تک کمی واقع ہوگئی ہے۔ جو کہ گھر آ کر ان شاء اللہ تعالیٰ سناؤں گا۔ یہاں آ کر بے شمار تجربات ہوئے ہیں جو قابل بیان ہیں۔''

ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی

۲۵۔اپریل ۱۹۷۷ء

بوقت دس بجے رات

Marfat.com

صاحبِ عزیمت

خامۂ اثر

مولانا علامہ قمر احمد عثمانی (مرحوم)
(مفسر، محدث، محقق اور مصنف کتب کثیرہ)

''مولانا مرحوم نے جس پامردی اور عزم و حوصلے کے ساتھ ان مصائب و مشکلات کا سامنا کیا، جو انہیں حق گوئی و حق پرستی کی پاداش میں بھگتنی پڑیں، اس نے اسلاف کے ان مجاہدانہ کارناموں کی یاد تازہ کر دی، جنہیں تاریخ تا قیامت فراموش نہ کر سکے گی۔''

اسلام کے بنیادی عقائد وہی ہو سکتے ہیں جن کا بنیادی عقیدہ ہونا قرآن یا سنت ثابتہ سے ثابت ہو۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ کے پہلے رکوع میں ''اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ'' سے ''وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ'' تک۔ اور اسی سورہ کے آخری رکوع میں ''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ'' تا ''وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ'' سات آٹھ باتوں کو شرط ایمان قرار دیا گیا ہے۔ (۱) ایمان باللہ، (۲) کتاب الٰہی پر ایمان لانا، (۳) اللہ کے فرشتوں پر ایمان لانا، (۴) اس کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان لانا، (۵) اس کے بھیجے ہوئے انبیاء و رسل پر ایمان لانا اور ان کے مابین کوئی تفریق قائم نہ کرنا، (۶) آخرت پر ایمان لانا، (۷) ایمان بالغیب اور (۸) اللہ کے کلام کو سننے اور اس کی اطاعت کرنے کو شرائط ایمان میں شمار کیا گیا ہے۔

ایمان کے بنیادی اجزاء جو کتاب الٰہی سے ہی اخذ کئے گئے ہیں، انہیں ''ایمان مفصل'' میں بڑی جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اس میں اللہ پر، اللہ کے فرشتوں پر، اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء و رسل

پر، یوم آخرت پر، تقدیر کے خیر و شر کے ہر پہلو کے منجانب اللہ مقرر کئے جانے پر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے پر، ایمان لانے کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ایمان کے متذکرہ بنیادی اجزاء کے علاوہ جو عقائد و نظریات خود قرآن ہی سے ثابت ہیں مثلاً عقیدۂ ختم نبوت یا اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم وغیرذالک کے علاوہ کسی ایسے عقیدے کو جس کی قطعیت و حجیت کتاب الٰہی یا سنت ثابتہ سے ثابت نہ ہو بطور عقیدہ تسلیم کر لینا غلو فی الدین یا دین میں بیجا مداخلت تصور ہوگی۔

اسلامی تعلیمات، احکام و مسائل یا عقائد و تصورات کو سمجھنے میں ساری الجھنیں اور پیچیدگیاں اس لئے پیدا ہوتی ہیں کہ عام طور پر حدیث اور سنت کو ایک ہی چیز سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ان مخصوص اعمال و افعال کا نام ہے جن پر ان نفوس قدسیہ نے بطور اعمال دین کے عمل فرمایا اور ان کا یہ تواتر عمل عہد رسالت سے تا ایں دم موجودہ عہد کے مسلمانوں تک کسی ادنیٰ تغیر و تبدل کے بغیر بعینہٖ اپنی اصلی شکل و صورت میں پہنچا۔ اسی لئے مولانا محمد علی کاندھلویؒ مؤلف ''امام اعظمؒ اور علم حدیث'' کا یہ فرمانا کہ ''اگر بخاری و مسلم پیدا نہ ہوتے تب بھی دنیا میں کوئی کمی واقع نہ ہوتی اور اگر حدیث کے نام سے اسناد و روایات کا کوئی بھی سلسلہ موجود نہ ہوتا تو سنت اپنی جگہ ایسے ہی موجود ہوتی، یہ بالکل بجا و درست ہے کیونکہ سنت، روایات احادیث سے بالکل مختلف چیز ہے۔ اس لئے حدیث کی کسی روایت کا انکار سنت کا انکار نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کی حیثیت بقول مولانا کاندھلویؒ: ''محض تاریخ سنت کی ہے''۔ لہٰذا کوئی بھی ناقد حدیث باعتبار اسناد یا اصول روایت کے تحت کسی فنی سقم یا علت کی بنا پر کسی روایت کو ساقط الاعتبار قرار دے کر رد کر سکتا ہے کیونکہ روایات کی صحت و عدم صحت کا فیصلہ علماء احادیث کے ذاتی و انفرادی اجتہاد پر ہے۔

اسلام کے بنیادی عقائد کے بارے میں امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ فرماتے ہیں: ''چنانچہ آج عقائد ضروریہ اسلامیہ میں کوئی ایسا عقیدہ نہیں جس کی تعلیم قرآن مجید میں نہ ہو، ہاں البتہ یہ ہے کہ بعض عقائد کی غیر ضروری تفصیل قرآن مجید میں نہیں ہے۔ احادیث میں ہے۔ مگر یہ بات بھی امہات عقائد میں نہیں ہے۔ امہات عقائد تو صرف تین ہیں، توحید و رسالت و آخرت۔ یہی وجہ تھی کہ فاروق اعظمؓ نے حکم

دے رکھا تھا کہ سوائے اعمال کے اور کسی مضمون کی روایت بیان نہ کی جائے'' (بحوالہ یازدہ بخوم، شائع کردہ دارالمبلغین پاٹانالہ، لکھنؤ)۔

جب یہ امر حقیقت ثابتہ کے درجے میں ہے کہ اسلام کے بنیادی عقائد اور امہات عقائد وہی ہیں جو قرآن سے ثابت ہیں اور ان کے علاوہ جو عقائد محض اخذ کردہ استنباطات و دلائل سے وضع کر لئے گئے ہیں اور بقول مولانا عبیداللہ سندھیؒ: ''یہ اخذ کردہ دلائل و استنباطات اور تعبیرات شک وشبہ سے خالی نہیں ہیں، تو جو چیز اس درجہ کی ہو، کیسے ممکن ہے کہ ہم اسے عقائد اسلامیہ کی بنیاد بنا ڈالیں'' (بحوالہ تفسیر ''الہام الرحمٰن'' ص ۴۹، الجز الثانی)۔

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ، امام و خطیب جامع مسجد الفاروقؓ، سلطان پورہ راولپنڈی بھی امت کے انہی صاحب عزیمت بزرگوں میں سے ہیں جنہیں علماء وقت کے بزعم خویش خود ساختہ عقائد و افکار سے اظہار اختلاف کی پاداش میں گوناگوں شدائد و مشکلات، تکفیری حربوں حتیٰ کہ مقاطعوں کی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور وہ ان شدائد کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے بالآخر 11۔جنوری 2002ء کو اپنے خالق حقیقی کی آغوش رحمت میں پہنچ گئے۔ جہاں پہنچ کر نہ اب ان پر کفر کے فتوے عائد کئے جاسکیں گے نہ کسی دنیوی عدالت کا کوئی روایتی فیصلہ اثر انداز ہوگا۔

مولانا مرحوم کا قصور صرف یہ تھا کہ انہوں نے ایک ایسے مسئلے پر جو محض چند اخذ کردہ دلائل و استنباطات پر مبنی تھا، یعنی ''عذاب قبر'' اور جسے اسلام کا بنیادی عقیدہ قرار دیا ہی نہیں جاسکتا، قرآنی آیات بینات کی روشنی میں اپنا نکتۂ نظر اپنے دروس قرآن اور اپنے بیٹے کی تصنیف ''حقیقت حیات و ممات'' کے ذریعے کھل کر بیان فرمایا۔ جس کی پاداش میں انہیں مسجد کی خطابت و امامت سے بھی (جسے وہ گزشتہ پچاس سال سے بلا معاوضہ انجام دے رہے تھے) علیحدہ کر دیا گیا۔ پھر ان پر مقدمہ قائم کیا گیا۔ اور انہیں آئے دن کی عدالتی پیشیاں بھگتنی پڑیں اور آخر کار انھیں تقریباً تین برس تک اہل خانہ سمیت سماجی بائیکاٹ کی اذیتوں سے دوچار ہونا پڑا۔

اسلامی احکام و مسائل کی تعبیر و تشریح کے سلسلے میں تاریخ کے ہر عہد میں اظہار اختلاف کی صورتیں

Marfat.com

سامنے آتی رہی ہیں۔ اور امہات عقائد کے علاوہ فروعی و جزئی مسائل کے ضمن میں ہمیشہ اختلاف رائے کی گنجائش کو اصولی طور پر تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔ تا آنکہ عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد مبارک میں واقعہ معراج جیسے اہم مسئلے پر اختلاف رائے موجود رہا ہے۔ لیکن ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے خلاف نہ کوئی فتویٰ بازی ہوئی نہ انہیں مطعون کرنے کی کسی منظم یا غیر منظم مہم کا آغاز ہوا۔ اگر امہات عقائد کے علاوہ دیگر مسائل میں بھی علمی یا تعبیری اختلاف کی گنجائش کو تسلیم نہ کیا گیا تو اسلام ایک جامد و ساکت مذہب بن کر رہ جائے گا۔ جس میں زمانے کے ساتھ چلنے اور حرکت و ارتقاء کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے گی۔

مولانا عبدالعزیزؒ صاحب سے چند بار ملاقات کا موقع ملا۔ وہ نہایت منکسر المزاج، متواضع اور شریف الطبع بزرگ تھے۔ ان کی نشست و برخواست اور نجی صحبتوں میں نمود و نمائش کی کوئی چیز نام کو بھی نہ تھی۔ جیسا صاف ستھرا باطن تھا ایسی ہی پاکیزہ ان کی مجلسی زندگی بھی تھی۔ وضع قطع میں علماء سلف کی یادگار تھے۔ علمی و تحقیقی کتابوں کا مطالعہ اور لکھنا پڑھنا ان کی عملی زندگی کا دستور العمل تھا۔ کسی مسئلے میں اختلافی نکتۂ نظر کو بھی نہایت دھیمے لہجے اور خوشگوار انداز میں پیش فرماتے تھے اور کبھی اس کی صحت و قطعیت پر بھی بے جا اصرار نہ کرتے تھے، بلکہ مخاطب کی ہر درست اور حق بات کو تسلیم کر لینے میں کبھی ادنیٰ سا تامل نہ فرماتے تھے۔ تعجب ہے کہ ایسے مرنجاں مرنج بزرگ سے سوائے علمی اظہار اختلاف ہمارے بزعم خویش مذہبی اجارہ داروں کو ایسی کیا زک پہنچی تھی کہ وہ ان کے اس طرح درپے آزار ہوئے کہ دم واپسیں تک ان کا پیچھا نہ چھوڑا؟ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مولانا مرحوم نے جس پامردی اور عزم و حوصلے کے ساتھ ان مصائب و مشکلات کا سامنا کیا، جو انہیں حق گوئی و حق پرستی کی پاداش میں بھگتنی پڑیں، اس نے اسلاف کے ان مجاہدانہ کارناموں کی یاد تازہ کر دی، جنہیں تاریخ تا قیامت فراموش نہ کر سکے گی۔

خدا رحمت کند ایں بندگان پاک طینت را

Marfat.com

ایک خادمِ قرآن کا سانحۂ ارتحال

رفتید و لے نہ از دل ما

خامۂ اثر

حضرت مولانا قاری حمید الرحمٰن صاحب، مفسر قرآن و محقق جلیل

''بلاشبہ، استاذ عبدالعزیز حقیقتاً مرد مؤمن تھے۔ اور ایمان و ایقان کی حقانیت ان کے دل کی گہرائیوں میں اتری ہوئی تھی۔ صحیح معنوں میں اسلام و قرآن کی روح کو سمجھنے والے تھے۔ اور اس کی جھلک ان کے قول وعمل اور سیرت و کردار سے ہویدا تھی۔''

فضاء گرد آلود ہے اور ماحول مکدر۔ ارض وسماء کے مابین مُردنی کی سی کیفیت ہے۔ اور تاحدِّ نظر روشنی نہیں بلکہ ظلمت اپنے پھن پھیلائے ہوئے ہے۔ حزن ویاس کے خونخوار پنجوں نے بہجت ونشاط کے حسین لمحوں کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ اور شادمانی ومسرت کی جمیل ساعتیں اپنی عظمت رفتہ پر نوحہ کناں ہیں، کہ اتنے میں افق مشرق پر سرخی پھیلتی ہے۔ اور بدلیوں کے جھرمٹ سے نیر تاباں تاک جھانک کا کھیل کھیلنے لگتا ہے۔ کائنات ارض وسما کی وسعتوں میں کرنیں بکھیرتا' اپنے سامنے آنے والی ہر چیز کو منور کرتا اور فضاء کی بلندیوں میں بلند سے بلند تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ نصف النہار کو عین سر پر کھڑا ہو کر اپنی رعنائیوں سے پردہ سرکاتا اور خورشید انگیزیوں کی جھلک دیکھنے کی دعوت نظارہ دیتا ہے۔ مگر کون ہے جو اس کے شباب سیماب کی جانب نظر اٹھا سکے۔ اور کون سی نگاہ ہے جو اس کی تابانی کی تاب کا دم بھر سکے۔ اس عالم رنگ وبو میں کس کو قرار اور کس کو ٹھہراؤ ہے کہ یہ آفتاب عالم تاب اپنی شباب شعاریوں کے یونہی سدا رنگ بکھیرتا

Marfat.com

رہے گا۔ اور کسی پل یاران سر پل کا روپ نہیں دھارے گا۔

وہ دیکھو دفعتاً تیز و تند ہواؤں کے جھکڑ چلنے لگے ہیں۔ پہاڑ نما سیاہ گھٹائیں گھٹا ٹوپ اندھیروں کا پیغام دینے اٹھی ہیں۔ ارض وسماء کی پہنائیوں میں طوفان بندھ رہے ہیں اور یہ آفتاب بے تاب و بے قرار' شاید قرار کی جستجو میں ان گھٹاؤں اور طوفانوں' جھکڑوں اور تند و تیز ہواؤں سے بالا بالا' بجانب مغرب بڑھتا اور ڈھلتا جا رہا ہے۔ اور پھر اسی بڑھنے اور ڈھلنے کے گھمسن گھیر میں سہ پہری کی منزل در آتی ہے۔ گھٹائیں گھٹ گھٹ کر چھٹ گئی ہیں۔ طوفان تھم تھم کر بیٹھ گئے ہیں۔ بدلیاں فضاؤں میں تحلیل ہونے لگی ہیں۔ قوس وقزح کی گہر باریاں اٹھکیلیوں پر اتر آئی ہیں۔ اور سورج کی آفتابی کرنیں اجلی فضاؤں میں کمال کے رنگ بھر رہی ہیں۔ مگر تابہ کے! ہنوز شام کے سائے پھیلنے نہ پائے۔ دھوپ کی رنگت سونار آسا نہ ہوئی۔ آفتاب کا آنچل نارنجی نہ ہو پایا اور اس کا عکسِ جمیل پانیوں میں اترنے کے لئے بے قرار ہی رہا کہ دفعتہ بادل امڈ آئے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اتنے گہرے ہو گئے کہ دن کی روشنی کو اپنی گہرائی میں سمو لیا۔ ہر سو تاریکی تیرہ و تار کر گئی۔ اور غروب آفتاب کا مَن موہ لینے والا منظر ہویدا نہ ہو سکا۔ شام کی اداسی اپنی داسیوں کو شرمسار کر گئی۔ اور ظلمتِ شب نے روز روز کی چہل پہل کو وقت سے پہلے ہی روگ لگا دیا۔ جس طرح گردش لیل ونہار گردوں کے مالک کے اختیار میں ہے' ٹھیک اسی طرح سلسلۂ موت وحیات بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اگر یہ کسی کے بس میں نہیں کہ کسی دن رات کی آمد کو روک سکے تو بلا شبہ یہ بھی کسی کے اختیار میں نہیں کہ کسی جانے والے کو روک کر اس کی حیاتی میں چند لمحات کا اضافہ کر سکے۔ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔

میری بہت سی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ ہندسے یاد نہیں رہتے۔ عدد ذہول ونسیان کی نذر ہو جاتے ہیں۔ اور فکر حاشیۂ خیال پر ثبت نہیں ہوتے۔ بنا بریں مجھے صحیح تاریخ تو یاد نہیں اور نہ ہی کوئی ماہ وسنہ یادداشت کی لوح پر کندہ ہے۔ تاہم ایک دھندلا سا نقش روزنِ ماضی کے دریچوں سے نظر آتا دکھائی دیتا ہے۔ جس سے اندازہ لگانے میں کوئی زیادہ دقت نہیں اٹھانی پڑتی۔ اور وہ یہ کہ غالباً 80 کی دہائی کے اوائل میں ایک فاضل مخدوم کے ہاں ''عظیم مشرقی رہنما ' جمال عبدالناصرؒ '' نامی

کتابچہ نظر سے گزرا۔ اس پر مصنف کا نام ایک البیلے انداز میں، جدت طرازی کا اسلوب لئے ہوئے تھا۔ یعنی: عبدالحفیظ بن عبدالعزیز ۔ اس پسر و پدر کی ترکیبی انفرادیت اور پھر نفسِ مضمون کی سحر طرازیت نے چونکا دیا۔ آں فاضل محترم سے عرض پرداز ہوا۔ یہ عربی رنگ ڈھنگ اور عربی ساخت پرداخت سے مرصع نام کس کا ہے اور کیا ان کا حدود اربعہ ہے؟ یہ ایک کاتب کے صاحبزادے ہیں اور بس۔ ان کے اس جواب پر بات آئی گئی ہوگئی۔ کہ فی الوقت نہ مجھے کسی کاتب سے غرض تھی اور نہ ہی کسی صاحبزادے سے سروکار۔

مرورِ ایام، کہ کتنی ہی کتابیں نظر سے گزریں۔ جن کی خطاطی و کتابت کے عنوان سے عبدالعزیز یا مولوی عبدالعزیز مرقوم تھا۔ یہ کتابیں زیادہ تر ایرانیوں اور کوریائی لیڈر کم ال سنگ کی تھیں۔ دریں اثناء حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کا انتقال ہوا اور پھر کچھ دنوں بعد "شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ" کے نام سے ایک مطبوعہ کتاب نظر نواز ہوئی۔ عجیب اتفاق کہ یہ کتاب بھی ان ہی فاضل محترم کے ہاں دیکھی، جن کے ہاں ازیں پیشتر "عظیم مشرقی رہنما، جمال عبدالناصر" نامی کتابچہ نظر آیا تھا۔ اس کا اسلوب نگارش انتہائی سادہ اور پرکشش تھا اور طرز تحریر دل آویز و دلکش تھی۔ مصنف نے ایک منفرد انداز میں اپنے ممدوح کو خراج تحسین و ہدیۂ عقیدت پیش کیا تھا۔ جی میں آیا، جانوں تو یہ عبدالحفیظ بن عبدالعزیز کون اور کیسے ہیں اور کن اوصاف و کمالات سے متصف ہیں؟ آں محترم و مکرم سے استفسار کیا۔ یہ ابن و اَب کی عربی ترکیب سے مرصع و معریٰ اور بھاری بھرکم اسمی لاحقہ کی وجۂ تعارف و پہچان بنانے والی شخصیت، چیست؟ اہل عرب ہیں یا عجمیت کے گونگے پن سے کبیدہ خاطر ہو کر زبردستی عربیت کی بلاغت و فصاحت کے بحرِ بے کراں میں غوطہ زنی پہ اتر آئے ہیں۔ اب کہ انکشاف ہوا کہ یہ صاحب ذہین و فطین شخص ہیں۔ مگر افسوس کہ کسی (دینی) جامعہ یا دارالعلوم سے فارغ التحصیل نہیں ہیں۔ تاہم تحریر و تقریر اور زبان و بیان سے اپنے عالم و فاضل ہونے کا تاثر ضرور دیتے ہیں۔ اور جو اُن کے مبلغ علم سے ناآشناء ہو، وہ یقیناً ان کی لفاظی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ نیز یہ بھی کہ جس اَب کے یہ ابن ہیں، وہ بھی بنیادی طور پر ایک خطّاط و خوشنویس ہیں۔ لیکن

Marfat.com

زبردستی نوع انسانی کی نفوس قدسیہ جماعتِ علماء میں گھس آئے ہیں اور ایک مسجد کی امامت کے حوالے سے مولوی کہلاتے ہیں۔ ظاہر ہے میرے لئے اس تعارف میں کوئی جاذبیت نہیں تھی اور نہ ہی اس سج دھج کی معلومات کوئی کشش رکھتی تھیں۔ سو بات رفت وگذشت سے آگے نہیں بڑھی۔ حتیٰ کہ نوے کی دہائی آ گئی۔ اور میری کتاب حیات کے کئی اوراق الٹ پلٹ کا شکار ہوئے اور میں اس اتھل پتھل میں کئی طرح کے مراحلِ نشیب وفراز سے گزرا۔ تا آنکہ سفینۂ زیست جامعہ عمر فاروقؓ کے کنارے پر لنگر انداز ہوا۔ انہی ایام میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جو شناسائی کی حدود سے نکل کر احترام واکرام کے دائرہ میں در آئی۔ ان کی باتوں میں بانکپن' گھاتوں میں البیلا پن' معلومات میں انوکھا پن اور ملاقاتوں میں وکھرا پن اور کھرا ڈھنگ تھا۔ میں چونکا۔ کہ یہ صاحب طائفہ مولویان کے رکن رکین نہیں۔ مگر ان کی باتیں جدت طرازیوں سے مملو اور معلومات حیرت انگیز حد تک ندرت آسا ہیں۔ یقیناً کسی پارس کی ملامست کے طفیل ہی کندن بنے ہیں۔ آخر پوچھ لیا۔ کہ کس ذی مرتبت ھستی کی صحبت سے مستفید و مستفیض ہوئے ہو ؟ جواب ملا۔

من گلے نہ چیز بودم ولکن مدت باگل نشستم
جمال ھمنشین درمن اثر کرد ورنہ من ہمہ خاکم کہ ہستم

میں نے دریافت کیا' وہ گل کون ہے' جس کی ہم نشینی نے تمہیں گِل سے گُل صفت بنا دیا ہے اور خاکِ تحت الثریٰ سے بلند کر کے کاخِ بام ثریا تک پہنچا دیا ہے۔ اور ایک پتھر راہ کو کند سے کندن کر دیا ہے؟

ان کی زبان سے نکلا۔ وہ پارس ''استاذ عبدالعزیز'' ہیں۔

میں نے بے ساختہ عرض کیا۔ خطاط وکاتب۔ وہ صرف خوش نویس وکاتب ہی نہیں اور بھی بہت کچھ ہیں۔

انہوں نے فرمایا۔ کیا کچھ نہیں۔ میں نہیں جانتا تم جب ملو گے۔ جان لو گے۔ اور مجھے امید ہے۔ اُنہیں مل کر مایوس نہیں رہو گے۔ اور جہاں تک خطاطی وکتابت کا تعلق ہے تو یہ محض ارزوقہ حلال حاصل کرنے کی سبیل ہے اور بس۔ کیونکہ وہ روایتی مولوی نہیں ہیں اور نہ ہی روایت پرست میاں جی ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے دست وبازو سے حلال کمایا۔ اور حلال کھایا ہے۔ اور ساری زندگی فی سبیل اللہ منبر ومحراب کو

زینت بخشی اور محض اللہ کی رضاء کے لئے قال اللہ وقال الرسول کا علم بلند رکھا ہے۔

اس پر میرے صبر کا پیمانہ چھلکنے لگا اور ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ اور میں اس منفرد انداز کے استاذ عبدالعزیز کے دردولت بنام 'دار بنی عبدالعزیز' حاضر ہوا۔ جیسے ہی ان کی من موہنی شخصیت سامنے آئی، میرے تصور نے ان کی شبیہہ کے ہیولا کا جو تانا بانا بنا تھا اور میرے تخیل نے جو اُن کا خیالی خاکہ تخلیق کیا تھا' وہ یک لخت تیرہ وتار ہو گیا۔ میرا خیال تھا۔ جُبہ ودستار کے حامل، شملہ وطُرہ کے طرحدار اور غازہ وکاجل سے مزین کوئی مولوی نُما چیز ہوں گے۔ جن کے انگ انگ اور ہر بال و بن سے مولویت چھلکتی ہو گی۔ اور ہر ادا و حرکت، مولویانہ عُجب کی غماز، مولویانہ پندار کا نشان اور مولویانہ طنطنہ کی علامت ہو گی۔ مگر یہ مولویت کی ملاحانہ لن ترانیوں سے یکسر خالی اور تکبر ورعونت سے بالکل مبرا ءایک ایسی ہستی تھی جو فقط مجسمۂ محبت ومودت تھی۔ جب گلے لگایا ہے۔ تو میں نے محسوس کیا کہ اس مشت استخوان کے سینہ میں پریم و چاہت اور خشیت وللّٰہیت کا ایک سمندر موجزن اور ایک جہان آباد ہے۔ فرمانے لگے، تجھے ملنے، ملاقات کرنے کی بڑی تمنا تھی۔ اور تجھے دیکھنے، باتیں سننے کا از حد اشتیاق۔ میں نے کئی دن سے تیری تعریف سنی ہے اور جب سے تیرے پاس آنا چاہتا تھا۔ مگر تو نے پہل کر کے ثواب کما لیا۔ میں نے فی البدیہہ عرض کیا۔

الفت کا جب مزہ ہے کہ ہوں وہ بھی بے قرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

اس پر خوب محظوظ ہوئے۔ اور فرمانے لگے کہ طائفہ مولویاں سے اُن کی تنگ نظری وجمود کے باعث کم ملتا ہوں۔ اور مقدور بھر ملنے سے گریز کرتا ہوں۔ مگر تجھے مل کر بتا نہیں سکتا کہ مجھے کتنی خوشی ہوئی۔ اور پھر دستر خوان چُنا گیا۔ چننے والے خود ہی تھے۔ اور میں نے محسوس کیا کہ پیرانہ سالی کے باوجود کتنی مستعدی، شوق اور لگن سے آ جا رہے ہیں۔ اور قسم ہا قسم کی نعمتیں چُن رہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے دستر خوان، دستر خوان نہ رہا'' خوانِ یغما'' بن گیا اور مختلف اقسام وانواع کی نعمتوں کا ڈھیر لگ گیا۔ یہاں تک کہ اہل عرب کی مہمان نوازی ومیزبانی بھی ہیچ وکمتر نظر آنے لگی۔ اور میں نے محسوس کیا کہ استاذ عبدالعزیز قرون اولیٰ کے کسی عظیم المرتبت قافلہ سے بچھڑ کر اس مکر وفریب کی دنیا میں در آئے ہیں۔ ورنہ موصوف اس دور کے

Marfat.com

انسان ہرگز نہیں لگتے۔ اس وضع قطع، اس خصائص و خصائل، اس عادات و شمائل اور اس اخلاق و اطوار کے حامل لوگ، ہم نے اب تک کتابوں کے دفینوں میں دیکھے تھے۔ صحائف کے سفینوں میں پڑھے تھے اور یا پھر تواریخ کی اوراق گردانیوں میں ملاحظہ کئے تھے۔ بھلا ایسا شخص جو تواضع و فروتنی کے خمیر سے اٹھایا گیا ہو۔ عجز و نیاز مندی کے جوہر سے سجایا گیا ہو اور محبوبیت و دلکشی کے رنگ میں بسایا گیا ہو اور جس کے وجود باجود میں دل آویزی کی ایک کائنات سمٹ آئی ہو۔ حیاء و شرافت کا ایک جہاں حلول کر گیا ہو۔ متانت و مروت کا ایک عالم جلوہ گر ہو۔ اور بقول حضرت جگر مراد آبادی مرحوم:

وہ حلم اور وہ تواضع اور طرز خود فراموشی
خدا بخشے جگر کو لاکھ انسانوں کا انساں تھا

کیا کسی نے عصر حاضر کے اس سائنسی دور و مشینی زمانہ میں ان کمالات سے متصف انسان کو دیکھا ہے؟ جس نے دار بنی عبدالعزیز میں بسنے والے استاذ عبدالعزیز کو نہیں دیکھا۔ وہ یقیناً یہی کہے گا۔ تصوراتی جہاں کے باسی اور تخیلاتی دنیا کے رہائشی کا اس مکر و فریب کی نگری سے کیا جوڑ؟ میاں اس اداء و نداء کے لوگ سوچ و فکر کے عالم میں ہی بھلے لگتے ہیں۔ مگر نہیں۔ اور کسی نے دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو مگر میں نے ایسا شخص دیکھا ہے۔ بار بار دیکھا ہے۔ بالتکرار دیکھا ہے۔ یہ بجا کہ وہ کسی جامعہ کے سکہ بند سند یافتہ نہیں تھے۔ اور نہ ہی کسی دار العلوم کے (باضابطہ) فارغ التحصیل مستند عالم تھے، تاہم بلندئ علم و عمل کے اعتبار سے، رفعتِ سوچ و فکر کے لحاظ سے، اولوالعزمی و ہمت کے حوالے سے اور تقویٰ و تزکیہ کی نسبت سے خداوندانِ مدرسہ و مکتب اور ارباب ہائے جامعات و دار العلوموں سے کہیں آگے تھے۔ میں جب پہلی بار آں موصوف سے ملا ہوں اور انہیں قرآنیات پر گفتگو کرتے اور مختلف موضوعات پر یکساں کلام کرتے دیکھا ہے۔ تو حیران رہ گیا ہوں۔ اور پھر جب بھی ملا ہوں تو ہمیشہ محو حیرت ہی رہا ہوں بالخصوص قرآن مجید کے تفسیری نکات تو حیرانگی کی حد تک حیران کن تھے۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے
خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے

Marfat.com

احسان دانش مرحوم نے ''جہان دانش'' میں لکھا ہے کہ میری زندگی میں ایک وقت وہ آیا ہے کہ سند یافتہ و ہنر مند نہ ہونے کے باعث میں نے پنجاب یونیورسٹی کے کسی تعمیری شعبے میں اینٹیں اور گارا اٹھانے کی مزدوری کی ہے۔ اور پھر ایک وقت یہ آیا کہ میں اس یونیورسٹی کے ممتحنین میں شامل کیا گیا ہوں۔ حالانکہ میں اب بھی کسی یونیورسٹی کا گریجویٹ نہیں۔ اور نہ ہی کسی علمی ادارہ کا ڈپلومہ یا ڈگری رکھتا ہوں۔ یہی حال ہمارے ممدوح کا بھی ہے۔ مگر افسوس ہمارے مذہبی رہنماؤں میں چونکہ وسعت نظری کا فقدان اور تنگ نظری کی فراوانی ہے۔ اس لئے وہ ہم چوں دیگرے نیست کے پندار میں مقید اور دائرۂ جمود کے اسیر ہو کر ہمیشہ انہیں تنگ نظری کی عینک سے ہی دیکھتے رہے ہیں۔

غرض جب مَیں پہلی بار داربنی عبدالعزیز میں حاضر ہوا ہوں اور استاذ عبدالعزیز کو مختلف موضوعات پر یکساں محوِ تکلم پایا ہے اور قرآن و تاریخ کے حوالے سے معلومات کے جو موتی انہوں نے بکھیرے ہیں تو میں انگشت بدنداں ہوا ہوں اور سر بگریبان سوچتا رہا ہوں کہ خدایا' یہ کس دیس کے بدیسی ہیں۔ کس دنیا کے باسی اور کس نگر کے رہائشی ہیں اور یہ کہ کس جنس کے فرد فرید اور کس مخلوق کے رُکن رکین ہیں۔ گو ظاہراً باعتبارِ ساخت و پرداخت' انسان دکھائی دیتے ہیں' لیکن جب میں نے اپنے سمیت انسانوں کے انبوہ کثیر کے ہر نوع کے ساتھ ان کا موازنہ کرنا چاہا تو سچ یہ ہے کہ سب بونے نظر آئے۔ کیونکہ یہ اخلاق و وضع داری میں طاق' تواضع و انکساری میں طاق' خوش کلامی و خوش مقالی میں طاق' خوش ذوقی و خوش گفتاری میں طاق' خوش طبعی و خوش مزاجی میں طاق' میہمانی و مہمان نوازی میں طاق' دین کے ھمہ پہلوؤں اور علم کی ھمہ جہتوں میں طاق' طاق ہی طاق۔ اف میرے اللہ! میں کہاں آ گیا ہوں! اور کس قسم کی تیری مقدس و مثالی مخلوق سے پالا پڑا ہے۔ میرے من سے آواز آئی۔ یہ انسان ہیں۔ پیکرِ اُنس و اِخلاص۔ اور مجسمۂ شفقت و نشاط۔ اگر یہ انسان ہیں۔ تو پھر میرے اردگرد دکھائی دینے والے' تا حد نظر نظر آنے والے اور کرۂ ارضی پر چہار سو سے زیادہ بسنے رہنے والے لوگ کون ہیں؟ میں نے عرض کیا۔ جواب ملا: اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۔ سوائے معدودے چند۔ باقی سب انسانی لبادے میں درندے اور بشری جُون میں بھیڑیئے ہیں۔ اور انہوں نے حیوانیت و درندگی کو اپنا شعار بنالیا ہے۔ انسانیت کی لاج رکھنے کے

بجائے اس کی قدروں کو گدرا ڈالا ہے۔ اور کائنات ارضی میں آنے کے اپنے مقصد کو فراموش کر کے ڈھور ڈنگروں کے خسائس ورذائل کو اپنالیا ہے۔ میاں۔ تم استاذ عبدالعزیز کو دیکھ کر مبہوت الحواس کیونکر ہو گئے ہو اور کیونکر دم بخود ہو کر کسی اور دنیا میں کھو گئے ہو۔ قرون اولیٰ کے انسان ایسے ہی تھے۔ اور یہ بھی اگلے وقتوں کے کسی انسانی قافلہ کے بچھڑے انہی جیسے انسان ہی ہیں۔ اور شاید مشیت ایزدی نے انہیں پیچھے رکھ کر اس عہد میں اس لئے لا چھوڑا کہ اتمام حجت ہو۔ اور کل کلاں کوئی یہ نہ کہہ سکے، جب ہم نے دیکھا ہی نہیں کہ انسان کیا اور کیسا ہوتا ہے؟ تو ہم کیونکر انسان بنتے۔ مگر ھیھات کہ کتنے ایسے ہیں جنہوں نے انہیں دیکھ کر بھی اپنی جُون نہیں بدلی۔ اصلاح پذیری کے بجائے افساد انگیزی پر اُتر آئے۔ اور اس جرم کی پاداش میں کہ کتاب اللہ کی دعوت کیوں دیتے ہیں، قرآن کریم کو اپنا مقصد وحید کیوں بنائے ہوئے ہو اور کیوں اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا کلام الٰہی کو بنا رکھا ہے، انتہائی گھٹیا حرکتوں پر اُتر آئے۔ طعن وتشنیع کے طومار باندھے اور بازاری زبان درازی سے بھی باز نہیں آئے۔ یہاں تک کہ مردار خور مولویوں اور مفت خورے مفتیوں کے مفتیانے بھی آزمائے گئے۔ مگر یہ بھول گئے۔ کہ شریفوں کی عزت کبھی گھٹانے سے نہیں گھٹتی۔ بادصرصر نے آسمان کا کیا بگاڑا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا تھا.................. اور اس وقت فرمایا تھا، جب وہ خود اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ قسم کے مفتیوں کے فتاووں کی زد میں تھے.................. کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔ اس کا فیصلہ جنازہ سے ہوگا...... جب اس مرد مؤمن استاذ عبدالعزیز کا جنازہ اٹھا ہے اور یہ رخت سفر باندھے آخرت کو سدھارے ہیں تو ہم نے تا حد نظر لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دیکھا ہے۔ اتنا بڑا سمندر کہ راولپنڈی کی تاریخ میں شاید ہی کبھی دکھائی دیا ہو۔ اگر ذرائع ابلاغ پر اعلان ہوتا تو معلوم نہیں، اس کے اطراف و اکناف کی حدیں کہاں تک ہوتیں۔

بلاشبہ استاذ عبدالعزیز حقیقتاً مرد مؤمن تھے۔ اور ایمان وایقان کی حقانیت ان کے دل کی گہرائیوں میں اتری ہوئی تھی۔ صحیح معنوں میں اسلام وقرآن کی روح کو سمجھنے والے تھے۔ اور اس کی جھلک ان کے قول وعمل اور سیرت وکردار سے ہویدا تھی۔ اور وہ واقعتاً مرد عجز وانکسار اور مرد درویش واتقاء تھے کہ

Marfat.com

صبر وضبط ان کی پہچان' ماسواء سے بے نیازی ولاتعلقی ان کا طرۂ امتیاز اور ہر خورد وکلاں سے پیار و پریم اور رفعت وشفقت ان کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کی صحبت یک لحظہ' اُن کی تقریروں کی طرح زیادہ مؤثر محسوس ہوتی تھی۔ چنانچہ میں جب پہلی بار آں موصوف سے ملا ہوں تو ایسے جانا ہے کہ یہ علم کا سمندر' تاریخ کا رازداں' حرفوں کا بادشاہ' لفظوں کا شہنشاہ اور رشتوں کا پاسدار ہے اور ان کی شخصیت فکر انگیز' ان کی محفل دل آویز اور ان کی باتیں گلریز ہیں اور یہ عنوان ہیں جذبوں کے۔ جوان ہیں ہمتوں کے۔ ترجمان ہیں جرأتوں کے۔ نقیب ہیں امنگوں کے۔ سراغ رساں ہیں منزلوں کے۔ تاجدار ہیں عظمتوں کے اور نشان ہیں حوصلوں کے۔

باوجودیکہ میرا استاذ عبدالعزیز سے استاذی شاگردی' پیری مریدی' ہم درسی وہم مکتبی' ہم عمری وہم سبقی' ہم نسبی وہم نسلی' ہم قبیلی وہم قومی اور ہم زبانی وہم وطنی وغیرہ کسی قسم کی ظاہری تعلق داری کا کوئی رشتہ نہیں تھا۔ تاہم میں نے پہلے شرف لقاء میں ہی یہ تأثر قائم کرلیا تھا کہ آں محترم انس والفت کے پیکر اور محبت کرنے والے عظیم انسان ہیں۔ اور یہ تأثر وقت کے ساتھ ساتھ رُو بہ بڑھوتری ہی رہا۔ حتیٰ کہ جب میں آخری بار ملا ہوں۔ تو ایسے محسوس ہوا کہ ''استاذ'' رخت سفر باندھا چاہتے ہیں۔ اور شاید جلد ہی اللہ جی کے بلاوے پر عازم سفر ہو جائیں۔ کیونکہ قوٰی کمزور ہو گئے تھے اور اعضاء وجوارح مضمحل۔ تاہم ان کی شفقت ومودت کا بحر پہلے کی طرح ہی بیکراں تھا۔ موجزن تھا۔

اور اب جبکہ وہ ہم میں نہیں رہے اور دار بنی عبدالعزیز سے دار آخرۃ کو سدھار گئے ہیں تو میں ان کا قلمی خاکہ الفاظ کی زبان میں یوں بیان کرسکتا ہوں کہ وہ میانہ قد' متوسط جسم' ستواں ناک' سپید رنگ' کشادہ جبین' جھیل نما آنکھیں' براق داڑھی' ہونٹوں پر کھیلتی ہوئی من بھاونی مسکراہٹ' سادہ مگر اجلا و نظیف لباس اور دل رُبا و دل آرا شخصیت کے حامل انسان تھے۔ منکسر المزاجی اور حلم کی رفعت و بلند نظری' طبیعت کی نفاستگی اور ذوق کی عمدگی وکم آمیزی' قناعت پسندی اور روحوں کی دبیز ظلمات کو منور کرنے والی خود اعتمادی' حق آگاہی وحق پرستی اور فکر وعمل کی دنیا کو جلا بخشنے والی نوا سنجی' آئینۂ دل کی عصیان وگناہوں سے نفرت انگیزی اور ہم جیسے سیاہ کاروں سے ہمہ لحہ خندہ روئی و درخشندہ جبینی کی اعتناء طرازی۔ یہ اور اس جیسی

Marfat.com

کتنی ادائیں تھیں میرے ہرجائی کی' کے مصداق' یہ ایک ذرۂ بے حقیقت جب بھی ان کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہے، تو ان کی مسیحانہ صحبت کی برکت سے ہلکا پھلکا واپس لوٹا ہے۔ غم جاناں غلط ہوئے ہیں اور غم دوراں سے دوری ملی ہے اور انہوں نے اصلیت و حقیقت کے ایسے ایسے روشن حقائق بیان کئے ہیں کہ عقل دنگ رہ گئی ہے اور طبیعت کا سارا تکدر پن کافور ہو گیا ہے اور ان کی سیرت و کردار کے انگنت روشن پہلوؤں میں سے یہ کتنا روشن و تابناک اور شاید انوکھا و منفرد پہلو ہے کہ جس ''ھستی'' کو جیون ساتھی اور زندگی بھر کی ''رفیقۂ حیات'' چنا' اکٹھے جینے' اکٹھے رہنے اور اکٹھے مر مٹنے کی زبان دی۔ ان کے ''اللہ جی'' نے ان کی زبان کی لاج بھی رکھی اور ٹھیک دس منٹ بعد ان کی اہلیہ محترمہ بھی اپنے پیا کے سنگ آخرت کو روانہ ہو گئیں۔ ایک ساتھ دونوں جنازے اٹھے۔ ایک ساتھ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اور ایک ساتھ ہی آسودۂ خاک ہوئے:

مے خانہ ہے ویران کوئی جام نہیں ہے
رِندوں کی بھری بزم میں اک نام نہیں ہے
طوفاں کی رکتی ہوئی نبض ہے بتاتی
جو پیڑ گرا ہے وہ کوئی عام نہیں ہے

میں یہاں تک لکھ پایا تھا کہ مثل ھاتف غیبی دار بنی عبدالعزیز میں بسنے والے استاذ عبدالعزیزؒ کی دار آخرت سے یہ نداء آئی:

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم ☆

''میرا جُرم صرف یہ ہے کہ میں لوگوں کو قرآن عظیم کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ اے کاش، مسلمانوں میں ایک بار پھر قرآن فہمی کا شعور پیدا ہو اور وہ تارکِ قرآن نہ بنیں۔''

(حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

Marfat.com

ایک منفرد آہنی شخصیت

خامۂ اثر

مولانا علامہ حکیم سید محمود احمد سروسہارنپوری
امیر تحریک اسلامی پاکستان
(مفسر، محقق، ادیب، شاعر، خطیب)

"یہ ایمان کا تقاضا ہی تھا جو انہیں آزاد معاش کے باوجود تسلسل کے ساتھ پچاس سال تک مسجد الفاروق کی خطابت کا فریضہ انجام دینے کا محرک بنا رہا۔ یہ نصف صدی محض منبر پر بیٹھ کر کہانیاں سنانے اور فرقہ واریت کی آگ کو ہوا دینے میں انہوں نے ضائع نہیں کی، بلکہ قرآن وحدیث کے احکامات اللہ کے بندوں تک پہنچانے کا مقدس فریضہ وہ اپنے علم وفہم کی بنیاد پر پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ ادا کرتے رہے۔"

زندگی میں جن حضرات سے ملنے کا اتفاق ہوا اور جن کی شخصیت نے ذہن پر اپنی سیرت وکردار کے گہرے نقش چھوڑے ہیں، ان میں راولپنڈی کے ممتاز عالم دین' خطیب' مدرس قرآن' مولانا عبدالعزیز کا نام سرفہرست ہے۔ مولانا کی شخصیت کئی حوالوں سے میرے سامنے ایک رہنما کردار کے طور پر رہی ہے۔ میں کیونکہ اپنے مزاج کے اعتبار سے نمود ونمائش، طنطنہ ودبدبہ اور مصنوعی اظہار تقویٰ کے کسی حربے سے نہ کبھی متاثر ہوتا ہوں اور نہ مرعوب۔ لہٰذا وہ افراد جن میں اس قسم کی خوبیاں ہوں، جن کا اجمال کے ساتھ میں نے ذکر کر دیا، نہ مجھے یاد رہتی ہیں، نہ ان سے کبھی دوبارہ ملنے کی خواہش ذہن میں ابھرتی ہے۔ ہاں، جہاں کردار کی مضبوطی' ارادوں کا استحکام، اخلاق کی پاکیزگی، سادگی اور انکساری کی جھلک مجھے نظر آئے۔ وہیں

Marfat.com

رخت سفر کھول کے اطمینان قلب کے ساتھ کچھ حاصل کرنے کی خواہش ضرور دامن گیر ہوتی ہے۔اس اعتبار سے میرے علمی سفر کی روداد بھی یہی ہے کہ میں نے بالاستثنیٰ اور بلاامتیاز ہر ایک کو پڑھا۔کسی کو صرف پڑھ کر چھوڑ دیا۔کسی پر سرسری نظر کرتا ہوا گزر گیا۔گویا میں اپنے علمی ہدف کی تلاش میں علمی خزانوں سے اس طرح گزرا ہوں کہ

کبھی نور تک کبھی نار تک کبھی ظلمتوں کے دیار تک
مجھے لے گئی نہ کہاں کہاں یہ جو روشنی تھی کہیں کہیں

اور اس علمی سفر کے راستے میں بعض مراحل ایسے بھی آئے ہیں کہ جن پر پہنچ کے ذہنی تسکین کا یہ مزہ پایا ہے کہ

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

مگر بہر حال ایسی منزلیں بڑی خال خال ہیں۔مگر ہیں ضرور کہ جن سے علم کی خوشہ چینیوں میں میں آج بھی لگا ہوا ہوں۔فارسی شاعری میں نکلے تو سب کو پڑھا۔مگر قرار آیا سعدی کی سادگی میں' انوری کے اظہار بیان میں اور فردوسی کے اظہار خیال میں۔حافظ شیرازی کی منزل پر بھی ٹھہرے۔مولانا روم سے بھی کسب فیض کیا۔مگر اقبال نے تو ایسا پکڑا کہ آج تک ان کے فارسی کلام کی گرفت خود انہی کی زبان میں ذہن کو مسحور کیے ہوئے ہے کہ

دگر دانائے راز آید کہ ناید

اردو نثر و نظم' فلسفہ و کلام سب کا یہی حال ہے۔یہاں بھی کچھ نقش ایسے ہیں جو پائیدار ہیں۔لازوال ہیں۔اس علم کے سفر میں، اردو شعر و ادب کے حوالے سے، ولی دکنی سے چلے۔فیض و فراز تک آ گئے۔مزہ سب سے پایا اور اعتراف عظمت میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔اور اسی طرح جب دینی علوم کی طرف اس سفر کا رخ مڑا تو قرآن کا تفسیری اثاثہ ہو یا فقہ و کلام کے مسائل' تجدید و احیائے دین کا اجتہادی کام ہو یا تجدد پسندی کے وقتی اور جذباتی ٹوٹکے' دین کی اصل روح پر بصیرت افروز علمی مقالے ہوں یا محض سطح بین اور نمائشی افکار کا طومار لایعنی............ان سارے مراحل سے گزرے۔سرسید کے تفسیری کارناموں کو دیکھا۔

Marfat.com

مولانا عبدالماجد دریا آبادی سے فیض اٹھایا۔ علامہ مشرقی کے تذکرے سے لیکر حدیث القرآن تک لفظ لفظ کو چھانا پھٹکا۔ مولانا مودودی' مولانا امین احسن اصلاحی' مولانا منظور نعمانی' مولانا شبیر احمد عثانی' مفتی محمد شفیع ......ان سارے ہی بزرگوں سے ان کی تحریروں کے ذریعے شرف تلمذ کی سعادت ملی ۔ سب کو پڑھا۔ سب سے فیضیاب ہوئے۔ سب کی عظمتوں کا اعتراف کیا اور انہیں سے وہ روشنی ملی جس نے الحاد و تجدد کی ظلمتوں میں گم ہونے سے بچالیا۔ وہ ہمارا زمانہ تھا بھی بہت عجیب وغریب کہ اللہ نے اس صدی میں جہاں بیک وقت تسلسل کے ساتھ اتنے علمی مفکرین عطا فرما دیئے۔ وہیں میدان خطابت میں بھی مسلمان خطباء کی ایک کہکشاں سجی ہوئی ہے۔ جس میں جو شخص بھی ہے، وہ اپنی جگہ مہتاب بداماں اور آفتاب بپیشانی ہے۔ یادوں کے دریچے میں یہ کرنیں اس طرح درآئی ہیں کہ عروج انوار کا عالم ذہن کو خیرہ کئے دے رہا ہے۔ آج بھی کانوں میں ان کی آوازیں گونجتی ہیں۔ ان کے الفاظ سرگوشیاں کرتے ہیں۔ یہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری ہیں' یہ مولانا احمد سعید دہلوی ہیں۔ یہ مولانا حبیب الرحمٰن سیوہاروی ہیں۔ یہ مولانا حسرت موہانی ہیں۔ یہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی ہیں۔ یہ نواب بہادر یار جنگ ہیں۔ غرض کس کس کا نام لیں۔ ان سب سے کسب فیض کیا ہے۔ ان سب کے ہنر کی داد دی ہے۔ آج بھی ان کیلئے لبوں پہ مغفرت کی دعائیں ہیں۔

آپ کہیں گے یہ اتنی لمبی تمہید؟ کہ جس میں نفس مضمون گم ہو گیا ہے۔ مگر میں کہوں گا کہ نفس مضمون گم نہیں ہوا بلکہ روشنی کچھ سوا ہوگئی۔ خیرگی کا عالم ہے۔ بات چلی تھی شخصیات کے تاثر اور عدم تاثر سے۔ مگر ذکر جب علم کا ہو تو وارفتگی بہرحال ایک لازمی مرحلۂ علمی ہے۔ میں ذکر کر رہا تھا اس بات کا کہ شخصیات میں میرے نزدیک متاثر کرنے والی بات شخصیت کا وہ جوہر ہے، جسے استقلال مزاج کہا جاتا ہے۔ اور یہ بازار میں بکتا نہیں۔ یہ تو وہی بات ہے کہ

محبت کیلئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر اک ساز پر گایا نہیں جاتا

ہاں تو میں ذکر کر رہا تھا راولپنڈی کے معروف عالم دین اور مسجد الفاروقؓ کے اس خطیب کا کہ جس

کے فیض علم سے پچاس سال تک لوگ فیضیاب ہوتے رہے۔ اور یہ نصف صدی جو اس علاقے میں ان کی آواز سے فیضیاب ہوئی ہے، اس کا اجر تو انہیں اللہ ہی دیگا اور وہی دے سکتا ہے۔ کیونکہ مولانا عبدالعزیز پیشہ ور خطیب تھے نہ کرائے کے واعظ۔ ساری زندگی جس دین کو انہوں نے شعوراً اپنایا۔ اس کو لوگوں تک پہنچانے کیلئے اقامت دین کا یہ جہاد ایک مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح کرتے رہے اور ترغیب وتحریص، جبرو استبداد، کوئی چیز انہیں کسی مرحلے پر بھی اپنے راستے سے نہ ہٹا سکی، نہ اپنے نظریہ فکر سے منحرف کرسکی۔ بلکہ ان کے ہاں تو اظہار خیال کا عمل اتنا حریت پسندانہ تھا کہ جس میں ان کے بچپن میں بھی کسی مداہنت یا مصالحت کا کوئی عنصر ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔ آج سے ساٹھ ستر برس پہلے کے ماحول میں خاص طور سے دینی نظام تربیت کا وہ مروجہ طریقۂ کار جو غیر ملکی استعمار نے برصغیر کے مسلمانوں پر ایسا مسلط کیا تھا کہ جس میں دینی اداروں اور دیندار طبقوں کو اپنی بقاء کیلئے جس راستے کو اختیار کرنا پڑا وہ بڑی کٹھن منزلوں سے ہو کے گزرا ہے۔ ظاہر ہے دینی مدارس بے وسائل تھے اور دینی تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم ایسے بے سہارا کہ جنہیں اپنی تعلیم سے لیکر اپنے طعام اور قیام کے لئے بھی محتاجی کی زندگی سے گزرنا پڑتا تھا۔ جو عزت نفس کو پنپنے نہیں دیتی۔ اس منزل کی ایک بات بڑی دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی .... وہ مولانا عبدالعزیز کا وہ رویہ ہے جو حصول تعلیم کے آغاز میں ان کے کردار کے اظہار کا ایک بڑا واضح ثبوت ہے۔ جس کے راوی اس عہد کے کچھ بزرگ ہیں۔ جس کو انہوں نے خود ہی تربیت اولاد کے مرحلے میں ذکر کیا اور وہ یہ کہ جب ان کے والد نے انہیں ابتدائی دینی تعلیم کیلئے مدرسے کے سپرد کیا تو ایک دن ان کے استاد نے ان کے ہاتھ میں بھی محلے سے مانگ کے کھانا لانے کا ''چھابہ'' دیدیا۔ اور انہوں نے نہایت حوصلہ مندی کے ساتھ اس کام کو کرنے سے یہ کہہ کے انکار کردیا کہ میں منگتا نہیں ہوں۔ لہٰذا ان پر حصول تعلیم کا وہ مروجہ دروازہ اس طرح سے کھلا اور بند ہو گیا۔ لیکن حصول علم اگر اداروں کا محتاج ہوتا، تو شاید علم کے وہ روشن آفتاب، کہ جن کی ضیا باریوں سے شعور وآگہی کی دنیا منور ہے، اپنی بے مائیگی کے ظلمت کدوں میں بے نام ونشان گم ہو گئے ہوتے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ طلب علم تو ہمت مرداں کی طلب گار ہے اور عزم و حوصلہ اپنا راستہ خود بنالیتا ہے۔ مولانا عبدالعزیز نے بھی حصول علم کا راستہ اپنی ذاتی کوششوں، انتھک محنت

اور ذوق مطالعہ کے زور پر طے کیا اور ان کے ذاتی کتب خانے کی سیر اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ تفسیر و حدیث سے لے کے کلام و فقہ تک جواہرات کا ایک خزانہ ہے جو وہ اپنی وراثت میں چھوڑ گئے ہیں۔ انہوں نے اپنے لیے درس و تدریس کو اور خطابت و امامت کو نظریۂ معاش مانا نہ اختیار کیا۔ اس لیے کہ اقامت دین تو ہر مومن کا فریضہ ہے اور توسیع دعوت اسلامی ایسا اہم اور بنیادی کام ہے، جس سے کسی صاحب ایمان کو چاہے وہ کسی مرتبہ و مقام کا بھی ہو، مستثنیٰ قرار دینے کی کوئی صورت اسلام کے اصول و مبادی میں، صحابہؓ کے طرز عمل میں اور صلحائے امت کے اقوال و کردار میں نظر نہیں آتی۔ جس طرح کسبِ معاش اور وہ بھی حلال ذرائع کی شرائط کے ساتھ ہر مسلمان پر فرض ہے، عبادات الٰہی ہر ایک عاقل و بالغ مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح حصول علم بھی فرائض اسلام میں سے ہے اور جسے اللہ شعور و ادراک کی روشنی عطا کر دیتا ہے۔ وہی روشنی اس کیلئے زندگی کا وہ تابناک راستہ روشن کر دیتی ہے۔ جسے اسلام صراط مستقیم کہتا ہے۔ لیکن یہ صراط مستقیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناقدروں، بے طلبوں اور بے پرواہوں کو نہیں ملتا بلکہ ویھدی الیہ من ینیب یعنی اللہ اپنی طرف آنے کا راستہ صرف انہی کو دکھاتا ہے جو قرب الٰہی کے طلبگار ہوں اور اس کی طرف آنے کی خواستگاری کریں۔ لہٰذا مولانا عبدالعزیز نے حصول علم کیلئے مطالعہ اور کسب معاش کیلئے خوشنویسی (کتابت) کو اختیار کیا اور جس طرح وہ اپنے مقام علمی اور فریضۂ خطابت میں منفرد رہے اسی طرح خوشنویسی میں بھی کمال فن کو پہنچ گئے۔

پاکستان بننے کے بعد صحافت کا قافلہ جب راولپنڈی میں رواں دواں ہوا تو یہاں ''نوائے وقت'' کے آنے سے پہلے صحافت کا آغاز جن اخبارات سے ہوا، مولانا عبدالعزیز نے ان میں سے بیشتر روزناموں میں اپنی خوشنویسی کے جوہر دکھائے۔ ''تعمیر'' اخبار سے لیکر ''ناقوس''، ''جاوداں'' اور پھر ''نوائے وقت'' ....وہ ان سب سے وابستہ رہے۔ مگر مزاج کے اعتبار سے وہ تنہا تنہا سی شخصیت تھے اور یہ اس لیے بھی کہ

دیکھنے میں یوں تو اک دنیا کی دنیا آدمی
اور اگر احساس زندہ ہو تو تنہا آدمی

بس وہ کچھ اسی قسم کی چیز تھے۔دینی اداروں سے پھر وہ وابستہ بھی ہوئے۔اس وقت کے ایک بڑے ممتاز اور منفرد فکر کے حامل مولانا غلام اللہ خان صاحب کی شاگردی بھی اختیار کی، مگر مسائل کے اظہار کے سلسلے میں اور آزادیٔ اظہار رائے کے حوالے سے مولانا عبدالعزیز اپنے شیخ کی طرح نہ کسی سے دبے۔نہ جھکے۔نہ کترائے۔نہ گریزاں ہوئے۔سیاست کے میدان میں بھی آئے، مگر اس انداز سے نہیں جیسے اب سیاست کو تجارت بنالیا گیا ہے۔اگرچہ پاکستان کی مروجہ سیاست کے اعتبار سے جو طریقۂ کار یہاں اپنایا گیا اسے سیاسی کہتے ہوئے اس لیے شرم آتی ہے کہ لوگ حصول اقتدار کو سیاست کی منزل سمجھتے ہیں، اور اس سلسلے میں کسی ضابطۂ اخلاق کی پابندی ہماری سیاست کے مروجہ ضابطۂ اخلاق میں سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔

یہاں تو ہر گروہ سیاست اور اس کا رہنما بس ایک ہی بات کہتا ہے اور وہ یہ کہ:

مستند ہے میرا فرمایا ہوا

مولانا عبدالعزیز نے جس سیاسی اور دینی جماعت کو اختیار کیا وہ جمعیت العلماء اسلام تھی۔فکری اعتبار سے بھی وہ علمائے دیوبند کے خوشہ چیں تھے۔کتاب سے محبت اور علم کا ذوق انہیں اپنے عہد کے سارے اہل علم کے دروازوں پر لے گیا۔وہ مولانا آزاد سے لے کر مولانا مودودی اور امین احسن اصلاحی کے افکار و آراء سے کسب فیض کرتے رہے مگر یہاں بھی ان کا طرز عمل منفرد ہی رہا۔اس لیے کہ ہماری دینی جماعتیں بھی اپنے گروہی قید خانوں میں ایسی مقید ہیں کہ وہ اپنے حصار فکر و خیال کے باہر کسی چیز کو نہ حق سمجھتی ہیں نہ علم قرار دیتی ہیں۔اور اسی لیے محض فروعی اور کلامی باتوں نے فرقہ واریت کی ایسی بھیانک فضا بنادی ہے کہ ہر جماعت کے علمی اختلاف اصولی عقائد کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔یہ شدت اتنی بڑھی ہے کہ کسی گروہ میں بھی اختلاف رائے کو برداشت نہیں کیا جاتا اور اظہار اختلاف کو لوگ خروج عن الجماعت سے لے کے دائرہ اسلام سے اخراج تک قرار دے دیتے ہیں۔اس معاملے میں بھی مولانا عبدالعزیز کا طرز عمل اس عہد کے اعتبار سے تو منفرد نظر آتا ہے کہ وہ جمعیت العلماء اسلام میں رہتے ہوئے اور علمائے دیوبند کی عقیدتوں سے سرشار ہوتے ہوئے بھی مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیری کوششوں کو سراہتے ہیں۔مولانا مودودی کا نام احترام سے لیتے ہیں۔ان کی تفسیر کے حوالوں سے گریز نہیں کرتے۔وہ دراصل علم اور کتاب سے محبت

کرنے والی شخصیت ہیں۔ لہٰذا انہیں مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تفسیر ''ترجمان القرآن'' بھی پسند ہے اور ''تدبر القرآن''، اور ''تفہیم القرآن'' کے اعتراف علمی سے بھی انہیں کوئی عار نہیں۔

پھر انہوں نے دین کے راستے میں عملی جدوجہد سے بھی پہلو تہی نہیں کی۔ میں نے انہیں ایک کارکن کی حیثیت سے سن 53ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی شریک دیکھا۔ اور وہ سنہ تہتر کی تحریکِ ختم نبوت میں بھی مصروف عمل رہے۔ بلکہ سن 77ء کی تحریک نظام مصطفیٰؐ میں حکومت وقت کے مظالم بھی برداشت کیے اور 33 دن کی قید بھی کاٹی۔ اگر چہ وہ مروجہ معانی میں سیاسی کارکن نہیں تھے، اور نہ ان تحریکوں میں ان کی شرکت سیاسی معاملات کے ضمن میں آتی ہے، وہ تو دین اور اس کے قیام واستحکام کے لئے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے والے ایک مخلص' ایثار پیشہ اور صاحب ایمان آدمی تھے۔ وہ ہر حال میں اپنے ایمان کے تقاضے پورے کرتے رہے۔ یہ ایمان کا تقاضا ہی تھا جو انہیں آزاد معاش کے باوجود تسلسل کے ساتھ پچاس سال تک مسجد الفاروقؓ کی خطابت کا فریضہ انجام دینے کا محرک بنا رہا۔ یہ نصف صدی محض منبر پر بیٹھ کر کہانیاں سنانے اور فرقہ واریت کی آگ کو ہوا دینے میں انہوں نے ضائع نہیں کی، بلکہ قرآن وحدیث کے احکامات اللہ کے بندوں تک پہنچانے کا مقدس فریضہ وہ اپنے علم وفہم کی بنیاد پر پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ ادا کرتے رہے۔ مطالعۂ قرآن ان کی روح کی غذا تھی اور احکامات قرآن میں معاملات اور معاشرتی مسائل کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا ایک لحاظ سے ان کا مشن رہا۔ وہ قرآن پر غور وفکر کو مسائل کا بنیادی حل تصور کرتے تھے۔ ان کی نگاہ میں قرآن خوانی صرف حفاظت قرآن کا ذریعہ تھی۔ اور تدبر فی القرآن اور تفہیم فی المسائل دو ایسے اجزا تھے کہ جن کے بغیر انقلاب سیرت ممکن نہیں۔ لہذا ان کا سب سے زیادہ زور اسی بات پر ہوتا تھا کہ قرآن پر غور وفکر کیا جائے۔ کسب فیض کیلئے اور رہنمائی کیلئے...... حسبنا کتاب اللہ ہی ان کا مشن رہا ہے اور قرآن کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا' اتباع واطاعت کی روش اختیار کرنا جسے عام طور پر لوگ صرف عبادات تک محدود خیال کرتے ہیں اور آپس کے تعلقات کو اور سماجی زندگی کے مختلف گوشوں کو ہدایت قرآن کے مطابق چلانے اور اپنی سیرت وکردار کو گھر سے لے کے معیشت تک اور برادری سے لے کر ملکی مسائل تک کہیں بھی کچھ ہوتا رہے، عام طور سے بڑے بڑے متدین حضرات اور

Marfat.com

صاحبان مسند ارشاد اسے خلاف دین نہیں سمجھتے۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے امت کے سارے دینی پیشوا چند مستثنیٰ حضرات کو چھوڑ کر سب دین و دنیا کی اس تفریق پر متفق ہو گئے ہیں اور مطمئن بھی کہ:

مسجد ہماری باقی تمہارا

لیکن اس معاملے میں بھی مولانا عبدالعزیز کا رویہ عقیدتاً بھی مختلف تھا اور عملاً بھی ...... جہاں تک عقیدے اور نظریے کی بات ہے اس بارے میں ان کے سامعین اس بات کے کافی گواہ ہیں کہ وہ ہمیشہ سماجی رویوں کی اصلاح پر زور دیتے رہے۔ اصلاح عقائد کے ساتھ اصلاح رسوم و رواج ہمیشہ ان کا موضوع رہا۔ رزق حلال کا حصول، اہلخانہ کے ساتھ بہتر تعلقات، بچوں کی مناسب تربیت، معاملات زندگی میں اسلامی احکامات کی پیروی .... یہ ان کی گفتگو کے پسندیدہ موضوع بھی تھے اور دروس و خطبات کے عنوان بھی۔ ان کی ذات سے میری ذاتی دلچسپی کا سبب بھی ان کا یہی منفرد خطیبانہ کردار رہا ہے۔ کیونکہ اسی میدان میں اصلاح کا یہ علم اٹھائے ہوئے میں خود بھی اسی راہ کا راہی ہوں اور اپنی تنہا روی اور زمانہ سازی سے گریز کے اس راستے پر چلتے ہوئے دور دور تک اول تو کہیں کوئی ہم سفر نظر نہیں آتا۔ ملتا ہے تو جلد ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ کیونکہ یہ راہ ہے بھی تو بڑی کٹھن اور صبر آزما .... اور کبھی کبھی تو یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ

عمر ساری پتھروں کی ہم نشینی میں کٹی
سرد دل کی بات کرتے ہم جو ملتا آدمی

بہر حال مولانا ایسے ہی آدمی تھے۔ حضرت عمرؓ کا ایک قول ہے، جو شخصیت کو پرکھنے کی کسوٹی ہے، کہ کسی کے بارے میں اس کی شخصیت کیلئے کوئی گواہی یا وہ دے جو ہم سفر رہا ہو، یا وہ بولے جس نے ساتھ کام کیا ہو، یعنی جس کا کوئی مالی ربط وضبط ہوا ہو، اور یا پھر اس کی بات معتبر ہے جو پڑوسی رہا ہو۔ مولانا کے بارے میں میں یہ مضمون لکھ رہا تھا کہ اسی دوران ''تعمیر'' اخبار کے اس زمانے کے ایک سربراہ محترم ریاض ہمایوں تشریف لائے۔ جن کے اخبار میں مولانا نے خوشنویسی کی خدمات انجام دی تھیں۔ پوچھا کیا کر رہے ہو۔ میں نے مولانا عبدالعزیز کے حوالے سے کہا، آپ کے اخبار کے ایک خوشنویس ہوتے تھے۔ عبدالعزیز

Marfat.com

صاحب......ان کے بارے میں کچھ لکھ رہا ہوں، میں نے یہ بھی کہا کہ یہ بات آپ کو عجیب معلوم ہو گی کہ میرے مضمون کا ممدوح نہ کوئی وزیر ہے نہ سفیر نہ صاحب جبّہ و دستار نہ مالک مسند وارشاد۔ لیکن ایک بڑا کردار ضرور ہے۔ اور میں تو عظمت کردار ہی کا مرید ہوں۔ ریاض ھمایوں صاحب نے کہا کہ آپ کس خوشنویس کا ذکر کر رہے ہیں؟ میں نے کہا عبدالعزیز صاحب کا۔ ریاض ھمایوں صاحب نے پھر استفسار کیا کونسا عبدالعزیز؟ میرا جواب تھا۔ مولوی عبدالعزیز۔ انہوں نے بڑے احترام سے کہا: وہ بہت عظیم آدمی ہیں۔ اُن میں کاتبوں والی کوئی خو بو ہی نہیں تھی، وہ تو ہمارے ''تعمیر'' کے کارکنوں میں سب سے جدا شخصیت کے مالک تھے۔ پھر انہوں نے پوچھا آج کل وہ کہاں ہیں؟ میرا کہنا تھا، چند ماہ قبل ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ ریاض ھمایوں صاحب نے کہا: وہ بہت اچھے آدمی تھے۔ بڑے کھرے اور سچے۔ میری طرف سے یہ بات ضرور لکھنا.......... چلئے ان کے کردار کی یہ ایک شہادت بھی مل گئی۔ یہ اس بات کا اظہار ہے کہ کردار مضبوط ہو تو دل میں گھر کر لیتا ہے اور ذہن پر نقش چھوڑ جاتا ہے۔

مقررین تو بہت دیکھے۔ علماء اور فضلاء کی بھی کوئی کمی نہیں۔ لیکن یہ ایک حادثہ بھی مسلم معاشرے میں آج کل سب سے زیادہ بھیانک صورت میں موجود ہے کہ چراغ تلے اندھیرا.......... کل تک یہ ضرب المثل تھی، مگر آج وقوعہ ہے۔ گفتار کے غازیوں کے اپنے گھر بے چراغ ہیں۔ کل ایک بات سننے میں آتی تھی کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ مگر آج یا درختوں کی تاثیر بدل گئی یا پھلوں نے بغاوت کر دی ہے، کیونکہ جو جتنا بڑا تبدیلی حالات کا داعی ہے، اس کا اپنا گھر دعوت اخلاق کو ترس رہا ہے۔ جس کے ہاتھ پہ چراغ رکھا ہے، اس کے بچوں کو رستہ نظر نہیں آ رہا۔ اس لیے کہ تبدیلی کا عمل روپ لاتا ہے۔ بہروپ نہیں لاتا۔ اور یہاں حال یہ ہے کہ

پنڈت بھئے مشالچی باتیں خوب بنائے
اوروں کو بھیجے روشنی آپ اندھیرے جائے

اس قحط تربیت کردار کے دور میں بھی مولانا عبدالعزیز اپنے گھر کی تربیت سے غافل نہیں تھے، جس کا عملی ثبوت ان کا وہ صدقۂ جاریہ ہے، جو اللہ نے ان کے فرزند کی صورت میں انہیں عطاء کیا تھا۔ اور جو صورتاً

Marfat.com

بھی اور سیرتاً بھی مولانا عبدالعزیز کا جانشین ہے۔ یہ میں ذکر کر رہا ہوں ان کے بیٹے عبدالحفیظ کا، جو صاحب تحریر بھی ہے اور تقریر بھی......اور حق بات کہنے میں اسی تنہا روی کے راستے پر گامزن ہے، جہاں پتھروں پہ چل کے کہکشاؤں تک پہنچنا ہوتا ہے۔ رزق حلال کا حصول اور دین کے کام کا شغف اسے ورثے میں ملا ہے۔

ریڈیو پاکستان اسلام آباد کے مذہبی اور دوسرے قومی پروگراموں کا سینئر پروڈیوسر اور اس راستے کے راز و رموز کو دینی بصیرت اور خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دینے کے سلسلے میں کسی تحسین وستائش سے بے نیاز اور تنقید سے بے پرواہ اپنے کام میں مگن ہے۔ اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے محض اللہ کی رضا کیلئے توسیعی دعوت اور اشاعت دین کے فریضہ کو سرانجام دے رہا ہے۔ نہ باپ نے دین کو ذریعہ معاش بنایا نہ بیٹا دین کے نام پر کما رہا ہے۔

آپ نے دیکھا اگر کردار ہو تو پھر درخت کیسے پھل لاتا ہے اور گھر کیسے جنت بنتے ہیں۔ تو اس کے لئے نبی ﷺ کا یہ فرمان پیش نظر رکھئے: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ (تم سب کے سب رائی ہو اور تم سے تمہارے زیرنگرانی لوگوں کے بارے میں پوچھا جائیگا)۔

اس رہنما اصول سے اگر غفلت نہ برتی جائے تو زوال سے بچا جا سکتا ہے اور اصلاح احوال آج بھی ممکن ہے، مگر اس راستے پہ چلنا بہت مشکل ہے، لیکن اس کا اجر بھی بہت بڑا ہے، اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

یہ تھے مولانا عبدالعزیز............اللہ کے دین کے ایک گمنام سپاہی' جو اپنا وقفہ عمل مکمل کر کے اللہ کے حضور حاضر ہو گئے۔

☆ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

''وہ مسلمان عالمِ جو علومِ قرآن کے بیان میں کتمان کرتا ہے یا آیاتِ قرآن کے ابلاغ کے بعد اُجرت وصول کرتا ہے۔ وہ تعلیماتِ قرآن سے انحراف کرتا ہے۔ قرآن پڑھ کر، سنا کر، اُجرت وصول کرنا غلط ہے۔'' (حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

خطیب و خوشنویس مولانا عبدالعزیزؒ

نوشتہ

دکتر محمد حسین تسبیحی (رہا)

ادیب، شاعر، محقق، کتاب شناس،
دانشور، ماہر تعلیم و لسانیات

تا آنجا کہ من آگاہی یافتہ ام، کتاب ھا و رسائل و مقالات کتابت شدہ توسط مولانا عبدالعزیز خوشنویس، حدود ۲۰۰۰ کتاب بودہ است. حالا تصوّر بفرمایید، خطیب و پیش امام مسجد و معلم و مدرس ہم بودہ است وضمناً مسئولیّت کتاب ھا و کتابخانہ و خانوادۂ خود را ہم داشتہ است.

آشنایی با مولانا عبدالعزیز:

در سال ۱۳۴۹ھ ش برابر با ۱۹۶۹ میلادی با مرحوم مولانا عبدالعزیز خوش نویس آشنا شدم. وی پیش امام خطیب و معلم مسجد الفاروقؓ بود. این مسجد در محلۂ سلطان پورہ یا سلطان کا کھوہ یا چاہ سلطان بود در کوچۂ شمارہ ۱۷. آشنایی بندہ با ایشان از طریق کتابت و خوشنویسی آغاز شد. مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان تازہ تأسیس شدہ بود و در خیابان راشد منہاس (= لاہور روڈ = کچہری روڈ) در راولپنڈی در خانۂ شمارہ ۱۸۴ قرار داشت. مولانا عبدالعزیز در آن موقع یک جوان ۳۵ سالہ بود کہ از راہِ کتابت و خوشنویسی روزگار می گذرانید. از خطابت و پیش امام بودن و تعلیم طالب علمان، اصلاً مزد دریافت نمی کرد. از راہ قلم و کتابت زندگانی خود و فرزندان را می گزرانند. وی با خانوادۂ من رفت و آمد می کرد و صاحب عیال و اولاد بود و ہمگان

خردسال بودند. ما نیز با خانهٔ اورفت وآمدی کردیم و با عیال واولاد او آشنا شده بودیم و بالاخره از رسم ورواج زندگی یک دیگر آگاهی داشتیم.

همکاری با مولانا عبدالعزیز:

مولانا عبدالعزیز خوشنویس، اندک اندک با راهنمایی خودش در امور خوشنویسی و کتابت، خدماتی ذیقیمت به کتابخانهٔ گنج بخش، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان انجام داد. درآن موقع حروف چینی کامپیوتری نبود و در راولپندی حروف چینی عربی (یعنی خط نسخ) وجود نداشت. کتاب ها و نشریات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان درلاهور حروف چینی و چاپ می شد و در راولپندی منتشر می گشت. کارت ها، اوراق روی دیوار، برگه های کتاب، عطف نویسی، تهیهٔ دفتر های ثبت کتاب های چاپی ونسخه های خطی، آرایش و پیرایش عناوین وسر فصلهای کتاب ها، سر برگ ها، نشانی های گوناگون وبسیاری چیز های دیگر را برعهدهٔ مولوی عبدالعزیز گذاشتیم. وی با مهارت و ذوق کتابت وصداقت وخوبی همهٔ این کارها را انجام می داد و چون این بندهٔ کمترین تازه آمده بودم و با بسیاری از امور کتابت وکتابخانه و بازار طبع ونشر آشنا نبودم، ایشان باسعهٔ صدر ومحبت فراوان مرا راهنمایی می کرد. ونکات باریک ودقیق مربوط به کتاب ونسخهٔ خطی وچاپی و چاپ وچاپخانه را به من یاد می دادند ونشان دهی می کردند وراهنمایی می نمودند.

کارهای کتابت وخوشنویسی های مرحوم مولوی عبدالعزیز به شرح زیر است:

<u>نخست وسایل ولوازم اداری وکتاب خانه یی:</u>

۱۔ دفتر های ثبت کتاب های چاپی باطرح وآرایش کامل به قطع کوچک و بزرگ.

۲۔ دفتر های ثبت نسخه های خطی در بیست و دوستون باطرح زیبا وآراستگی به قطع بزرگ.

۳۔ کارت های کتاب وجیب کتاب وبرگه های عطف کتاب.

۴۔ پاکت ها واوراق اداری وسر برگ ها وآگهی های رسمی وغیررسمی.

۵۔ جعبه های میکروفیلم وآرایش و پیرایش آنها.

Marfat.com

دوم: کتابتِ مقالات وگفتار مدیر وسخن مدیر وبعضی از نامہ ھای ادبی وفرہنگی.

سوم: کتابت وخوشنویسی عناوین کتاب ھا ودفتر ھا.

چہارم: کتابت وخوشنویسی کتاب ھا بدین شرح.

ا۔ تاریخ کشمیر (= راج ترنگینی)/	۵۲۰صفحہ۔ چاپ راولپنڈی
۲۔ جواہر الاولیاء (مقدّمہ) (باقر بن عثمان بخاری)/	۲۱۲صفحہ۔ چاپ راولپنڈی
۳۔ جواہر الاولیاء (باقر بن عثمان بخاری)/	۴۸۷صفحہ۔ چاپ راولپنڈی
۴۔ رسالۂ قُدسیّہ (خواجہ محمد پارسا)/ پروفیسر ملک محمد اقبال	۳۸۰صفحہ۔ چاپ لاہور
۵۔ پیوند ھای فرہنگی (بعضی مقالات)/	۳۰۰صفحہ۔ چاپ راولپنڈی
۶۔ احوال وآثار میرزا اسداللہ خان غالب (محمد علی فرجاد)/	۲۷۰صفحہ۔ چاپ لاہور
۷۔ اقبال لاہوری ودیگر شعرای فارسی گوی (دکتر محمد ریاض خان)/	۱۹۰صفحہ۔ چاپ لاہور
۸۔ کشف الابیات اقبال (دکتر محمد ریاض خان)/	۱۷۵صفحہ۔ چاپ اسلام آباد
۹۔ گلدستۂ قلّات (اشعار)/	۱۱۹صفحہ۔ اسلام آباد
۱۰۔ رسالۂ ابدالیہ (اردو وفارسی)/ محمد نذیر رانجھا	۱۱۴صفحہ چاپ اسلام آباد
۱۱۔ اسلامی جمہوری ایران کا آئین (اردو) شیخ محسن نجفی۔	۹۲صفحہ۔ چاپ راولپنڈی
۱۲۔ بیسویں صدی کی اسلامی تحریکیں (اردو) مرتضیٰ مطہری شہید/ ناصر حسین نقوی	۸۶صفحہ۔ چاپ راولپنڈی
۱۳۔ علامہ اقبال (احوال وآثار) سید مرتضیٰ موسوی/ احمد ندیم قاسمی	۵۴صفحہ۔ چاپ راولپنڈی
۱۴۔ علامہ اقبال، اسلامی فکر کے عظیم معمار (اردو). دکتر علی شریعتی/ دکتر محمد ریاض خان/	۶۴صفحہ۔ چاپ راولپنڈی
۱۵۔ انقلاب ایران (سندی) محمد عثمان دیپلائی/	۵۶صفحہ۔ چاپ راولپنڈی
۱۶۔ ایران ومصر میں کتب سوزی (مسلمانوں پر الزام)	

Marfat.com

مرتضیٰ مطہری شہید/ دکتر سید عارف نوشاہی (مترجم) — ۱۴۶صفحہ چاپ راولپنڈی

۱۷۔ احوال و آثار جامی؛ علی اصغر حکمت/ دکتر سید عارف نوشاہی — ۵۲۰صفحہ چاپ راولپنڈی

۱۸۔ رسالہ اُنسیہ (فارسی و اردو)/ مولانا یعقوب چرخی و محمد نذیر رانجھا — ۱۱۶صفحہ۔ چاپ راولپنڈی

۱۹۔ بررسی لغات اروپائی: دکتر محمد نور محمد خان — ۲۹۶صفحہ، چاپ راولپنڈی

۲۰۔ بہ یاد شرافت نوشاہی: دکتر سید عارف نوشاہی — ۵۷صفحہ۔ چاپ لاہور

۲۱۔ تذکرہ علمای امامیہ پاکستان: سید حسین عارف نقوی — ۶۶۴صفحہ۔ چاپ راولپنڈی

۲۲۔ شرح مثنوی (جلد اوّل): شاہ داعی الی اللہ شیرازی و محمد نذیر رانجھا — ۱۴۷صفحہ۔ چاپ راولپنڈی

۲۳۔ شرح مثنوی (جلد دوم): شاہ داعی الی اللہ شیرازی و محمد نذیر رانجھا — ۶۰۰صفحہ، چاپ راولپنڈی

۲۴۔ مقدمہ و موٴخرہ و فہرست اعلام مثنوی شمس و قمر — ۷۰صفحہ۔ چاپ راولپنڈی

۲۵۔ فہرست انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، دکتر تسبیحی — ۲۰۰صفحہ

۲۶۔ فرہنگ فارسی۔ اردو: دکتر سید باحید رشہریار نقوی — ۶۰۰صفحہ

۲۷۔ مونس العُشاق (عرب شاہ یزدی) (مقدمہ و اعلام) دکتر محمودہ ہاشمی — ۱۰۰صفحہ

۲۸۔ گویش خوانساری (لغت خوانساری): دکتر محمد حسین تسبیحی — ۳۵۰صفحہ

۲۹۔ دوبیتی ہای محلی تجرہ یی: دکتر محمد حسین تسبیحی — ۱۴۰صفحہ

۳۰۔ مراسم عروسی ایرانی: دکتر محمد حسین تسبیحی و اقدس رضوانی — ۴۸صفحہ

۳۱۔ نوروز مبارک: دکتر محمد حسین تسبیحی و اقدس رضوانی — ۴۸صفحہ

۳۲۔ نامہ نوروزی: دکتر محمد حسین تسبیحی و اقدس رضوانی — ۴۸صفحہ

۳۳۔ ارمغان شوق: ضیاء محمد ضیاء و دکتر محمد حسین تسبیحی — ۳۵۰صفحہ

۳۴۔ سعدی نامہ: دکتر محمد حسین تسبیحی — ۲۴صفحہ

۳۵۔ پاکستان نامہ: دکتر محمد حسین تسبیحی — ۱۰۰صفحہ

۳۶۔ ہمدانی نامہ: دکتر محمد حسین تسبیحی — ۴۷صفحہ

Marfat.com

۳۷۔ انیس نامہ: دکتر محمد حسین تسبیحی — ۵۴صفحہ

۳۸۔ حافظ نامہ: دکتر محمد حسین تسبیحی — ۴۸صفحہ

۳۹۔ فردوسی نامہ: دکتر محمد حسین تسبیحی — ۵۴صفحہ

۴۰۔ مجلّہ اشاعت اسلام، چاپ رایزنی فرہنگی جمہوری اسلامی ایران، اسلام آباد

۴۱۔ شعر آشوب: دُکتر الیاس عشقی، بہ کوشش دکتر زبیدہ صدیقی (مرحومہ) ۲۱۵صفحہ

۴۲۔ یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْہَار (دیوان دکتر زبیدہ صدیقی) — ۲۸۸صفحہ

۴۳۔ سفر نامۂ ایران: مولانا حافظ محمد ظہور الحق ظہورؔ — ۶۲ صفحہ

۴۴۔ گلہای کشمیر: دکتر صابر آفاقی (آزاد کشمیر) — ۱۲۸صفحہ

۴۵۔ رہ آورد سفر: مولانا حافظ محمد ظہور الحق ظہور — ۸۰صفحہ

۴۶۔ ماہ رمضان المبارک: مولانا حافظ محمد ظہور الحق ظہورؔ — ۱۶صفحہ

۴۷۔ نقش خیال (اردو): مولانا حافظ محمد ظہور الحق ظہورؔ — ۲۷صفحہ

۴۸۔ ایران میں دس دن (اردو): مولانا حافظ محمد ظہور الحق ظہور — ۶۲صفحہ

۴۹۔ دیداری از ایران (فارسی): مولانا حافظ محمد ظہور الحق ظہورؔ — ۱۲۷صفحہ

۵۰۔ حدیث دوست برای دوست: مولانا حافظ محمد ظہور الحق ظہورؔ — ۸صفحہ

۵۱۔ حرف محبت: مولانا حافظ محمد ظہور الحق ظہورؔ — ۹۶صفحہ

۵۲۔ دیوان سیف الدین اسفرنگی: دکتر زبیدہ صدیقی — ۵۲۷صفحہ

۵۳۔ پھل کھیلی (گوجری کلام): دکتر صابر آفاقی — ۱۱۲صفحہ

۵۴۔ لمحات من نفحات القدس: شیخ محمد عالم صدیقی علوی و محمد نذیر رانجھا — ۲۰۲صفحہ، چاپ اسلام آباد (پیشگفتار و فہارس)

۵۵۔ نسایم گلشن (شرح گلشن راز)، شاہ داعی الی اللہ شیرازی، و محمد نذیر رانجھا۔ ۳۴۵صفحہ۔ چاپ اسلام آباد

۵۶۔ فہرست آثار چاپی شیعہ در شبہ قارّہ (جلد اول): سید حسین عارف نقوی۔ ۲۷۱صفحہ

۵۷۔ تذکرۂ علمای امامیہ پاکستان (شمالی علاقہ جات): سید حسین عارف نقوی۔ ۱۵۰ صفحہ

۵۸۔ تاریخ عہد عتیق ریاست ہنزہ: قدرت اللہ بیگ۔ ۲۲۰ صفحہ

تا آنجا کہ من آگاہی یافتہ ام، کتاب ہا و رسائل و مقالات کتابت شدہ توسط مولانا عبدالعزیز خوشنویس، حدود ۲۰۰۰ کتاب بودہ است. حالا تصور بفرمایید، خطیب و پیش امام مسجد و معلم و مدرس ہم بودہ است و ضمناً مسئولیت کتاب ہا و کتابخانہ و خانہ و خانوادۂ خود را ہم داشتہ است.

دیدار مولانا عبدالعزیز:

ہرگاہ با مرحوم مولانا عبدالعزیز ملاقات داشتم و می خواستم کتاب یا شعر و مطالب دیگر را کتابت کند، در ساعت معیّن بہ خدمت ایشان می شتافتم. بہ کوچۂ او (شمارہ ۱۷) می رسیدم، از کنار مسجد او می گذشتم و بہ خانہ اش می رسیدم، او را می دیدم لباسی سفید پوشیدہ، کلاہی سفید بر سر گذاشتہ، محاسن زیبا را شانہ کردہ. با چہرہ ای متبسم در خانہ اش را می گشود. روی صندلی پشت میز کارش نشستہ بود، و انواع و اقسام قلم ہا و مرکب ہا را جلوی خود چیدہ بود. کتاب ہا و نشریاتی کہ بہ او دادہ بودند، کتابت می کرد و از این راہ زندگی خود و خانوادہ اش را می گذرانید و بسیار خوش حال و شادمان بود.

چای نوشی در خدمت مولانا عبدالعزیز:

پس از گفت و گو و احوال پرسی، مرا بہ چایی تعارف می کرد. عطر چای با دانہ ہای ہل بر روی آن و گاہی بالایی، بسیار خوشمزہ و خوش عطر بود. چای را با الفاظ خوش می نوشانید و دل و جان را شادمان می گردانید. ہنگام سخن گفتن، شمردہ، آرام. مطالب خود را بیان می داشت. احوال مرا می پرسید، از خانوادہ و فرزندان من می پرسید و بدین ترتیب ارتباط معنوی و روحانی خود را حفظ می کرد و ہموارہ دعا می کرد.

مکتب مولانا عبدالعزیز:

یک روز مرا دعوت کرد کہ بہ مکتب او بروم و طالب علمان را دیدار کنم. من و او از آنجا بہ مسجد الفاروقؓ رفتیم. اتفاقاً در آن روز مولانا غلام اللہ خانؒ بانی دار العلوم تعلیم القرآن نیز آمدہ بودند و خطابہ ای ایراد

Marfat.com

کردند واز من ہم خواستند تا چند کلمہ یی بہ زبان فارسی ادا کنم واشعاری فارسی بخوانم. من ہم پاسخ مثبت دادم واین دو بیت را خواندم:

یا صاحب الجمال و یا سیدالبشر — من و جهك المنير لقد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقه — بعد از خدا بزرگ تو یی قصه مختصر

ونیز این بیت را خواندم:

یہی مسجد، یہی کعبہ، یہی گلزار جنت ہے — چلے آؤ مسلمانو، یہی تخت محمدؐ ہے

مسلمانو نمازوں کیلئے تیار ہو جاؤ — قیامت آنے والی ہے ذرا ہوشیار ہو جاؤ

نمازیان واہل مجلس درآن مسجد متبسم گشتند ومرا تحسین کردند. مولانا غلام اللہ خان مرحوم، بہ دست خودش ومولانا عبدالعزیز بہ محبت خوددرآن مجلس ہدایا یی بہ این حقیر فقیر دادند. خدا شان رحمت کناد!

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

درآن مسجد ودر حضور مردم ودر خدمت مولانا عبدالعزیز این قصیدۂ مدحیہ را خواندم وہمگان را شادمان و خوشحال کردم:

مولوی عبدالعزیز خوش گهر

خوشنویس جان بود عبدالعزیز

گوہر رخشان بُود عبدالعزیز — زینتِ ایمان بُود عبدالعزیز

نسخ و نستعلیقِ او آبِ حیات — کوثرِ عرفان بُود عبدالعزیز

باقلم پیوستہ او گوید سخن — گلشنِ جانان بُود عبدالعزیز

در نوشتن ابن مُقلہ آمدہ — رَہرُوِ انسان بُود عبدالعزیز

در کتابت ثانیِ مستعصمی — کاتب رَیحان بُود عبدالعزیز

او نوشتہ ہفتصد و ہفدہ کتب — رُوحِ خطّاطان بُود عبدالعزیز

در کتابت کاتبِ خُوش گفت و گو — سَروِ خوش نازان بُود عبدالعزیز

هم خطیب و هم امامِ مسجد است چهره اَش شادان بُوَد عبدالعزیز
اُو بود نقاشِ اَلفاظِ اَدَب شاعران را شان بُوَد عبدالعزیز
مولوی عبدالعزیز خوش گُهر گُلبُنِ خوبان بُوَد عبدالعزیز
رازِ دل گوید به درگاهِ خدا عاشقِ یزدان بُوَد عبدالعزیز
اُو بُوَد مهمان نواز و خُوش سخن یاورِ مهمان بُوَد عبدالعزیز
خاندانش مَهدِ عِرفانِ خدا قاریِ قرآن بُوَد عبدالعزیز
در نماز و دَر دُعا و وِردِ حق هادیِ نیکان بُوَد عبدالعزیز
چاره و درمانِ دِلهای غمین بهترینِ دَرمان بُوَد عبدالعزیز
از فقیران دستگیری می کند عشقِ اُو اِحسان بُوَد عبدالعزیز
یار مَن باشد به هنگامِ سخن از سخن گویان بُوَد عبدالعزیز
در وفاداری صفایِ مَردُمان دَر وفا یکسان بُوَد عبدالعزیز
این ''رها'' باشد رفیقِ راهِ اُو چون که از یاران بُوَد عبدالعزیز

عروسی آقای عبدالحفیظ بن عبدالعزیز:

باری، آشنایی من با مولانا عبدالعزیز تا اینجا رسید که در عروسی فرزند او آقای عبدالحفیظ شریک شدم و قصیده یی غرّا در آن عروسی، برای عروس و داماد خواندم. یادم می آید، مولانا حافظ محمد ظهورالحق ظهور و آقای سجاد کشور در آن مجلس حضور داشتند. اُو نیز قصیده یی خواند و همگان محظوظ گشتند و آن قصیده این است که مولانا عبدالعزیز خودش آن را کتابت کرده است:

عبدالحفیظ نامه

به مناسبت جشن نامزدی و عروسی جناب آقای عبدالحفیظ فرزند ارجمند و دلبند

جناب آقای عبدالعزیز خوشنویس

مژده گویندهٔ خوبندگان عبدالحفیظ شُد رهنمای مهربان عبدالحفیظ

رِ شکوفان آمده در زندگی — رونق فزای خاندان عبدالحفیظ
ہر و محبت را بُود نُورِ اُمید — راہِ وَفا را شادمان عبدالحفیظ
میتِ سُخن وارد نوایِ خوبِ اُو — اِبنُ العزیز خوش بیان عبدالحفیظ
پیوند عشق و عاشقی شُد اُستوار — در نامزدی جُویانِ جان عبدالحفیظ
اہر بُود دَر علمِ تاریخِ جہان — نَسّابۂ دورانِ ما عبدالحفیظ
چشم و چراغِ خاندانِ خُود بُود — لطف و سخاوت را نشان عبدالحفیظ
در خُلق و خُویِ مَردُمی اوّل بُود — رُوحِ مُروّت رَا اَمان عبدالحفیظ
قَلبَش بُود پیمانگرِ لُطفِ خُدا — عہدِ الَستِ کاملان عبدالحفیظ
کاخِ گلستان را بُود خوشبُو گُلی — روشنگرِ ہر بوستان عبدالحفیظ
در رادیو دارَد نَوایِ اِنس و جان — مُشکِ خُتن را پاسبان عبدالحفیظ
فِکرَش بُود رَوشنگر راہِ خُدا — دَر زندگی چون گلستان عبدالحفیظ
خدمت کُند خَلقِ خُدا را ہر زمان — خُلقِ مَلک را مہربان عبدالحفیظ
در مہربانی ہمچو اُو نَبود کسی — شاہنشہِ سیفُ البیان عبدالحفیظ
مِہرِ پدَر در جانِ اُو بَاشد عَجین — ازمادرَش گوہَر نِشان عبدالحفیظ
نورِ دو چشم خواہرانِ خُود بُود — باغ و بہارِ خَواہران عبدالحفیظ
گویندۂ اَلفاظِ مِہر و عَاطفت — ماہ و سُہیل کہکشان عبدالحفیظ

باشد "رَھا" ہَمراہ و ہمکارِ حفیظ
رَحلِ دِلَش باشد قرآن عبدالحفیظ

۲۰-اپریل ۱۹۹۲ء

Marfat.com

ولادت نامہ سعد حفیظ:

البتہ من در وصف مولانا عبدالعزیز قصیدہ یی دارم کہ آن را ہم مولانا خودش کتابت کردہ است. و نیز آن روز کہ سعد حفیظ ابن عبدالحفیظ بہ دنیا آمد، ''ولادت نامہ'' یا ''سعد حفیظ نامہ'' سرودم و تقدیم کردم و مولانا آنرا ہم کتابت کردند و تکثیر نمودند:

ھوالحکیم

سرودۂ: دکتر محمد حسین تسبیحی (رہا)

۱۰/ ۶/ ۱۹۹۶ م/ ۲۲/ ۳/ ۱۳۷۵ش

محرم الحرام ۱۴۱۷ھ ق

سعد حفیظ نامہ

بہ مناسبت ولادت باسعادت صاحبزادہ مکرم و محترم آقای سعد حفیظ
ابن عبدالحفیظ ابن مولانا عبدالعزیز خوشنویس و پیش امام مسجد الفاروق
در محلۂ چاہ سلطان خانۂ شخصی (راولپنڈی)

بُلبل باغ و چمن سعد حفیظ — ای پسر، ای جان من سَعدِ حفیظ
شُد مُبارک مَقدَمَت در خان و مان — اِی گُل بُستانِ من سَعدِ حفیظ
حافظ جانَت خدایِ لَم یَزَل — در مَحبت صف شکن سَعدِ حفیظ
زِندگانی گشتہ شادان بَہرِ ما — گُلبدن ، نازُک بَدَن سَعدِ حفیظ
رَونق این خانہ و کاشانہ مان — عشق خوش پیمانِ من سَعدِ حفیظ
اَز پدَر دارد نشانِ نام نیک — خندہ زن ، شیرین دَہن سَعدِ حفیظ
می رَوَد راہِ خُدا عبدالحفیظ — در محبت رای زن سَعدِ حفیظ

مادرش دارد بیانِ عشقِ حقّ — حافظ او ذُوالمِنَن سَعدِ حفیظ
مولوی عبدالعزیز بابا بزرگ — گلشن شعر و سخن سَعدِ حفیظ
عمّه هایش هریکی زیبِ وَفا — با صفا و نورتن سَعدِ حفیظ
خنده زن شادان و خوش در زندگی — هم حسین و هم حَسَن سَعدِ حفیظ
نازنین زیبا پسر نورِ دِلم — عاشقِ مامِ وَطن سَعدِ حفیظ
چشمِ ما رَوشن شُده از اِین پسر — همچو ماه غمزه زن سَعدِ حفیظ
چون به دنیا آمد از لُطفِ خُدا — اَبجَد آمد گامزن سَعدِ حفیظ
گفته شُد تاریخِ هجری بَا قلم — ''طالبِ سُلطانِ مَن سَعدِ حفیظ''
''۱۴۱۶ھ ق''
هم به تاریخِ مسیحی آمده — ''شمع افروزی سَمَن سَعدِ حفیظ''
''۱۹۹۶م''
هم به شمسی گفته شُد تاریخِ او — ''ماهِ مُلکِ گُلبدَن سَعدِ حفیظ''
''۱۳۷۴ھ ش''
از خدا خواهم که باشد این پسر — گُلِستانِ هَر چمن سَعدِ حفیظ
حافِظَش قرآنِ پاک و ذاتِ حَقّ — دُور بَاشَد از مِحَن سَعدِ حفیظ
اِین ''رَها'' دارد دُعای نیمهٔ شب — همچو ماهِ مُقترَن سَعدِ حفیظ

کتابت قرآن کریم و دارالتدریس القرآن:

مولانا عبدالعزیز بسیار شوق داشتند که قرآن کریم را با تفسیر و ترجمہ کتابت کنند، بدین جهت با مرحوم ''ابومسعود'' آشنا شدند و با اکادمی تحقیقات اسلامی همکاری می کردند و قرآن کریم را با ترجمہ و تفسیر کتابت می کردند و این کار در تمام زندگی پر برکتشان ادامه داشت. یادم می آید، آنگاه که نخستین مجلد ترجمۂ قرآن کریم کتابت شدۂ ایشان منتشر شد، یک جلد به این بندۂ فقیر اهدا کردند و در صفحۂ اول آن نوشتند :

''به صد خلوص واحترام به جناب آقای دکتر محمد حسین تسبیحی پیش کش می شود.''

دوستی مولانا عبدالعزیز:

مولانا عبدالعزیز در نظر مردم بسیار محترم و بزرگوار بودند. گاهی گاهی اتفاق می افتاد که من با ایشان به چاپخانۂ ایس تی پرنترز در محلۂ گوالمندی می رفتم. در چاپخانۂ ایس تی پرنترز با جناب آقای حافظ شفیق الرحمان مرحوم ملاقات می کردیم. در راه که می رفتیم، مردم کوچه وخیابان و بازار، مولانا عبدالعزیز را می دیدند، به او سلام می کردند و گاهی از اُو درخواستِ دعای نمودند. یک روز در چاپخانہ ایس تی پرنترز می خواستیم دربارۂ کتاب ''پاکستان نامہ'' گفت وگو کنیم کہ می بایستی جناب آقای حافظ شفیق الرحمان مرحوم آنرا چاپ کند. با سخنان شیرین و گفتار نمکین جناب مولانا عبدالعزیز مرحوم، بہای آنرا بسیار مناسب حساب کرد، و مرحوم حافظ شفیق الرحمٰن گفت کہ: ''ما نمی توانیم روی سخن شما حرفی بزنیم!''

درگذشت مولانا عبدالعزیز:

من بسیار خوشحال ہستم کہ مدّتی با مولانا عبدالعزیز ہمکار و ہم نشین و ہمراہ بودم. خدای بزرگ اورا رحمت کند. درگذشت او باعث افسردگی وغمزدگی اینجانب گردید خاصہ اینکہ ہمسر گرامی او نیز یک روز بعد از مولانا عبدالعزیز از این دنیا رخت بربست. اکنون فرزند دلبندش با خواہران و دامادہا مغموم ومہموم ہستند. خدای بزرگ بہ ہمۂ آنہا صبر جمیل عطا فرماید. بندۂ فقیر ہم در این افسردگی وغمزدگی ہمراہ جناب آقای عبدالحفیظ بن عبدالعزیز ہستم. امیدوارم برای پدر مرحوم خود خلف رشید باشند و ہمانند او بہ جمہوری اسلامی پاکستان خدمت گزاری محبوب ومہربان باشند.

کتاب ''ایک عظیم مسلمان'' طباعت کے لئے تیار تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ناچیز عبدالحفیظ بن عبدالعزیز کو ایک فرزند سے نوازا۔ جس کا نام حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے نام کی مناسبت سے عبدالعزیز الثانی رکھا گیا۔ اس پر حضرت مولاناؒ کے عزیز دوست اور مشہور ایرانی دانشور وشاعر محترم جناب ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی رہاؔ نے بہت مسرت کا اظہار کیا اور 24 اشعار پر مشتمل ایک خوبصورت ''عبدالعزیز ثانی نامہ'' حوالۂ قرطاس کیا۔ موصوف کمال محبت سے دار بنی عبدالعزیز میں بنفس نفیس تشریف لائے اور یہ اشعار مرحمت فرمائے۔ بہت شکریے کے ساتھ یہ گرانقدر ''عبدالعزیز ثانی نامہ'' کتاب کے آخر میں شامل کتاب کیا گیا ہے۔

خطیب وخوشنویس مولانا عبدالعزیزؒ

نوشتہ: دکتر محمد حسین تسبیحی (رھا)
ترجمہ: ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا

جہاں تک مجھے علم ہے، مولانا عبدالعزیز خوشنویس کے ہاتھ سے کتابت شدہ کتب، رسائل اور مقالات کی تعداد دو ہزار کے قریب ہے۔ اب آپ تصور کیجئے کہ وہ خطیب و امام مسجد اور معلّم و مدرس بھی تھے۔ اور ساتھ ہی ساتھ (ذاتی) کتب، لائبریری، اپنے گھر اور اہل وعیال کی ذمہ داریاں بھی نباہتے تھے۔

Marfat.com

مولانا عبدالعزیز سے تعارف

میں ۱۳۴۹ھ ش بمطابق ۱۹۶۹ء میں مرحوم مولانا عبدالعزیز خوشنویس سے متعارف ہوا۔ وہ مسجد الفاروقؓ کے امام، خطیب اور معلّم تھے۔ یہ مسجد محلۂ سلطانپورہ یا ''سلطان کا کھوہ'' یا ''چاہ سلطان''، گلی نمبر 17 میں واقع ہے۔ بندہ کی ان سے شناسائی کا آغاز کتابت وخوشنویسی کی وجہ سے ہوا۔ ان دنوں مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان نیا نیا قائم ہوا تھا۔ اور راشد منہاس روڈ (=لاہور روڈ= کچہری روڈ) راولپنڈی پر ہاؤس نمبر 184 میں واقع تھا۔ مولانا عبدالعزیز اُن دنوں ۳۵ سالہ جوان تھے۔ اور اُن کا ذریعۂ معاش کتابت وخوشنویسی تھا۔ وہ خطابت، امامت اور تدریس طلبا سے کسی قسم کا معاوضہ نہیں لیا کرتے تھے۔ اور قلم وکتابت کے ذریعے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی زندگی گزارتے تھے۔ ان کا میرے گھر اور

خاندان میں آنا جانا تھا۔ وہ صاحب اہل وعیال تھے اوران کے بھی بچے چھوٹے تھے۔ ہم بھی ان کے گھر آیا جایا کرتے تھے۔ اوران کے اہل وعیال سے جان پہچان ہو چکی تھی۔ اور بالآخر ہم ایک دوسرے کی معاشرتی رسوم ورواج کو سمجھنے لگے تھے۔

مولانا عبدالعزیز کے ساتھ مل کر کام کرنے کے مواقع

مولانا عبدالعزیز خوشنویس، رفتہ رفتہ، خوشنویسی اور کتابت کے معاملات میں، کتابخانہ گنج بخش، مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان کے لئے گرانقدر خدمات انجام دینے لگے۔ ان دنوں کمپیوٹر کی کمپوزنگ نہ تھی۔ اور راولپنڈی میں خط نسخ کی کمپوزنگ (حروف چینی عربی) کا وجود بھی نہ تھا۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان کی کتابوں اور دیگر اشاعتی سلسلوں کی کمپوزنگ اور طباعت کا کام لاہور میں ہوتا تھا۔ اوران کی تقسیم وغیرہ راولپنڈی میں ہوتی تھی۔ مرکز کے کارڈز، اشتہارات، کتابوں کے کارڈز، کتابوں کی پشتہ نویسی، مطبوعہ کتب اور مخطوطات کے رجسٹر برائے اندراجات کی تیاری، کتب کے عنوانات اور ابواب کی آرائش وخوبصورتی، کارڈز کے عنوانات، مختلف علامات اور دوسری بہت ساری چیزوں کی کتابت اور تیاری کا کام مولوی عبدالعزیز صاحب کے سپرد کر دیا گیا۔ وہ ان تمام امور کی کتابت مہارت وذوق کے ساتھ کرتے اور طباعتی امور صداقت وخوبی سے انجام دیتے تھے۔ چونکہ یہ بندۂ ناچیز (پاکستان میں) تازہ تازہ وارد ہوا تھا؛ اور (یہاں کے کاتبوں کی) کتابت وکتب خانہ اور طباعت کے بازار میں چھپائی کے امور سے نابلد تھا۔ اس لئے مولانا صاحب کھلے دل اور بہت ہی زیادہ محبت کے ساتھ مذکورہ امور میں میری رہنمائی کرتے تھے۔ وہ مجھے کتاب، قلمی نسخے، طباعت اور چھاپہ خانہ کے باریک ودقیق نکات سمجھاتے اور میری رہنمائی فرماتے تھے۔

مولوی عبدالعزیز مرحوم کی کتابت وخوشنویسی کی تفصیل درج ذیل ہے:

اوّل: دفتر اور کتابخانہ (گنج بخش) سے متعلق اشیاء ولوازمات:

1۔ مطبوعہ کتابوں کے رجسٹرز برائے اندراج کی تیاری، چھوٹے اور بڑے سائز میں، منقش اور مکمل تزئین کے ساتھ۔

2۔ قلمی مخطوطات کے لئے 22 خانوں والے، بڑے سائز میں منقش وزیبا وخوبصورت رجسٹرز برائے اندراج۔

3۔ کتابوں کے کارڈز، کارڈز رکھنے کے لئے کاغذی جیبیں اور پشتہ ہائے کتب کے لئے سٹکرز۔

4۔ لفافے اور دفتری کاغذات، شیٹوں کی سرخیاں اور سرکاری وغیر سرکاری نوٹس کی تیاری۔

5۔ مائیکروفلم بکس پر تحریروآرائش کا کام۔

دوّم: مقالات، گفتار مدیر، سخن مدیر، اور بعض ادبی وثقافتی خطوطات کی کتابت:

سوّم: کتب اور رجسٹرز کے عنوانات کی کتابت وخوشنویسی:

چہارم: درج ذیل کتابوں کی کتابت وخوشنویسی:

تفصیل اصل فارسی مضمون میں ملاحظہ فرمائیے

جہاں تک مجھے علم ہے، مولانا عبدالعزیز خوشنویس کے ہاتھ سے کتابت شدہ کتب، رسائل اور مقالات کی تعداد 2000 کے قریب ہے۔ اب آپ تصور کیجئے کہ وہ خطیب و امام مسجد اور معلم و مدرس بھی تھے اور ساتھ ہی ساتھ (ذاتی) کتب، لائبریری، اپنے گھر اور اہل وعیال کی ذمہ داریاں بھی نبھاتے تھے۔

دیدار مولانا عبدالعزیز

جب بھی مولانا عبدالعزیز سے ملاقات ہوتی، اور میں یہ چاہتا کہ ان سے کتاب، شعر یا کوئی دوسرا مسودہ کتابت کرایا جائے تو مقررہ وقت پر ان کی خدمت میں، ان کے محلّہ کی گلی نمبر 17 میں جاتا۔ اور ان کی مسجد کے ساتھ سے گزرتا ہوا، ان کے گھر جا پہنچتا۔ انہیں دیکھتا کہ وہ سفید لباس میں ملبوس ہیں۔ سفید ٹوپی ان کے سر پر رکھی ہوئی ہے۔ اور وہ اپنی سفید ڈاڑھی کو کنگھی سے آراستہ کئے ہوئے ہیں۔ وہ مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ اپنے گھر کا دروازہ کھولا کرتے تھے۔ وہ اپنی میز کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھتے۔ گوناگوں اور قسم قسم کے قلموں اور روشنائی کو اپنے سامنے میز پر سجائے، کتابوں اور اشاعتی مواد کو کتابت کررہے ہوتے تھے۔ وہ اس (کتابت) کے ذریعے سے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی زندگی کی ضروریات پوری کرتے۔ اور

Marfat.com

وہ بڑے خوش حال اور شاد باش تھے۔

مولانا عبدالعزیز کے ہاں چائے نوشی

مولانا صاحب ابتدائی گفتگو اور احوال پرسی کے بعد، مجھے چائے پیش کرتے۔ خوشبودار چائے، جس پر الائچی کے دانے اور کبھی بالائی تیر رہی ہوتی تھی، بہت ہی خوش مزہ اور خوشبودار ہوتی تھی۔ وہ چائے کو خوبصورت الفاظ سے خوشتر بنا ڈالتے۔ اور دل و جان کو شادمان کر دیتے تھے۔ باتیں کرتے وقت، وضاحت اور آہستگی کے ساتھ اپنے مطالب بیان کیا کرتے تھے۔ میرا حال پوچھتے، پھر میرے خاندان اور بچوں کی خیریت دریافت کرتے۔ اور اس طرح اپنے معنوی اور روحانی تعلقات کو ظاہر فرماتے اور ہمیشہ دعاء دیتے تھے۔

مکتب مولانا عبدالعزیز

ایک روز مجھے دعوت دی کہ ان کے مدرسہ میں آ کر ان کے تلامذہ سے ملاقات کروں۔ لہٰذا ہم اپنے گھر سے مسجد الفاروقؓ گئے۔ اتفاقاً اس روز مولانا غلام اللہ خانؒ بانی دارالعلوم تعلیم القرآن بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ انہوں نے خطاب فرمایا۔ اور مجھ سے بھی تقاضا کیا کہ چند کلمات بہ زبان فارسی ادا کروں۔ اور اشعار بھی پڑھوں۔ میں نے اس دعوت کو قبول کیا۔ اور (پہلے) یہ دو شعر پڑھے:

یا صاحب الجمال و یا سیدالبشر   من وجہک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقه   بعد از خدا بزرگ تو یی قصه مختصر

نیز میں نے (اپنی ٹوٹی پھوٹی اردو میں) یہ دو شعر بھی پڑھے:

یہی مسجد یہی کعبہ، یہی گلزار جنت ہے   چلے آؤ مسلمانو، یہی تخت محمدؐ ہے
مسلمانو، نمازوں کے لئے تیار ہو جاؤ   قیامت آنے والی ہے، ذرا ہوشیار ہو جاؤ

مسجد کے نمازی اور اہل مجلس مسکرانے لگے اور انہوں نے مجھے داد دی۔ مولانا غلام اللہ خان مرحوم نے اپنے ہاتھ سے اور مولانا عبدالعزیز نے اپنی محبت سے، اس مجلس میں، اس حقیر فقیر کو تحائف دیئے۔ اللہ ان پر رحم فرمائے:

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

Marfat.com

میں نے اس مسجد میں حاضرین مجلس کے سامنے مولانا عبدالعزیز مرحوم کی خدمت میں یہ قصیدۂ مدحیہ پڑھا اور سب اہل مجلس کو مسرور و خوش کر دیا:

یہ قصیدۂ مدحیہ اصل فارسی مضمون میں ملاحظہ کیجئے

آقای عبدالحفیظ بن عبدالعزیز کی شادی

اور پھر، مولانا عبدالعزیز سے تعلقات یہاں تک آن پہنچے کہ میں ان کے فرزند آقای عبدالحفیظ کی شادی میں شریک ہوا۔ اور اس شادی کے موقع پر، دلہن اور دولہا کے لئے ایک عمدہ قصیدہ پڑھا۔ مجھے یاد ہے کہ مولانا حافظ محمد ظہور الحق ظہور اور آقای سجاد کشور بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ (آقای سجاد کشور) نے بھی ایک قصیدہ پڑھا۔ جس سے سب لوگ محظوظ ہوئے۔ اور (میرا پڑھا گیا) وہ قصیدہ (سہرا) یہ ہے؛ جو مولانا عبدالعزیز نے خود کتابت کیا تھا:

یہ قصیدہ مدحیہ اصل فارسی مضمون میں ملاحظہ کیجئے

ولادت نامہ سعد حفیظ

البتہ میرے پاس مولانا عبدالعزیز کی مدح میں ایک قصیدہ ہے؛ جسے انہوں نے خود کتابت کیا ہے۔ اور نیز جس روز کہ سعد حفیظ ابن عبدالحفیظ کی اس دنیا میں آمد ہوئی، اس کا ولادت نامہ یعنی ''سعد حفیظ نامہ'' بھی میں نے کہا اور (مولانا کی خدمت میں پیش کیا) مولانا نے اسے بھی کتابت کیا اور احباب میں تقسیم کیا:

یہ ولادت نامہ اصل فارسی مضمون میں ملاحظہ کیجئے

کتابت قرآن کریم اور دارالتدریس القرآن

مولانا عبدالعزیز (اس امر کی) بہت (زیادہ خواہش و) شوق رکھتے تھے کہ قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کی کتابت کریں۔ چنانچہ مرحوم ''ابومسعود'' سے ان کا تعلق قائم ہوا اور وہ اسلامک ریسرچ اکیڈیمی کے لئے کام کرنے لگے۔ وہ (اس ادارے کی طرف سے) قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کی کتابت کر رہے تھے۔ اور یہ کام ان کی تمام پُر برکت زندگی میں جاری رہا۔ مجھے یاد ہے کہ جب ان کے کتابت کئے ہوئے ترجمہ و تفسیرِ قرآن کریم (تدریس لغۃ القرآن) کی پہلی جلد شائع ہوئی۔ تو انہوں نے یہ جلد اِس بندۂ فقیر کو ہدیہ

فرمائی۔ اوراس کے صفحۂ اول پر لکھا:

"یہ جلد بصد خلوص واحترام جناب آقای دکتر محمد حسین تسبیحی کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔"

مولانا عبدالعزیز کی دوستی

مولانا عبدالعزیز دوستوں کی نظر میں بہت محترم اور بزرگوار تھے۔ مجھے بھی کبھی یہ اتفاق ہوتا کہ میں ان کے ساتھ ایس ٹی پرنٹرز، محلّہ گوالمنڈی (راولپنڈی) میں جاتا تھا۔ اس چھاپہ خانہ میں جناب حافظ شفیق الرحمٰن مرحوم سے ملاقات ہوتی۔ ہم راستے میں جارہے ہوتے تو گلی، سڑک اور بازار کے لوگ جب مولانا عبدالعزیز کو دیکھتے، تو ان کو سلام کرتے اور کبھی ان سے التماس دعا (بھی) کرتے، ایک روز (کا ذکر ہے کہ) ہم ایس ٹی پرنٹرز (کے دفتر) میں بیٹھے کتاب "پاکستان نامہ" کے بارے میں گفتگو کررہے تھے کہ آقای حافظ شفیق الرحمٰن اس کو طبع کریں۔ (اس پر) مولانا عبدالعزیز مرحوم نے اپنی میٹھی اور پیاری زبان میں اس (کتاب) کے اخراجات کا تخمینہ پیش کیا۔ (یعنی رعایت چاہی) اس پر حافظ شفیق الرحمٰن مرحوم نے (احتراماً) کہا کہ ہم آپ کی پیشکش پر کوئی اعتراض نہیں کرسکتے۔

مولانا عبدالعزیز کی وفات

میں بہت خوش قسمت ہوں کہ مجھے ایک طویل عرصے تک مولانا عبدالعزیز کے ساتھ مل کر کام کرنے، ہم نشینی اختیار کرنے اور ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ ان کی رحلت میرے لئے افسردگی اور دکھ کا باعث ہے۔ بالخصوص یہ بھی کہ ان کی زوجہ محترمہ بھی ایک ہی روز، ان کے بعد، اس دنیا سے سفرِ آخرت اختیار فرماگئیں۔ اب ان کے فرزند عزیز اپنی بہنوں اور بہنوئیوں کے ہمراہ غمزدہ وافسردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ یہ بندۂ فقیر بھی اس افسردگی ودکھ میں جناب آقای عبدالحفیظ بن عبدالعزیز کے ساتھ ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ اپنے مرحوم والد بزرگوار کے خلف رشید بنیں گے اور ان (مرحوم ہی) کی طرح پاکستان کے اسلامی معاشرے میں ایک محبوب ومہربان خدمت گزار بن کر ابھریں گے۔

Marfat.com

ایک حق گو اور بالغ نظر عالم دین

خامۂ اثر

جناب قمر رعینی

(مصنف، محقق، شاعر، مدیر ماہنامہ فیض الاسلام راولپنڈی)

”پھر جب انہوں نے عذابِ قبر سے انکار والی بات کی تو لوگ چونک پڑے۔ اور مخالفت کا طوفان برپا ہو گیا۔ وہ قرآن کریم سے سینکڑوں آیات کے حوالے دیتے رہے۔ قیامت و آخرت کی اہمیت واضح کرتے رہے۔ لوگوں کو قرآن کی طرف بلاتے رہے۔ اور اس ضمن میں ضعیف و غیر مستند ”احادیث“ کا رد کرتے رہے۔ مگر کون سنتا ہے۔ نوبت کفر کے فتووں اور مقدموں تک جا پہنچی۔ مگر وہ بھی آخری دم تک اپنے قرآنی مؤقف پر ڈٹے رہے۔“

مولانا عبدالعزیز مرحوم سے میری نیازمندی کا دورانیہ تقریباً سینتالیس (47) سال ہے۔ ان سے میری ملاقات ان دنوں ہوئی؛ جب ان کے گھر کے قریب میری بھی رہائش تھی۔ یہ 1955-56ء کی بات ہے۔ ان دنوں میں عریبک مسلم سکول میں پڑھاتا تھا۔ سکول، کالج روڈ پر تھا۔ ان دنوں انہوں نے عام ضروریات کی اشیاء پر مبنی ایک جنرل سٹور کھول رکھا تھا۔ اسی جنرل سٹور میں وہ خطاطی کی مشق بھی کرتے رہتے تھے۔ یہ ان کی مشق کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اور وہ بھرپور جوان، بلکہ جوان رعنا تھے۔ آتے جاتے ان سے میری سلام دعا ہوتی رہتی تھی۔ میں اکثر فرصت کے لمحات میں کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر، ان کی باتوں سے بھی لطف اندوز ہوتا تھا۔ اور اکثر سوچتا تھا کہ یہ شخص کیا شے ہے۔ جو محض عالم شباب میں پیران کہن سال کی

Marfat.com

سی مدبرانہ اور عالمانہ گفتگو کرتا ہے۔ مجھے ان کا وہ شگفتہ لہجہ، مسکراتا چہرہ اور دل موہ لینے والا گفتگو کا انداز آج بھی یاد ہے۔ پھر آہستہ آہستہ کچھ وہ کھلے کچھ ہم کھلے، اور میں نے محسوس کیا کہ یہ نوجوان چیزے دیگر است۔ وہ اس وقت بھی عقائد و نظریات کے اظہار میں بے باک تھے۔ انہوں نے دریوزہ گری اور منافقت کے ذریعے ظاہری مال و دولت اور شان و شوکت حاصل کرنے پر، عسرت کی زندگی اور آخرت کی بہتری کو ترجیح دی۔ رزق حلال ان کا جزو ایمان اور صحیح عقائد کی تبلیغ ان کا مطمع نظر رہا۔ اور وہ زندگی بھر اس پر کاربند رہے۔

مولانا عبدالعزیز نے کسی مروجہ دارالعلوم، کالج یا یونیورسٹی سے کوئی ڈگری حاصل نہیں کی تھی۔ اس کے باوجود انہیں قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر، فقہ و احادیث اور اسلامی تاریخ پر اس قدر دسترس تھی کہ بڑے بڑے ڈگری یافتہ بھی ان سے اکتساب فیض کو اپنے لئے باعث عز و افتخار سمجھتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ازواج مطہرات صلوات اللہ علیھن کی عظمت و رفعت سے انہیں عشق تھا۔ وہ ان نابغۂ روزگار ہستیوں کے والہ و شیدا تھے۔ وہ بہت باذوق تھے۔ کتاب ان کی زندگی تھی۔ ان کے کتب خانے میں موجود علمی ذخیرہ اور اس کی تزئین و آرائش، ان کے حس لطیف اور ذوق نفیس کی غماز ہے، ان نوادرات علمی کو دیکھ کر ان کے وسعت مطالعہ اور اپنے نظریئے سے مکمل وابستگی (Commitment) کا پتہ چلتا ہے۔ وہ جب بھی عقیدے یا نظریئے کی بات کرتے تو ٹھوس دلائل اور آیات قرآنی کے حوالوں سے کرتے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ ہماری اکثریت اس مقولے پر کاربند ہے کہ جناب ہم تو باپ دادا سے کچھ اور ہی سنتے آئے ہیں۔ ان کی زندگی کا یہ پہلو خصوصیت سے قابل توجہ ہے کہ انہوں نے ایک چھوٹے سے جنرل سٹور کے ذریعہ رزق حلال کما کر لواحقین کی پرورش و کفالت کا فریضہ انجام دینے کے ساتھ ساتھ اپنے تبلیغی مشن کو جاری رکھا۔ اور ساری زندگی انہوں نے جامع مسجد الفاروقؓ میں کسی معاوضہ یا تنخواہ کے بغیر امامت و خطابت کا فریضہ بھی انجام دیا۔ یہاں یہ وضاحت بھی کرتا چلوں کہ یہ مسجد انہیں کے والد مرحوم مولانا فضل الٰہیؒ کی ہی آباد کردہ ہے۔ اسی مسجد میں انہوں نے بھی 23 برس تک 1929 سے 1952 تک، بلا تنخواہ، امامت کے فرائض انجام دیے تھے۔ حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم اسی مسجد کے منبر سے لوگوں کو توحید باری تعالیٰ، فکر قرآن حکیم اور صحیح اسلامی عقائد سے آگاہ کرتے رہے، جو اکثر لوگوں کو پسند نہیں۔ یہیں سے ان کی

Marfat.com

مخالفت کا آغاز ہوا۔ لیکن انہوں نے ہمت ہارنے کی بجائے نصب العین کے فروغ کو جاری رکھا۔ پھر جب انہوں نے عذاب قبر سے انکار والی بات کی؛ تو لوگ چونک پڑے۔ اور مخالفت کا طوفان بر پا ہو گیا۔ وہ قرآن کریم سے سینکڑوں آیات کے حوالے دیتے رہے۔ قیامت و آخرت کی اہمیت واضح کرتے رہے۔ لوگوں کو قرآن کی طرف بلاتے رہے۔ اور اس ضمن میں ضعیف و غیر مستند ''احادیث'' کا رد کرتے رہے۔ مگر کون سنتا ہے۔ نوبت کفر کے فتووں اور مقدموں تک جا پہنچی۔ مگر وہ بھی آخری دم تک اپنے قرآنی مؤقف پر ڈٹے رہے۔

اگر چہ تحریری طور پر انہوں نے ، ذاتی طور پر، کوئی کتاب ، بصورت تصنیف یادگار نہیں چھوڑی۔ لیکن ان کی زندہ تصنیف ، ان کے ذی علم فرزندِ ارجمند جناب عبدالحفیظ ہیں۔ جو ان دنوں ریڈیو پاکستان میں بحیثیت سینئر پروڈیوسر ہیں۔ جنہوں نے : ع اگر پدر نتواند پسر تمام کند کے مصداق ، اپنے والد محترم کی زندگی ہی سے ان کے مشن کو جاری رکھنے کا عزم کر رکھا ہے۔ اور انہوں نے چند نہایت علمی و تحقیقی کام کئے ہیں۔ یہ نوادرات حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم کے فکر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ مثلاً

☆ عذاب قبر کے بارے میں عبدالحفیظ صاحب کی کتاب ''حقیقت حیات و ممات'' جب شائع ہوئی تو ایک تہلکہ مچ گیا۔ لیکن آہستہ آہستہ ان کے دلائل نے بہت سے لوگوں کو متاثر کیا۔ اور آج بہت سے لوگ ان سے متفق ہو چکے ہیں۔

☆ مولانا عبدالعزیز مرحوم کی زندگی میں ہی ان کی خواہش و ترغیب پر عبدالحفیظ صاحب نے ایک بہت بڑا علمی و تحقیقی کام شروع کیا تھا۔ جو اب تقریباً اپنے اختتامی مرحلے میں ہے۔ یہ کام ایک شجرۂ مبارکہ کی ترتیب و تدوین ہے۔ جس میں حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اکیس پشت اوپر جدِ اعلیٰ جناب عدنان سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک ہزار برس تک کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس شجرۂ مبارکہ میں بارہ ہزار سے زائد اشخاص کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری ظاہر کی گئی ہے اور بہ تفصیل بارہ ہزار سے زائد اصحاب کا تذکرہ ہے۔

☆ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ازواج مطہرات صلوات اللہ علیہن کے فضائل و مناقب

پر مشتمل عبدالحفیظ صاحب کا مرتب کیا ہوا سات سو سے زائد صفحات کی ایک ضخیم کتاب کا مسودہ تیار ہے۔

☆ امیر حجاج بن یوسف ثقفی" کے بارے میں بھی ایک کتاب کا مسودہ بالکل تیار ہے۔ اس میں عبدالحفیظ صاحب نے تاریخی حقائق اور ان کے صحیح پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے ایسے گوشوں کی نشاندھی کی ہے، جن کی طرف اس سے قبل شاید ہی کسی نے توجہ کی ہو۔ عبدالحفیظ صاحب کی یہ تینوں معرکہ آراء تحقیقی تصانیف، ان شاء اللہ مالی وسائل مہیا ہوتے ہی منظر عام پر آجائیں گی۔

ذکر ہو رہا تھا حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم کا۔ میں ان کی خطاطی کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں کہ انہوں نے یہ فن میرے ایک صحافی دوست مرحوم عبدالحفیظ سوہاوی سے سیکھا۔ اور پھر اپنی محنت اور لگن سے درجہ کمال تک پہنچایا۔ ان کے لکھے ہوئے طغرے، آیات قرآنی اور نعتیہ اشعار و قطعات وغیرہ ان کی فنکارانہ صلاحیت اور خلاقانہ طبیعت کے آئینہ دار ہیں۔ چنانچہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان میں انہوں نے بہت برسوں تک خدمات انجام دیں۔ بے شمار کتابیں اُن کے مُوئے قلم کا شاہکار ہیں۔ جن میں سے ایک کتاب مشہور ایرانی دانشور و محقق اور شاعر و نقاد ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی کی ہے۔ جس کا نام ہے: دو بیتی ہای محلی تجرہ۔ یہ کتاب مولانا نے کتابت کی۔ اور اپنی نگرانی میں شائع کرائی۔ صاحب کتاب نے لکھا:

''از آقای مولانا عبدالعزیز خوشنویس بسیار متشکرم کہ ہمہ گونہ زحمت خوشنویسی وچاپ آن را بر عہدہ گرفتند'' (ص:4)

ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی نے'' کتاب خانہ ہای پاکستان'' کے نام سے جو پہلی جلد مرتب کی، وہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان سے **1977**ء میں شائع ہوئی۔ اس کے صفحہ **320** پر مولانا عبدالعزیز کی خوشنویسی، ان کے علمی ذوق اور ان کے کتب خانے کا تذکرہ کیا ہے؛ اور مولانا کے کتب خانے کی نادر کتب کو موضوع بنایا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا عبدالعزیز مرحوم کے ہمراہ ان کے احباب کے کتب خانوں کی سیر کرانے پر ان کا خصوصی شکریہ بھی ادا کیا ہے۔ مولانا مرحوم واقعی صاحب علم، علم دوست، علم پرور، کتاب شناس اور اہل علم کے قدردان تھے۔

اللہ تعالیٰ مولانا کی مغفرت فرمائے۔ ان کے فرزند عبدالحفیظ صاحب کی عمر، علم اور صحت میں برکت عطا فرمائے۔ اور اپنے والد محترم کے کام کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆

Marfat.com

موحد ذیشان، مبلغ قرآن، عاشقِ رسول انامؐ

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

کچھ یادیں • کچھ تذکرے

خامہ اثر

جناب علامہ بشیر حسین ناظم
(عالم، ادیب، شاعر، محقق و ماہر لسانیات)

”وہ توحید کے متوالے تھے۔ اپنے مواعظ میں توحید کو اجاگر کرتے۔ توحید کو ملت اسلامیہ کا خصوصی امتیاز بلکہ طرۂ امتیاز سمجھتے۔ ان کے دل میں یہ بات ہمہ وقت اٹھکیلیاں لیتی رہتی کہ مسلمانوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے ایک طبقہ پیدا ہو، جو اہل دل اور اہل عمل سے ہو اور اس کے دل میں زبردست جذبۂ ایثار ہونا لازم ہے۔“

کچھ لوگ دنیا میں لوح قسمت پر ایسی روشن وتاباں اور دلکش و درخشاں نیکیاں تحریر کرا کے آتے ہیں، جو نہ صرف ان کے ابنائے جنس کے لیے مفید و مفیض ہوتی ہیں بلکہ ان کی ذات اور ان کی آل واولاد بھی اُن سے کماحقہ مستفید و مستفیض ہوتی ہے اور اپنی ایمانیات' اخلاقیات اور معاملات کی برکات سے زندہ جاوید ہو جاتے ہیں۔ میرے ممدوح حضرت علامہ محترم ومکرم مولانا عبدالعزیز انہی بزرگوں کا نشان باہرہ تھے۔

حضرت مولانا عبدلعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے میری ارادت کیشی کوئی ربع صدی سے ان کے سانحۂ ارتحال تک رہی۔ ارادت کیشی اور مودت کا یہ رشتہ ان کے عالم و فاضل' محقق و مدقق' نقاد اور خوش خلق وخوش گفتار اور خوش تحریر بیٹے محترم عبدالحفیظ، جو ایک تجربہ کار براڈ کاسٹر ہیں، کے توسل سے ہوا۔ مجھے محترم عبدالحفیظ سے ملاقات کے بعد، مولانا سے ملنے کا جذبہ اس قدر فراواں ہوا کہ میں انہیں ملنے کیلئے ان کے مکان پر

Marfat.com

بنفس نفیس حاضر ہوا۔ دیکھا، ایک نورانی ہیئت وصورت کا مالک انسان اپنے ہاتھ میں قلم پکڑے ہوئے کسی دینی کتاب کی کتابت میں مصروف ہے۔ میں نے جاتے ہی سلام مسنون پیش کیا۔ انہوں نے مجھے اپنی دعائے مشحون سے نوازا اور اس قدر خوش ہوئے کہ ان کے لبوں کا تبسم اور چہرے کی شگفتگی آج تک نہیں بھول رہی۔ میں نے دیکھا کہ ایک نہایت خوش پوش، خوش گفتار اور عمدہ کردار انسان تھے۔ جو ان سے ایک بار مل پاتا ان کی گفتگو کی چاشنی سے انہیں کا ہو کر رہ جاتا۔ زندگی کے بہت سے مسائل میں ان سے صلاح و مشورہ کرتا جو اپنی تصویب کے باعث نہایت ہی مفید ہوتا اور لوگوں کے مسائل حل ہو جاتے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ سے اپنی پہلی ملاقات میں جب ان کی دلکش خوش خطی اور خوش نگاری دیکھی تو میں نے انہیں کہا کہ حضرت علامہ احمد مصریؒ نے اپنی مشہور جہاں کتاب ''دقائق الاخبار'' میں لکھا ہے کہ میثاق کے روز رب قدیر جل وعلا نے تمام ارواح کو حضور اکرم ﷺ کے سراپا کی زیارت کرائی، جس نے آپ کی جبین مبارک پر نظر ڈالی وہ حافظ ہو گیا اور جس نے آپؐ کے دست اقدس کا نظارہ کیا وہ خوش نویس اور عمدہ طرز کا کاتب بن گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کا روئے انور اور دست مبارک دیکھنے کی سعادت سے نوازا ہے۔ میری بات سن کر ان کے چہرے پر راحت و فرحت کے گلہائے بہجت نواز کھل اٹھے۔ فرمانے لگے ناظم صاحب! یہ کتاب میں نے پڑھی ہے۔ مصنف نے اسے اس جذبہ محبت و مودت سے قلمبند کیا ہے کہ اسے داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ ہاں یہ کتاب آپ کے مذاق کے مطابق ہے۔ آپ اپنے اس فقرے میں اپنی بات نہایت ہی حسین طریقے سے کہہ گئے اور میرا دل بھی سرور وشاداں کر گئے۔ فرمانے لگے۔ شاہ ولی اللہؒ نے اس کا فارسی ترجمہ کیا ہوا ہے وہ بھی میں نے پڑھا ہوا ہے۔ مولانا کی اس بات نے مجھے تقویت دی کہ میں وہ فارسی ترجمہ لیکر اس کا اردو ترجمہ کر دوں تاکہ اس تصنیف لطیف کے مافیہات سے عشاق مصطفیٰ ؐ مستفید ہوں۔ چنانچہ میں نے یہ کتاب کہیں سے ڈھونڈ نکالی اور اس کا ترجمہ کر دیا۔ ترجمہ کرنے میں کچھ مشکل مقامات پیش آئے، مولانا نے میری کماحقہ راہنمائی فرمائی۔

کتابت و تصنیف وخطابت اور معلّمی مولانا کے بے بہا اوصاف تھے۔ اگر کوئی ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں دیکھے تو پتا چلتا ہے کہ خط نسخ و نستعلیق کے استاد تھے۔ ذوق تصنیف بھی عمدگی کی حد تک تھا۔ خطابت

Marfat.com

میں طرفگی تھی اور معلم ایسے تھے کہ جو کچھ متعلّم کو پڑھاتے، دل میں اتر جاتا۔ ان کے خطبات بالخصوص یوم عروبہ یعنی جمعۃ المبارک کا خطبہ ایسا پرتاثیر ہوتا کہ لوگوں کے عقائد کی تصحیح ہو جاتی۔

وہ توحید کے متوالے تھے۔ اپنے مواعظ میں توحید کو اجاگر کرتے۔ توحید کو ملت اسلامیہ کا خصوصی امتیاز بلکہ طرۂ امتیاز سمجھتے۔ ان کے دل میں یہ بات ہمہ وقت اٹھکیلیاں لیتی رہتی کہ مسلمانوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے ایک طبقہ پیدا ہو جو اہل دل اور اہل علم سے ہو اور اس کے دل میں زبردست جذبۂ ایثار ہونا لازم ہے۔

وہ کہا کرتے تھے کہ صحیح زندگی بسر کرنا وجد الٰہی میں داخل ہو کر زندہ رہنا ہے خواہ وہ اس دنیا میں ہو یا کسی اور عالم میں۔ خدا کی قربت سے دور رہ کر کوئی زندگی نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ کی قربت میں رہ کر ہی زندگی زندگی ہوتی ہے۔ روح انسانی ذات الٰہی سے بہرہ ور ہو سکتی ہے لیکن یہ عشق الٰہی ہی کی بدولت ہو سکتی ہے۔ وہ یہ بھی کہا کرتے کہ اسلام کا مقصد و مرام زندگی کسی ایک صورت میں جامد کرنا نہ تھا بلکہ اسے لامتناہی ارتقاء کا راستہ بنانا تھا۔

مولانا قرآن کریم کو دین کی ایک مکمل کتاب سمجھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ قرآن کریم ماہیت حیات اور نفس انسانی کی طرح اپنے اندر لامتناہی زندگی رکھتا ہے۔ انسانی زندگی کے مزید ارتقاء میں کوئی دور ایسا نہیں آسکتا جس میں قرآنی حقائق کا نیا انکشاف ترقی حیات میں انسان کی رہبری نہ فرما سکے۔ زندگی سے نو بہ نو صورتیں پیدا ہوتی ہیں لیکن قرآن کے اساسی حقائق کبھی دفتر پارینہ نہ بنیں گے۔

مولانا کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ایک زبردست موحد تھے اور توحید میں کسی قسم کے اشتراک کو گوارا نہیں کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمانوں میں جو وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی بحثیں چھڑیں وہ دینی بحثیں نہیں بلکہ فلسفیانہ مسائل و مباحث ہیں۔

قرآن کی عظمت اور تعلیمات کی زبردست تلقین فرماتے اور بعض اوقات علامہ اقبال کے درج ذیل اشعار پڑھ کر ان کا ترجمہ سامعین و حاضرین کے گوش گذار کرتے۔ یاد رہے میں نے علامہ محمد اقبالؒ کے یہی اشعار ان کی ذاتی ڈائری میں ان کے ہاتھ سے لکھے ہوئے بھی دیکھے۔

آں کتاب زندہ قرآن حکیم حکمت او لایزال است و قدیم
حرف اُو را ریب نے تبدیل نے معنی اش شرمندہ تاویل نے
گر تو می خواہی مسلماں زیستن نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

مولانا عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ شریعت اسلام کے بہت بڑے ناشر و مبلغ تھے۔ ان کے نزدیک اسلام ایک ایسا دین کامل ہے کہ جس کی تعلیمات میں انسان پر زندگی کی ماہیت کو واضح کر دیا گیا ہے۔ تمام احکام اسلام کا مقصود یہی ہے کہ انسان اپنے نفس کو پاکیزہ اور قوی بنائے اور جو طریق عمل اس کی وسعت اور قوت میں حارج ہوتے ہیں ان سے خود اجتناب کرے اور اجتناب کی تلقین کرے۔

شعر سے مولانا کو خاص لگن تھی۔ ہر اچھے شعر کو باعث فرحت سمجھتے اور ہر مبتذل شعر کو انقباض روح کا باعث سمجھتے۔ بعض شعراء کو جو مابعد الطبعیاتی زندگی کے حقائق کو اجاگر کرتے بہت پسند فرماتے۔ اکبر الہ آبادی کے بہت سے اشعار انہیں زبانی یاد تھے ایک دن انہوں نے مجھے نہایت ہی ذوق وشوق کے عالم میں ان کے یہ دو شعر سنائے جو واقعی مبدا و معاد کے مسئلے کی گرہ کشائی کرتے ہیں:

زندگی اور قیامت میں ریلیشن سمجھو
اس کو کالج تو اسے کانووکیشن سمجھو
تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
پہچان تیری ہے یہی پہچان گیا میں

مولانا عبدالعزیزؒ ایک ایسے عالم باعمل تھے جنہوں نے اپنے عمل سے اپنے خالق و مالک کی رضا حاصل کر لی ہوئی تھی اور اسوۂ رسول کو اپنا کر اپنے عفو و غفران کی راہ پیدا کر لی تھی۔ مجھ سے ان کے تعلقات برادرانہ اور مشفقانہ تھے۔ ایسے لوگ دنیا میں بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔

اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لیکر

Marfat.com

خطاط اور اس کا ترکہ

خامۂ اثر

جناب محمد اظہار الحق
(عالم، ادیب، شاعر، کالم نگار)

"مولانا مرحوم نے کوئی کوٹھی، کوئی جائیداد اور کوئی دنیاوی ترکہ نہیں چھوڑا۔ ہاں ایسے بے شمار لوگ ترکے میں ضرور چھوڑے ہیں۔ جن کو انہوں نے سالہا سال کسی دنیاوی منفعت کے بغیر قرآن کے مطالب و معانی سکھائے۔ وہ سب لوگ آج ان کے لئے دعا گو ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس ترکہ کی وجہ سے انہیں آخرت میں آسودگی نصیب ہوگی۔"

سال یاد نہیں، اس وقت سن کچا تھا۔ اتنا کچا کہ یادداشت ساتھ نہیں دے رہی۔ بس اتنا یاد ہے۔ کہ راولپنڈی کا کوہاٹی بازار تھا۔ یا اس کے قریب کوئی ایسی ہی جگہ۔ ایک چھوٹا سا خوبصورت کمرہ تھا۔ کتابوں کی الماریوں سے بھرا ہوا۔ فرش پر قالین پڑی ہوئی۔ جس میں میرے والد گرامی اور خطاطِ وقت مولانا عبدالعزیز مرحوم محو گفتگو تھے۔

پھر میں جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا، والدِ محترم اور مولانا مرحوم کی باہمی رفاقت کا اتنا عادی ہوتا گیا کہ یہ سب کچھ زندگی کا حصہ بن گیا۔ ایک وقت میں ہم ان کے محلے چاہ سلطان میں کرائے کے مکان میں رہتے بھی رہے۔ لیکن ہم خواہ پنڈی میں رہے یا اسلام آباد میں یا اس سے پہلے اپنے آبائی گاؤں یا پنڈی گھیب میں، مولانا مرحوم کا والدِ محترم کے ساتھ جو تعلق تھا اس پر جغرافیائی بُعد اثر انداز نہ ہو سکا۔

Marfat.com

والد محترم حضرت حافظ محمد ظہور الحق ظہورؔ کی تقریباً ساری تصانیف کی کتابت حضرت مولانا مرحوم نے کی۔ مصنف اور خطاط کا یہ رشتہ ایسا تھا کہ اس میں بھاؤ تاؤ کی کبھی نوبت نہ آئی۔ یہ بھاؤ کا نہیں بلکہ محبت کا سلسلہ تھا۔ حساب کتاب کاغذ سے بے نیاز تھا۔ اور ہمیشہ دل کی کیش بک پر درج ہوتا تھا۔ والد صاحب کی فارسی کی تصانیف کی کتابت ہوئی تو ایرانی سفارت خانے کے اصحاب قرطاس وقلم نے، جن سے اس زمانے میں والد محترم کا بہت گہرا تعلق تھا، مولانا کی فارسی خطاطی کو اس قدر پسند کیا کہ اس کے بعد مولانا کا زیادہ وقت فارسی کتابوں کی خطاطی ہی میں صرف ہونے لگا۔ فارسی نظم ونثر کی خطاطی انہوں نے اتنے ذوق، مہارت اور بلند معیار سے کی کہ اپنی چھوٹی سی بیٹھک میں بیٹھ کر سمرقند، بخارا، اصفہان اور شیراز کے بڑے بڑے خطاطوں کی یاد تازہ کر دی۔

پھر ایک وقت آیا کہ میں مولانا کی خدمت میں والدِ محترم کی معیت کے بغیر، از خود حاضر ہونے لگا۔ وہ بلا کے مہمان نواز تھے اور خدمت گزار۔ اپنی دختران نیک اختر انہیں بے حد عزیز تھیں۔ لیکن بیٹیاں بھی ہر وقت والد کے مہمانوں کی خاطر داری میں مصروف رہتی تھیں۔ شاید ہی کبھی ایسا ہوا کہ ہم ان کے ہاں سے کھانا کھائے بغیر یا پر تکلف چائے پیئے بغیر اٹھے ہوں۔

میرا پہلا شعری مجموعہ ''دیوار آب'' انہوں نے انتہائی شفقت اور محبت سے لکھا۔ اللہ نے کرم کیا اور ماں باپ کی دعاؤں سے پہلے مجموعہ ہی پر اس وقت کا وقیع ترین انعام ''آدم جی ادبی ایوارڈ'' مل گیا۔ مولانا نے سنا تو فرطِ مسرت سے گلے لگا لیا۔ اور دیر تک مبارک دیتے رہے۔ پھر دوسرے شعری مجموعہ ''غدر'' کی کتابت بھی اپنے ہاتھ سے کی۔

میری شادی پر والدِ محترم نے سہرا لکھا تو مولانا نے اس کی خطاطی تحفے میں مرحمت فرمائی۔ یہ آج بھی میری خواب گاہ کی زینت ہے۔ ان کے ساتھ تعلق تیسری نسل کے حوالے سے بھی قائم رہا۔ میں نے اپنے بیٹے کے لئے ایک نظم بعنوان ''اسرار کے لئے ایک نظم'' کہی تو مولانا مرحوم نے اس کی خطاطی بھی اپنے دستِ مبارک سے کی اور میرے اصرار کے باوجود کوئی مالی معاوضہ قبول نہ کیا۔ یہ نظم، آج میرے بیٹے کے کمرے کی زینت ہے۔ عزیزم محمد اسرار الحق کو جو اب اللہ کے فضل وکرم سے ڈاکٹر ہے، بچپن ہی سے

Marfat.com

خوشنویسی کا ذوق ہے اور اپنے شوق سے خطاطی کرتا رہتا ہے۔ میرے ذہن میں ہمیشہ یہ پروگرام رہا کہ میں کچھ عرصہ کے لئے عزیز کو حضرت مولانا کی شاگردی میں بٹھاؤں گا تا کہ اس کا یہ ذوق فن کے کمال تک پہنچ جائے، لیکن یہ پروگرام ذہن ہی میں رہا اور مولانا رخصت ہو گئے۔

مولانا مرحوم نے کوئی کوٹھی، کوئی جائیداد اور کوئی دنیاوی ترکہ نہیں چھوڑا۔ ہاں ایسے بے شمار لوگ ترکے میں ضرور چھوڑے ہیں جن کو انہوں نے سالہا سال کسی دنیاوی منفعت کے بغیر قرآن کے مطالب و معانی سکھائے۔ وہ سب لوگ آج ان کے لئے دعا گو ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس ترکہ کی وجہ سے انہیں آخرت میں آسودگی نصیب ہوگی۔ ان کے پڑھانے کا انداز جدید تھا۔ انہوں نے مسجد میں درسِ قرآن کیلئے بلیک بورڈ کا استعمال شروع کیا۔ اور اپنے شاگردوں کو نوٹ بکیں رکھنے کی ترغیب دی۔ انہوں نے بے شمار شائقین کو خوشنویسی کا فن بھی سکھایا۔

لیکن انہوں نے ایک اور ترکہ بھی چھوڑا ہے اور وہ ہے ان کا فرزندِ ارجمند عبدالحفیظ بن عبدالعزیز۔ ریڈیو پاکستان میں پروڈیوسر تو بے شمار ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ لیکن برادرِ عزیز جناب عبدالحفیظ اپنی ذات میں خود ایک ادارہ ہیں۔ انہوں نے اسلامی تاریخ پر بہت سنجیدہ اور ثقہ کام کیا ہے۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ بعض مسائل پر ان کی آراء سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کے خلوص، تحقیق کی گہرائیوں اور دلنشیں اندازِ تحریر کے سب معترف ہیں۔ وہ علم و ادب کے ضمن میں اپنے عظیم والد کے سچے جانشین ہیں خدا انہیں صحت و سلامتی سے نوازے اور ان کے اعمالِ صالحہ ان کے مرحوم والدین کے لئے صدقہ جاریہ بنتے رہیں۔ ☆

"اگر کسی علاقے کی مسجد کا امام و خطیب کسی سرمایہ دار یا سیاسی و سماجی اثر و رسوخ والے کی خوشامد کرے، اس کی کاسہ لیسی کرے۔ تو اُسے امامت و خطابت کا کوئی حق نہیں۔ وہ اللہ کے ہاں مجرم ہے۔"

(حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

Marfat.com

مَوت العالِم، مَوت العالَم

خامہ اوّل

جناب خورشید احمد ندیم
(معروف دانشور، کالم نگار)

"ان کا رویہ ایک جید عالم کا تھا کہ جو اپنی بات دلائل کے ساتھ بیان کر دیتا ہے۔ لیکن اختلاف رکھنے والوں کو کافر بنانے کی مہم پر نہیں نکل کھڑا ہوتا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ایسا معتدل مزاج آدمی، فروع کو اصول بنانے والے مناظرہ بازوں اور کافروں کو مسلمان بنانے کے بجائے مسلمانوں کو کافر قرار دینے والے کافرگروں کی تاخت کا نشانہ بنا۔ اور اسے ایسے فتنہ سازوں کے ہاتھوں کئی برس اذیت اٹھانا پڑی۔"

وقت کا سفر دائرے میں ہے یا خط مستقیم پر؟ زمان و مکان کے فلسفے میں، یہ سوال مدت سے زیر بحث ہے۔ تاریخ اگر اپنے آپ کو دہراتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت ایک دائرے میں محوِ سفر ہے اور اگر عمرِ رفتہ کبھی لوٹی نہیں تو پھر ماننا چاہئے کہ وقت ایک خاص سمت میں آگے بڑھ رہا ہے۔

میں جب اس سوال پر غور کرتا ہوں تو مجھے دونوں باتوں میں کوئی تفاوت دکھائی نہیں دیتا۔ ان معنوں میں کہ گزری ہوئی ساعت کبھی لوٹتی نہیں، ہم خط مستقیم پر چلتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ بچپن اور بڑھاپا، سفرِ حیات کے پہلے اور آخری پڑاؤ کے نام ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی جوانی سے بچپن کی طرف پلٹ گیا ہو۔ بایں ہمہ زندگی کا سفر اسی دائرے میں جاری ہے۔ یعنی بچپن، لڑکپن جوانی، ادھیڑپن اور پھر بڑھاپا۔ پہلے بھی ایسا ہوتا تھا۔ اب بھی ایسا ہوتا ہے۔ کبھی یوں نہیں ہوا کہ زندگی اس دائرے سے باہر نکل سکی ہو۔ اس

ت کو ہم یوں بھی بیان کرتے ہیں کہ ہر دور میں اچھے لوگ ہوتے ہیں اور بُرے بھی۔ انسان نے اچھائی اور
ائی کے بعض نتائج دیکھے ہیں۔ ہر دفعہ اچھائی کا ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے اور برائی بھی ماضی سے مربوط ہوتی
ہے۔ یوں ہم کہتے ہیں کہ یوں تاریخ اپنے آپ کو دُہراتی ہے۔

تاریخ کے اس پلٹ آنے کا ایک مظہر یہ ہے کہ ہم کتابوں میں بعض لوگوں کا تذکرہ پڑھتے ہیں۔ ان
کے محاسن کے بارے میں سنتے ہیں۔ ان کی عزیمت سے متاثر ہوتے ہیں۔ ان کی حرکات اور ثابت قدمی
کے قصے ہمارے سامنے بیان ہوتے ہیں۔ اور پھر ایک روز ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری صفوں میں سے ایک شخص
ھتا ہے اور وہ سنی سنائی داستانوں کو ہمارے لئے ایک واقعہ بنا دیتا ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے ساتھ
ی وہی کچھ ہوتا ہے جو ماضی میں اس جیسے لوگوں کے ساتھ ہوا تھا۔ ایسے موقعوں پر ہم ماضی اور حال کو یوں
ربوط کرتے ہیں کہ ''تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔''

مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہمارے عہد کے ایک ایسے ہی آدمی تھے کہ ان کے روپ میں، ہم نے
پنے اسلاف کو چلتے ہوئے دیکھا ہے۔ للّٰہیت، خدا ترسی، حق شناسی، حق پرستی، دنیاوی مفادات سے بے
بازی اور عزیمت کے راستے کا انتخاب۔ واقعہ یہ ہے کہ ایسی داستانیں اب قصہ پارینہ ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ
کی حکمت سے، ہر دور میں ان کی طرح کے چند لوگ پیدا نہ ہوں تو لوگ اپنے ماضی کو ایک موضوع روایت
رار دے دیں۔

مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو میں کئی سالوں سے جانتا ہوں۔ وہ لبادۂ قدیم میں ایک انتہائی جدید
آدمی تھے۔ اگر آپ ان کی وضع قطع دیکھیں تو آپ کو یہ گمان ہو کہ وہ روایتی دینی مدرسے سے فارغ التحصیل
کوئی سنجیدہ عالم ہیں، جسے جدید رجحانات سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں۔ اور اگر آپ ان سے ملیں، ان کے
ظریات کو جانیں اور ان کے عملی رویے کو دیکھیں تو آپ محو حیرت ہوں کہ آپ کسی جدید تعلیمی ادارے کے
سند یافتہ سکالر کو دیکھ، سن اور مل رہے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ خواتین کی تعلیم کے شدید حامی تھے۔ ان کے
زدیک یہ خواتین کا بنیادی حق ہے کہ وہ اسلامی احکامات کی پابندی کرتے ہوئے، اپنے ذوق سے جس
یدانِ علم کا انتخاب کرنا چاہیں، اس میں آگے بڑھیں۔ وہ اس خیال کے محض تصوراتی قائل نہیں تھے بلکہ

Marfat.com

انہوں نے خود اپنی صاحبزادیوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ وہ عبادات کے اس مروجہ تصور کے شدید ناقد تھے کہ ایک سرمایہ دار، اس بارے میں تو لاپرواہ ہو کہ اس کی تجوری میں رقم آتی کیسے ہے لیکن ہر سال حج اور عمرہ کرنے کے لئے بے تاب رہتا ہو۔ اس کے محلے اور پڑوس میں لوگ بھوکے سو جاتے ہوں، بیٹیاں غربت کے دامن میں جوانی گزار دیتی ہوں لیکن وہ ہر سال ہزاروں روپے تبلیغی دوروں اور نفلی عبادات پر خرچ کر ڈالتا ہو۔ وہ دعوت دین کو ذریعہ معاش بنانے کے سخت مخالف تھے اور اس نظریے کو انہوں نے اپنے وجود پر یوں نافذ کیا کہ نصف صدی تک لوگوں کو نماز پڑھائی، ان کو قرآن سمجھایا، ان کی دینی تربیت کی لیکن اس خدمت کا اجر اپنے پروردگار کے علاوہ کسی سے مانگنے پر کبھی آمادہ نہ ہوئے۔ گھر کا چولہا جلانے کے لئے انہوں نے کتابت کو روزگار بنایا اور تا دم مرگ یہی باوقار پیشہ ان کی روزی کا ذریعہ تھا۔

ان کے افکار میں بھی بڑی جدت تھی اور حق پرستی کی نایاب صفت کے باعث کسی ایک مسلک کا تنگ جامہ، ان کی قامت کے لئے کبھی موزوں نہیں ہوا۔ وہ اگرچہ علمائے دیوبند سے بحثیت مجموعی حسن ظن رکھتے تھے لیکن یہاں بھی ان کا مسلک شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کی طرح تھا، حیات النبیؐ کے مسئلے پر اگر بعض اکابر علمائے دیوبند کی رائے خلاف قرآن نظر آئی تو اس سے اظہار برأت کرتے وقت بھی انہیں دیر نہیں لگی۔ صحابہ کرامؓ کی محبت میں کچھ ایسے ڈوبے کہ قرآن مجید کی طرف سے اللہ کی رضا کی سند ملنے کے بعد، وہ کسی ایسی روایت کی نبی ﷺ کی طرف سے نسبت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے، جس سے صحابہؓ کی عفت و حرمت مجروح ہوتی ہو۔ اسی طرح عذاب قبر جیسے مسئلے پر بھی ان کی رائے، معروف تصور سے مختلف تھی۔ لیکن ان معاملات میں ان کا رویہ ایک جید عالم کا تھا کہ جو اپنی بات دلائل کے ساتھ بیان کر دیتا ہے، لیکن اختلاف رکھنے والوں کو کافر بنانے کی مہم پر نہیں نکل کھڑا ہوتا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ایسا معتدل مزاج آدمی، فروع کو اصول بنانے والے مناظرہ بازوں اور کافروں کو مسلمان بنانے کے بجائے مسلمانوں کو کافر قرار دینے والے کافر گروں کی تاخت کا نشانہ بنا اور اسے ایسے فتنہ سازوں کے ہاتھوں کئی برس اذیت اٹھانا پڑی۔ میں سوچتا ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ شاید اس سے مفر بھی نہیں تھا۔ جب گزرے لوگوں کے ساتھ یہ سب کچھ ہوا تو ان کے ساتھ کیسے نہ ہوتا۔ دیکھئے تاریخ یہاں بھی اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ جب ہر مسلک

کے لوگ جمع ہو کر ان پر حملہ آور ہوئے تو وہ اقبال کے الفاظ میں، مجھے یہی کہتے سنائی دیئے۔

یہ اتفاق مبارک ہو مومنوں کے لئے
کہ یک زباں ہیں فقیہان شہر میرے خلاف

میری ان سے پہلی ملاقات، کئی برس پہلے ہوئی، جب انہوں نے استاذ گرامی پروفیسر ابو مسعود حسن علویؒ کی تألیف ''تدریس لغت القرآن'' کی کتابت شروع کی۔ استاذ محترمؒ ہی، اس کے بعد بھی اکثر ملاقاتوں کا سبب بنے۔ میں نے دیکھا کہ وہ اہم تفسیری مقامات پر مولانا عبدالعزیزؒ سے مشورہ کرتے تھے۔ میرے طالب علمانہ تجسس کو دیکھتے ہوئے، وہ مجھے بھی شریک گفتگو کر لیتے اور یوں میں بیک وقت علم کی ''بحرین'' سے سیراب ہوتا۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ۔ (الرحمٰن۔۱۹)۔ امام امین احسن اصلاحی کے مکتب تفسیر سے خصوصی تعلق کے باعث، میں جب کوئی بات کہتا تو اکثر دونوں کو تائید کرتے پاتا۔ حق کے یہ سچے طالب دنیا سے اٹھ گئے۔ استاذی دنیا سے رخصت ہوئے اور ایک برس بعد مولانا عبدالعزیز بھی۔ میں جب اس بارے میں سوچتا ہوں تو اپنے شہر کی ویرانی کا احساس شدت کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ بات تو پریشان کر دیتی ہے کہ اپنے ذوق کی تسکین کا سامان اب کہاں تلاش کروں گا۔ پھر اس خیال سے ڈھارس بندھتی ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے کہ اس کی زمین صاحبان خیر سے خالی ہو جائے۔ یقیناً قیامت کی صبح تک، روشنی کے ایسے چراغ، اگرچہ چند ہی ہوں گے، لیکن بہر حالِ تیرگی سے لڑتے رہیں گے اور لوگوں کو راستہ دکھاتے رہیں گے۔ ☆

''اکابر پرستی کی چکاچوند نے توحیدِ خالص کے آبگینوں کو دھندلا دیا ہے۔ ان کے سامنے قرآن عظیم کی کوئی آیت پڑھی جائے تو وہ مقابلے میں بزرگوں کے فرامین سنانا شروع کر دیتے ہیں۔ خود ساختہ کرامات سے مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب کوئی دلیل و حجت ان سے بن نہ پڑے تو گمرہی و کفر کے فتوے ان کی نوک زبان و قلم سے جاری ہونے لگتے ہیں۔''

(حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

ایک علم دوست انسان

خامۂ اثر

الحاج محمد اسحاق قلبی (مرحوم)
(دانشور، محقق، مؤرخ اور مصنف کتب کثیرہ)

''حضرت مولانا بہت علم دوست انسان تھے۔ ان کے پاس کتابوں کا ایک نایاب ذخیرہ تھا۔ میں نے بڑی بڑی نایاب کتابیں ان کے پاس دیکھیں۔ ان کی دیکھا دیکھی بلکہ ان ہی کی تحریک پر میں نے بھی کتابیں اکٹھی کرنا شروع کیں،...... حضرت مولانا کے تتبع میں مَیں نے بھی تقریباً چار ہزار کتابوں کی اپنی ایک ذاتی لائبریری بنالی۔''

1965ء کی جنگ ایک یادگار جنگ تھی۔ مَیں اُس زمانے میں پسرور ضلع سیالکوٹ میں مقیم تھا۔ چونڈہ جہاں پر دنیا کی سب سے بڑی ٹینکوں کی بھارت کے ساتھ لڑائی ہوئی، ہمارے گھروں سے صرف چار میل کے فاصلے پر تھا۔

دن بھر توپوں کے گولے آتے جاتے رہتے تھے۔ ایسی صورت حال میں فوج بھی نہیں چاہتی تھی کہ ہم لوگ پسرور میں رہیں۔ چنانچہ ہم بادلِ ناخواستہ لائل پور (موجودہ فیصل آباد) عارضی طور پر چلے گئے۔

انہی دنوں میرے ایک بڑے بھائی سی ڈی اے میں ملازم تھے۔ انہوں نے مجھے ایک خط لکھا۔ کہ راولپنڈی میں کاروبار کے مواقع ہیں۔ تم نے اگر نقل مکانی ہی کرنی ہے تو راولپنڈی آجاؤ۔ چنانچہ اپنی جگہ سے اکھڑا ہوا تو تھا ہی۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ راولپنڈی چلا آیا۔ وہاں چوک چاہ سلطان میں ایک دکان کرایہ پر لی

Marfat.com

اور مدینہ سٹور کے نام سے کاروبار شروع کر دیا۔ کاروبار کیا تھا بیٹھنے کا ایک ذریعہ تھا۔ جنگ اخبار آتا تھا۔ مختلف موضوعات پر بحثیں شروع ہوگئیں۔ مثلاً۔ ''مولانا'' کہنا شرک ہے۔ کیا خدا آسمان پر ہی رہتا ہے؟ مراتبِ زن وشو۔ مرد بیچارے کے اعصاب پہ عورت ہے سوار۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ بحثیں ایسی چلیں کہ لوگ ہر روز سب سے پہلے اخبار میں یہی دیکھتے تھے کہ بحث کہاں تک پہنچی۔ اور یہ ''قلبی صاحب'' چوک چاہ سلطان راولپنڈی والے کون ہیں؟ اسی سلسلے میں حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب بھی ڈھونڈتے ڈھونڈتے تشریف لائے۔ ان کا خیال تھا کہ لمبی ڈاڑھی والا کوئی پُرانا بُڈھا ہوگا جو نوے برس کے رام کو کلمہ طیبہ سکھا رہا ہوگا۔ لیکن مجھے دیکھ کر انہیں بڑی مایوسی ہوئی۔ کہنے لگے۔ ''آپ قلبی صاحب ہیں؟'' میں نے کہا۔ ''جی ہاں''۔ کِھل کِھلا کر ہنس دیئے۔ کہنے لگے: ظالم۔ یہ کیا کر رہے ہو۔ تمام دنیا کو آفت میں ڈالا ہُوا ہے۔ یہ کیا لکھ رہے ہو۔ کوئی ایسے بھی لکھتا ہے۔ بے تحاشا۔ پھر حضرت مولانا میرے یار غار بن گئے۔

ایسی گاڑھی چھنی کہ من تو شدم۔ تو من شدی والا مسئلہ ہوگیا۔ دن میں کئی کئی بار دکان پر آتے اور مجھے کچھ نہ کچھ لکھتے ہوئے دیکھ کر مسکرا دیتے۔

حضرت مولانا بہت علم دوست انسان تھے، ان کے پاس کتابوں کا ایک نایاب ذخیرہ تھا۔ میں نے بڑی بڑی نایاب کتابیں ان کے پاس دیکھیں۔ ان کی دیکھا دیکھی بلکہ اُنہی کی تحریک پر میں نے بھی کتابیں اکٹھی کرنا شروع کیں۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ والوں کی تمام کتابیں، مکتبۂ دیوبند کی تمام کتابیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کتابوں کے بنڈلوں کے بنڈل مختلف اطراف سے آنے شروع ہوگئے۔ اور آن کی آن میں حضرت مولانا کے تتبع میں مَیں نے بھی تقریباً چار ہزار کتابوں کی اپنی ایک ذاتی لائبریری بنالی۔

حضرت مولانا خوب بلکہ بہت خوب انسان تھے۔ علم دوست اور عالم ایسے کہ بڑے عجیب وغریب نکتے اٹھاتے تھے اور حیران کر دیتے تھے۔ دن میں کئی کئی بار میرے پاس آتے اور گھنٹوں بیٹھے رہتے۔ بڑی پیاری اور مرنجاں مرنج شخصیت تھے۔ بڑے کھرے عالم اور خوش نویس کاتب۔ میں نے کہا: مولانا! سلطان ٹیپو پر ایک کتبہ لکھنا ہے۔ کہنے لگے لاؤ۔ ابھی لکھے دیتا ہوں۔

پھر ایسا خوبصورت لکھ کر لائے کہ وہی کتبہ آج بھی میرے مطالعہ کے کمرے کی زینت بنا ہوا ہے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

☆

Marfat.com

عجب آزاد مرد تھا

خامہ از

پروفیسر ڈاکٹر صابر آفاقی

ادیب، محقق، ماہر تعلیم، شاعر و آثاریات شناس

''مولانا نے اپنے اجتہاد اور قرآن فہمی سے جب بعض مروجہ عقائد و اعمال سے بہ دلائل اختلاف کیا تو اکثر تقلیدی لوگ ان سے خفا ہو گئے۔ لیکن آپ نے کوئی پرواہ نہ کی اور لوگوں کو صراط مستقیم اور منہج قویم کی طرف بلاتے رہے۔''

میں 1972ء میں ایران سے فارسی زبان و ادبیات میں ڈاکٹریٹ کر کے واپس پاکستان آیا تو اس سے پہلے مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کا قیام عمل میں آ چکا تھا۔ مرکز کے ڈائریکٹر ڈاکٹر علی اکبر جعفری مقرر ہوئے تھے، جو ایرانی بلوچستان سے تعلق رکھتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب فارسی، فرانسیسی، انگریزی، اردو، بلوچی کے علاوہ پہلوی زبان کے بھی ماہر تھے۔ میرے ساتھ خاص شفقت و محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے مرکز کی طرف سے مطبوعات کا سلسلہ شروع کیا تو سب سے پہلے دوسرے نمبر پر جو کتاب شائع ہوئی، وہ کشمیر کی شہرہ آفاق تاریخ ''راج ترنگنی'' کا فارسی ترجمہ تھا، جسے میں نے ایڈٹ کیا تھا۔

راج ترنگنی راولپنڈی کے معروف خطاط اور عالم دین جناب مولانا عبدالعزیزؒ کو کتابت کیلئے دی گئی تھی۔ ایک دن مرکز سے وابستہ ایرانی سکالر جناب ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی (رھا) مجھے مولانا کے پاس لے گئے تاکہ ان سے تعارف کروا دیا جائے۔ سال 1973ء تھا، تاریخ مجھے یاد نہیں رہی، وقت تھا چار بجے شام کا۔

Marfat.com

ہم چاہ سلطان کے محلّہ میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا نے بڑی محبت سے خوش آمدید کہا۔ ایک بڑے کمرے میں چاروں طرف کتابیں چنی تھیں۔ درمیان میں ایک میز اور میز پر خوشنویسی کے لوازم التحریر۔ مولانا کا حلیہ اور لباس مجھے یاد ہے۔ درمیانی قد' خوبصورت چہرہ جسے سیاہ ریش نے اور خوبصورت بنا دیا تھا۔ آنکھیں روشن' سفید قمیض شلوار میں ملبوس' سر پر کپڑے کی سفید ٹوپی' دانت چمکدار' گفتگو باوقار' آواز ملائم' نرم دم گفتگو گرم دم جستجو۔

یہ تھے راولپنڈی/اسلام آباد کے معروف خطاط اور......نوجوان اور لائق افتخار ادیب' محقق' مؤلف' آدھ درجن زبانوں کے ماہر' ریڈیو پاکستان کے طراز اول پروڈیوسر برادرم عبدالحفیظ کے والد محترم......اور میرے مشفق و مہربان ...... جناب مولانا عبدالعزیزؒ۔ مولانا سے میری وفاداری بشرط اُستواری رہی۔ 1973 سے لیکر مرحوم کے انتقال سے ایک سال قبل تک۔ میں دو تین ماہ کے بعد ضرور ہی اُن سے ملاقات کرنے کیلئے چاہ سلطان میں ان کے دولت کدہ پر جاتا۔ مجھے دکھ ہے کہ میں نے اس معمول میں ایک سال کا وقفہ کر دیا!

مولانا باغ و بہار انسان تھے۔ میں جب بھی حاضر ہوتا اور دروازہ کھٹکھٹاتا' آپ دروازہ کھولتے' مجھ پر نظر پڑتی تو چہرہ گلاب کی طرح کھل جاتا۔ دروازے سے باہر آکر بغل گیر ہوتے۔ عزیزوں کی طرح چھا مار کر ملتے۔ پھر کتاب خانے میں ساتھ لے جاتے۔ ادب سے بٹھاتے۔ احوال پرسی کرتے۔ تھوڑی دیر کے بعد کہتے۔ میں عبدالحفیظ کو بلاتا ہوں۔ حفیظ بھائی آتے۔ تو ہم احباب ثلاثہ مختلف موضوعات پر باتیں کرتے۔ میں اپنی تصانیف کا ذکر کرتا۔ مولانا زیر کتابت کتابوں کی تفصیل بتاتے۔ عبدالحفیظ اپنے تحقیقی کاموں کا حال بیان کرتے۔ چائے کا دور چلتا۔ ساتھ کئی طرح کے بسکٹ۔ کتاب خانے میں عربی' فارسی' انگریزی' اردو وغیرہ کی لاتعداد موضوعات پر کتابیں موجود تھیں۔

مولانا عبدالعزیزؒ کا بقولِ غالب' سو پشت سے نہیں تو سہ پشت سے پیشہ علم گستری رہا ہے۔ آپ کے والد مولانا فضل الٰہیؒ بھی عالم تھے۔ مولانا عبدالعزیزؒ عالم دین ہی نہ تھے فعال سماجی رہنما بھی تھے۔ رزقِ حلال کمانے کی اہمیت کو خوب جانتے تھے۔ زندگی بھر خطابت کرتے رہے مگر اس کے عوض ایک پائی قبول نہ

Marfat.com

کی۔ کتابت کر کے گزر اوقات کرتے۔ آپ نے چالیس سال کی مدت میں جو کتابیں کتابت کی ہیں ان کی تعداد سینکڑوں میں ہے د عربی، فارسی، اردو کے علاوہ گوجری، پنجابی وغیرہ زبانوں میں لکھی گئی کتابوں کی کتابت آپ نے فرمائی ہے۔ عام طور سے خطاط کسی ایک خط یا زبان میں ہی اپنا جوہر دکھاتے ہیں۔ مولانا کا معاملہ دوسرا تھا۔ وہ لکھتے تو زیادہ تر نستعلیق میں ہی تھے مگر ہر زبان کی کتاب کتابت کرتے تھے۔ اس طرح ان کو انفرادیت حاصل تھی۔

الحمدللہ کہ مجھ خاک مثال کی اب (2002ء) تک 37 کتابیں شائع ہو چکی ہیں، ان میں مولانا عبدالعزیزؒ نے جو تالیفات کتابت کی ہیں ان کے نام یہ ہیں:۔

1۔ راج ترنگنی، 2۔ جلوۂ کشمیر، 3۔ عکس کشمیر، 4۔ گلہای کشمیر، 5۔ در جستجو، سیارہ ای دیگر، 6۔ پھل کھیلی، 7۔ سانجھو کھلاڑ و، 8۔ پیغام انقلاب، 9۔ کثرت نظارہ، 10۔ تاریخ کشمیر، 11۔ اقبال اور آزادیٔ کشمیر۔

برادرم مخلص وجدانی کے اردو اور گوجری کلام کے دونوں مجموعے۔ صلیبوں کا شہر اور ریرا۔ نیز میرے بڑے بھائی جناب مولانا عبدالرحیم ندیم کی گوجری شاعری کا مجموعہ ''سدو بہار'' کی کتابت بھی مولانا عبدالعزیزؒ نے ہی فرمائی تھی۔

مولانا عبدالعزیزؒ کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ پنجاب، پوٹھوہار، سرحد اور آزاد کشمیر کے علاوہ ایران کے سکالرز بھی آپ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ آپ کا تعلق دیوبند مسلک سے تھا، لیکن آپ ہرگز متعصب و تنگ نظر عالم نہ تھے۔ آپ کے پاس سبھی مسالک و مذاہب کے حضرات آتے اور محبت کے پھولوں کا گلدستہ لے کر جاتے تھے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اکل حلال کی غرض سے محنت کرنے اور صلح کل کے اعتبار سے وسیع المشرب ہونے میں مولانا پیشہ ور مولویوں کے لئے ایک عمدہ نمونہ اور مثال تھے۔

مولانا اسلاف کی روش کے پابند ضرور تھے لیکن بعض اجتہادی مسائل میں ان کے مقلد نہ تھے۔ وہ بقول اقبال:

تراش از تیشۂ خود جادۂ خویش
براہِ دیگران رفتن عذاب است

Marfat.com

مولانا مرحوم اندھی تقلید کے قائل نہ تھے۔ پامال راہوں پر چلنا عذاب سمجھتے تھے۔ مولانا صاحبِ نظر تھے اور غالب کے الفاظ میں صاحب نظر آدمی ''دینِ بزرگان'' سے خوش نہیں ہوتا۔

ع ہر کس کہ شد صاحبِ نظر دین بزرگان خوش نہ کرد

مولانا نے اپنے اجتہاد اور قرآن فہمی سے جب بعض مروجہ عقائد و اعمال سے بہ دلائل اختلاف کیا تو اکثر تقلیدی لوگ ان سے خفا ہو گئے' لیکن آپ نے کوئی پرواہ نہ کی اور لوگوں کو صراط مستقیم اور منہج قویم کی طرف بلاتے رہے۔

دریغا۔ کہ شفقت و محبت کا یہ پیکر مٹی کی چادر اوڑھ کر سو گیا۔

حسرتا۔ کہ میرا شفیق دوست مجھ سے روٹھ گیا۔ واویلا۔ کہ علم و ہنر کے افق پر چمکنے والا یہ کوکب درخشاں ڈوب گیا۔

ایک عرب شاعر نے میری ترجمانی کرتے ہوئے کہا تھا:

ماکنت احسب قبل دفنک فی الثری
ان الکواکب فی التراب تغور!

مولانا کی جدائی کا داغ میرے دل میں گلاب بن کر مہکتا رہے گا۔

میں جب اپنے دوست اپنے عزیز' اپنے بھائی عبدالحفیظ کو دیکھوں گا تو مولانا کی روح آموجود ہوگی۔ پھر ہم تینوں میٹھی میٹھی باتیں کریں گے۔ علم کی باتیں۔ تاریخ کی باتیں۔ ادب کی باتیں۔ شاعری کی باتیں۔ روحانیت کی باتیں۔ انسانوں سے محبت کی باتیں۔

محبت ہم تینوں کی مثلث کو یکجان بنائے رکھے گی۔ ☆

''دین رسوم و قیود کا نام نہیں بلکہ یہ حقائق کا مجموعہ ہے۔ دین اختلافات کو جنم نہیں دیتا بلکہ ختم کرتا ہے۔ اسلام تفرقہ اور جماعت بندی کا درس نہیں دیتا بلکہ یہ سب کو ایک اُمّت اور گروہ بناتا ہے۔ ایک ہی انداز اور ایک ہی رخ عطا کرتا ہے۔''
(حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

Marfat.com

وجدان کی روشنائی

خامۂ اثر

جناب سید اختر امام رضوی

ادیب، شاعر، صحافی، کالم نگار، ماہر نشریات، ماہر لسانیات

''مولانا کا یہ تبصرہ، داد یا حوصلہ افزائی...... ایک ایسی روشنی بن گئی، جس نے زندگی بھر خالق حقیقی کے پسندیدہ دین کے راستے پر میری رہنمائی کی اور میرے لئے دین و دنیا کے سارے صراط منور ہوتے چلے گئے۔''

تذکرہ ہے سنہ ستر کی دہائی کے آغاز کا۔ مجھے جناب منو بھائی کی سفارش سے روزنامہ ''تعمیر'' راولپنڈی میں سب ایڈیٹر کی عارضی نوکری میسر آئی۔ ان دنوں میں ایم۔ اے ادبیات اردو کا طالبعلم تھا اور گارڈن کالج میں پڑھتا تھا۔ زندگی میں یوں بھی کبھی کسی کے سر پر سوار ہو کر بیٹھنے کا حوصلہ نہ ہوا تھا۔ اور کچھ یہ احساس کمتری بھی بہر حال موجود تھا کہ عسرت کا عالم ہے، ایک نیلے رنگ کے چسٹر میں، جو صادق نیازی مرحوم (نتھو دھوبی) نے مجھے مبلغ تیرہ روپے میں لنڈے سے لے کر دیا تھا، ملفوف سا ہو کر پچھلے بنچوں پر بیٹھا رہتا۔ ''تعمیر'' میں سو روپیہ تنخواہ تھی۔ صفحہ نمبر 4 کے لئے مراسلے لکھنے، چھوٹی موٹی خبر بنانے یا فکاہیہ مضامین لکھنے، اور ان دونوں چھپائی لیتھو میں ہوتی تھی، پیلے چاولی کاغذ پر نسواری رنگی سے کاتبوں کے لکھے کو پڑھنے اور انہی سے غلطیاں درست کروانے کا کام تھا۔ مجھے محترم منو بھائی کی کمال عنایت سے (جو ان دنوں اسی اخبار میں ''دید شنید'' کے بعنوان کالم لکھا کرتے تھے) چیف ایڈیٹر جناب بشیر الاسلام عثمانی کی میز کے بالکل بازو میں جگہ مل گئی۔

Marfat.com

ان کے بالکل سامنے متشرع ملائم سے چہروں والے دو کاتب تشریف فرما ہوتے تھے۔ ان میں بہت پُرکشش، معصوم پُرنور چہرہ جناب عبدالعزیز قدس سرہ العزیز کا تھا۔ جس نے پہلے ہی روز مجھے اپنے نہاں خانۂ دل کے قریب کھینچ لیا۔

یوں تو اس خالص کاروباری سے ادارے میں جناب انوار فیروز، جناب افضل منہاس، جناب نثار ناسک، جناب اشرف ہاشمی، جناب شاہد ہاشمی، جناب وحید عثمانی اور جناب رشید و جناب لطیف کاتبین بھی کام کرتے تھے، لیکن جناب عبدالعزیز کے انداز نرالے تھے۔ اُن کی نگاہوں میں بلا کی کشش تھی، منفرد، پُرتاثیر اور معصوم۔

موصوف بہت خاموش طبع لیکن طنز و مزاح کا اعلیٰ مذاق رکھتے تھے۔ مجھے ابھی تک یاد ہے، وہ اپنے متبسم سرخ ہونٹوں کے نیچے مٹھی بھر یا اس سے قدرے زیادہ ڈاڑھی پر بہت تواتر سے اپنے نازک اور سپید ہاتھ پھیرتے، جس کی وجہ سے ان کی ڈاڑھی میں ایک خوبصورت سالہریا پیدا ہو گیا تھا، جو انہیں بہت سجتا تھا۔

اکثر اوقات میری نظروں کے ساتھ، ایک آدھ معصوم سی بلی ان کے پاس ہمہ وقت تیرتی رہتی تھی۔ اور ہاں وہ چائے تک میں ہمارے ساتھ شریک رہتی تھی۔ ہزار ہا بے اعتدالیوں کے باوصف جناب عثمانی وقت کے بہت پابند تھے۔ صاف ستھرا لباس زیب تن کرتے۔ بالکل چھوٹی سی ناک پر بھاری بھرکم چشمہ کے ساتھ، عین نو بجے تشریف لاتے۔ بڑی نفاست سے ایک گتے پر محکمۂ اطلاعات عامہ کے بھجوائے ہوئے پرانے ہینڈ آؤٹ الٹے کر کے سجاتے اور جیب سے پارکر کا پین نکال کر اداریہ، سیرت و کردار، پھول اور کانٹے، نہ جانے کیا کیا بے تکان لکھتے چلے جاتے۔

مجھے یاد ہے ان کی پہلی سلپ پر صرف چند جملے ہوتے، جو وہ جناب عزیز کی جانب بڑھا دیتے۔ اور وہ بسم اللہ پڑھ کر کاغذ کو ایک مرتبہ پڑھتے اور کتابت کرنے لگتے۔ ایسے میں اتنی دبیز خاموشی ماحول کا محاصرہ کر لیتی کہ کبھی کبھار عزیز صاحب کی صریر نمایاں طمطراق سے ابھرتی اور ہم سب ان کی طرف دیکھنے لگتے...... ان کے لبوں پر ایک دل آویز مسکراہٹ مچل جاتی۔

''آج تو وزیر صنعت کو گردن سے جادبوچا ہے آپ نے۔'' وہ عثمانی صاحب کی طرف دیکھے بغیر

Marfat.com

اداریے پر تبصرہ کرتے۔

''ہاں حرام خوریوں بیان داغتے ہیں، جیسے ساری دنیا بہری، گونگی اور اندھی ہے۔ امریکہ نواز پالتو......''

عثمانی صاحب کا چہرہ سرخ ہو جاتا اور ان کا قلم تیز نشتر بن جاتا۔

اداریہ لکھنے کے بعد وہ اپنا قلم بڑی نفاست سے بند کر کے اندر کی کسی جیب سے لٹکاتے، ہاتھ جھاڑتے اور سگریٹ سلگا کر خاموش بٹ بٹ مولوی عزیز صاحب کے چہرے کو تکا کرتے۔

جس روز مولوی صاحب ان کے اداریے پر تبصرہ نہ کرتے۔ ان کا دل بیٹھ جاتا۔ اور اپنی خفت مٹانے کو کہتے:

''یار عزیز صاحب، آج مزہ نہیں آیا۔''

اور جب تک جواب میں وہ اس طرح کا کوئی جملہ نہ لڑھکاتے:

''نہیں تو، اچھا ہے''......یا

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں، موضوع بہت اچھا چنا ہے آپ نے''......یا......''اچھا اداریہ ہے، لیکن اچھے اداریے تو کبھی کبھار ہی لکھے جا سکتے ہیں۔''

عثمانی صاحب مطمئن نہ ہوتے۔

''ہاں اتنے پیسوں میں تو یہی ہوگا''......اور ہم سب ہنس دیتے۔

ایک بار تو یہاں تک کہہ دیا:

''مولانا میں سچ کہتا ہوں، آپ کا چہرہ میرا وجدان ہے۔ آپ اپنے چہرے کو بولنے دیا کریں نا۔''

کبھی کبھار یوں بھی ہوتا کہ عثمانی صاحب کا نشتر کھلا رہ جاتا۔

''مولانا، آج کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کیا لکھوں۔''

مولوی عزیز صاحب تھوڑی دیر کی قیامت خیز خاموشی کے بعد کہتے:

''کیا بولوں، اس غریب ملک میں تو اربوں روپے کا سامان آرائش بیگمات کے لئے......''

اور عثمانی صاحب کا نشتر معاشرے کے پکے ہوئے ناسوروں کی جراحت کرنے لگتا۔ اداریے کی

Marfat.com

آخری سلپ مولوی صاحب کو دے کر وہ اکثر پوچھ لیتے۔ ''مولانا! کیا دال دلیا ہو گیا؟''

وہ اثبات میں سر ہلاتے تو عثمانی صاحب مطمئن ہو کر اپنے کالم ''پھول اور کانٹے'' کے لئے پھولوں میں سے کانٹے اور کانٹوں میں سے پھول چُن چُن کر سلپوں پر ڈھیر کرنے لگتے۔ اداریئے کے بعد وہ فکاہیہ بہت عمدہ لکھتے تھے۔

مَیں ان کی آخری سلپ کا مُنتظر رہتا۔ کیونکہ وہ اس کے بعد چائے منگواتے تھے۔ اور کسی اہم، خاص طور سے اقتصادی مسئلے پر خوبصورت گفتگو کرتے تھے۔ میں اور مولانا ان کے سامعین ہوتے تھے۔

مجھے یہ بھی یاد ہے کہ عثمانی صاحب کا فکری جھکاؤ اشتراکیت کی جانب تھا، اور اس معاملے میں وہ خاصے بے لحاظ اور انتہا پسند بھی تھے۔ مگر حرام جو انہوں نے کبھی ایک لفظ بھی مذہب کے خلاف کہا ہو۔

گویا مولانا کے ''خوف'' سے وہ جتنی دیر دفتر میں رہتے تھے، گفتگو کی حد تک ہی سہی، لیکن پکے مسلمان رہتے تھے۔ میں اور میرے رفیق کار وحید عثمانی اپنی محفلوں میں اس بات کا کثرت سے تذکرہ کیا کرتے تھے۔ بلکہ ایک دن تو یوں ہوا کہ عثمانی صاحب نے روس کی مداحی میں کچھ زیادہ ہی لکھ دیا۔ تو مولانا نے اس پر خفیف سا احتجاج کیا۔ بس پھر کیا تھا...... دفتر میں بھونچال آ گیا۔

''میں کیا کروں جی مولوی صاحب، وہ برلے اور ٹاٹے معصوم شہریوں کو بے دریغ قتل کرواتے ہیں۔ بموں سے چیتھڑے اڑا دیتے ہیں بے گناہوں کے۔ نوٹ کھا کر نہیں، لے کر نہیں صرف دیکھ کر، گماشتوں کی ہر ہر بھونڈی حرکت، بے انصافی، ظلم، بربریت کی داد دیتے ہیں۔ مایا کی جھلک دیکھ کر ہی پاگل کتوں کی طرح ناداروں کی عزتوں پر پل پڑتے ہیں۔'' عثمانی صاحب کے منہ سے جھاگ اڑنے لگی۔ لوگ باگ اپنے کام کاج چھوڑ کر کمرے میں جمع ہو گئے۔

مولوی عزیز صاحب ان کی اس کیفیت کو اپنے مسکراتے ہوئے ہونٹوں سے مہمیز کرتے گئے اور ان کی سانسوں کے ایک وقفے میں صرف اسی قدر کہا:

''اللہ کا دین تو کسی ظلم کی حمایت نہیں کرتا، آپ اور ہم کرتے ہیں۔ کرتے ہیں نا؟............''

اس پر سناٹا چھا گیا۔

Marfat.com

مولوی صاحب نے اپنا قلم روشنائی میں ڈبویا۔ اور جیسے عثمانی صاحب سمیت ہم سب کے قرطاس دل پر لکھا،

''آپ پوری سورۃ فاتحہ پڑھیں، صرف بسم اللہ پر غور کیا کریں۔ وہ رحمٰن شاید اسی لئے ہے کہ ہم والضالین ہیں۔''

عثمانی صاحب نے اپنے گریبان کی طرف سر کو جھکا لیا۔ اور اپنے کرخت چہرے پر ملائمت بن کے پھیلنے لگے۔ مجمع چھٹ گیا۔

مولوی صاحب دوپہر کا کھانا گھر سے لاتے تھے۔ عثمانی صاحب کا ٹفن کیریئر بھی ان کا بیٹا شاہد یا کوئی اور بڑی باقاعدگی سے دے کر جاتا۔ کھانے کے وقفے میں یہ سارا سامان عثمانی صاحب اور میری میزوں پر پھیل جاتا۔ میں اور وحید عثمانی قریب کے ایک چھپر ہوٹل سے 25 روپے ماہوار میں کھانا کھاتے تھے۔ اور کھانے کے وقفے میں اپنی میز کے کاغذ سمیٹ کر کھسک جاتے تھے۔

اچانک یوں ہوا کہ مولوی عزیز صاحب گھر سے زیادہ کھانا لانے لگے اور مجھے چھپر ہوٹل جانے سے روک دیا۔

''دوپہر کا کھانا آپ ہمارے ساتھ کھایا کریں گے۔'' حکم تھا۔

''میں وحید عثمانی کے ساتھ......

''ان سے بھی کہہ دیں۔''

تاویل ادھوری رہ گئی۔ چنانچہ مَیں اور وحید عثمانی .... اس شریک خورد و نوش بلی سے کہیں زیادہ اعتماد کے ساتھ اس ''بڑے کھانے'' میں شریک ہو گئے۔ اور یہ سلسلہ ''تعمیر'' میں میرے قیام تک یعنی پورا ایک سال جاری رہا۔

ظہرین کی نمازوں کے اوقات میں اکثر کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ کوئی بھی کام نہ ہو سکتا تھا۔ مولانا اس اعتماد، یقین اور احساس فرض کے ساتھ ہر اذان پر لبیک کہتے تھے۔ کہ جیسے بے نماز بھی، نماز کے اوقات سے پہلے ہی کمرہ چھوڑ دیتے .... اور ....

Marfat.com

ایک دن واقعی، ایک گونج سی سماعتوں کے راستے سے دل میں اتر گئی۔

''سگریٹ پینے کے مقابلے میں نماز، جو اصل میں اللہ کی بے حساب نعمتوں پر اظہارِ تشکر ہے، ہماری توجہ کی مستحق ہونی چاہئے۔ کیا خیال ہے؟''

اور جواب میں کم از کم مَیں نے تو اپنے بے ہنگم بکھرے ہوئے سوکھے بالوں پر رومال باندھنا شروع کر دیا، اور...... جیسے وہ اب بھی کہہ رہے ہوں۔ ''کتنے اچھے لگتے ہیں آپ۔''

مولانا کا یہ تبصرہ، داد یا حوصلہ افزائی...... ایک ایسی روشنی بن گئی، جس نے زندگی بھر خالق حقیقی کے پسندیدہ دین کے راستے پر میری رہنمائی کی اور میرے لئے دین و دنیا کے سارے صراط منور ہوتے چلے گئے۔ یہ سطور لکھتے ہوئے، مولانا! آپ کی روح اور وجدان، دونوں کا شکریہ ادا کرنے کو جی چاہتا ہے ⊙

روز نامہ ''تعمیر'' راولپنڈی، جب اپنے عروج پر تھا، تو وہاں ایک بہت اچھے خطاط محترم سید محمد شاہ مشہدی، حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اچھے دوستوں میں سے تھے۔ موصوف نے 27۔ فروری 1967ء کو آج سے پورے 36 برس پہلے، کمال محبت سے، تین رنگوں میں، حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی کتابت کر کے، حضرت مولانا مرحوم کو تحفۂ پیش کیا۔ اس یادگار تحفے کا عکس۔

Marfat.com

عزیز خاطر، مولانا عبدالعزیزؒ

خامہ اثر
پروفیسر ڈاکٹر سید عارف نوشاہی
پی۔ایچ۔ڈی (طہران)
(ماہر تعلیم، دانشور، مصنف کتب کثیرہ)

''مولانا مرحوم نے برصغیر کے اسلوب کی کتابت سیکھی تھی۔لیکن جب ایرانیوں کی فارسی کتابیں کتابت کرنے لگے تو ان کی طرف سے تقاضا ہوا کہ نستعلیق ایرانی انداز کا ہونا چاہئے؛ مولانا مرحوم نے اس پر بہت محنت کی اور اپنا خط بدلا اور ایرانیوں کو ان کی منشا کے مطابق کتابیں لکھ کر دیں۔ میں کوئی خط شناس تو نہیں ہوں لیکن کہہ سکتا ہوں کہ ان کی کتابوں کی کتابت میں ایرانی انداز نستعلیق کی جھلک موجود ہے۔''

میں 1974ء میں مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان سے وابستہ ہو چکا تھا، ان دنوں اس کا دفتر میورو ڈ، راولپنڈی پر واقع تھا، جسے اب راشد منہاس روڈ کہتے ہیں۔ پنجاب ہاؤس سے متصل مرکز میں محققین، ادیبوں، شاعروں، ہنرمندوں اور خطاطوں کا آنا جانا رہتا تھا اور روزانہ ہی کسی نامور آدمی کو دیکھنے کا موقع ملتا۔ وہیں مولانا عبدالعزیز مرحوم و مغفور سے پہلی ملاقات ہوئی۔ وہ مرکز کی طرف سے شائع ہونے والی فارسی کتابوں کی کتابت کرتے تھے۔ اور کتابت شدہ کام لاکر ادارے کو دیتے تھے۔ مولانا مرحوم چاہ سلطان میں رہتے تھے اور وہاں سے بائیسکل چلا کر یہاں تک آتے تھے۔ ایک بیگ میں سے کتابت شدہ اوراق اور مسودہ نکالتے اور محمد حسین تسبیحی صاحب کے حوالے کرتے ان دنوں وہ غالباً رسالہء قدسیہ (خواجہ

Marfat.com

محمد پارسا، بہ تصحیح پروفیسر محمد اقبال ملک) کی کتابت کر رہے تھے۔ مرکز کے اس ماحول نے اور اہل علم و ہنر کو دیکھنے سے مجھ نوعمر اور نومشق میں بھی لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ مرکز میں اپنے ہم عمر رفیق کار محمد نذیر رانجھا صاحب کے ساتھ مل کر ہم نے اپنے مضامین اور شاعری کا پہلا مجموعہ ''نئے چراغ'' تیار کیا اور کتابت کے لئے مولانا مرحوم کے پاس لے گئے۔ انہوں نے بے حد شفقت اور ایک گونہ حوصلہ افزائی سے کام لیا۔ اس کتابچے کی اشاعت کے بعد مزید کام کرنے کا حوصلہ اور لگن بڑھی۔ میں نے ایک فارسی کتاب ''احوال و آثار مولانا عبدالرحمان جامیؒ'' مؤلفہ علی اصغر حکمت کے اردو ترجمے اور تکمیل کی ٹھانی۔ مولانا صاحب نے اس کی کتابت کی۔ میری رہائش ان دنوں محلّہ صادق آباد میں تھی۔ یہ محلّہ تقریباً چاہ سلطان کے متوازی مشرق میں واقع ہے۔ درمیان میں آفندی کالونی اور ایک قبرستان اور جنرل ہسپتال کے پچھواڑے کی سنسان جگہ پڑتی تھی۔ میں وہاں سے پا پیادہ نکلتا اور مولانا مرحوم کے ہاں پہنچ جاتا۔ چونکہ کتاب ضخیم تھی۔ اس لئے ایک طویل مدت تک مسلسل مولانا صاحب سے ملاقاتیں رہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور کتاب ''ایران اور مصر میں کتب سوزی'' مؤلفہ مرتضیٰ مطہری کا فارسی سے اردو ترجمہ کیا تو اس کی کتابت کے لئے بھی مولانا مرحوم ہی سے رجوع کیا۔

مولانا مرحوم سے بے شک ابتدا میں محض ایک آجر اور اجیر کی حیثیت سے رابطہ ہوا تھا لیکن کام کے دوران یہ حیثیت دب گئی اور حضرت مولانا کا عمدہ اخلاق اور عالمانہ انداز اس پر غالب رہا۔ میں کوئی آدھے گھنٹے کی پیدل مسافت طے کر کے صادق آباد سے چاہ سلطان تک ان کے ہاں پہنچتا تھا۔ موسم کی مناسبت سے وہ پہلے ٹھنڈے یا گرم مشروب سے تواضع کرتے اور بعد میں کام کا پوچھتے۔ ان کے ہاں جو چائے پینے کو ملتی میں اس کی لذت آج بھی کام و دہن میں محسوس کرتا ہوں۔ چائے معطر ہوتی اور اس کے اوپر تھوڑی سی بالائی ہوتی۔ میں نے ایسی چائے ان کے علاوہ اور کہیں نہیں پی۔ اس کے بعد کام کی نوبت آتی۔ کتابت کے دوران کاتب اور کام کروانے والے کے درمیان سب سے سخت اور حساس مرحلہ غلطیاں لگوانے کا آتا ہے۔ اگر مصنف نے خود کتابت شدہ اوراق پڑھے ہوں اور غلطیاں لگائی ہوں تو ناممکن ہے کہ اس نے کچھ تبدیلیاں نہ کی ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف کتاب کی بہتری کی تدبیر کرتا رہتا ہے اور کسی لفظ کو آگے

Marfat.com

پیچھے کر دینے یا اس میں نیا مواد ڈال دینے سے یہ مقصد حاصل ہوتا ہے۔ خراب کمپوزنگ میں عبارتوں اور لفظوں کا ادل بدل اور حذف و اضافہ قطعاً کوئی مشکل کام نہیں رہا لیکن کتابت میں یہ کام بہت حوصلہ آزما اور وقت لینے والا ہے۔ اور اگر مصنف نے اپنے پہلے مسودے سے ہٹ کر اس میں تبدیلیاں کی ہوں تو کاتب پر یہ بہت بار خاطر ہوتا ہے، لیکن مولانا مرحوم میری اس قسم کی تبدیلیوں کو بڑے حوصلے اور خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کر لیتے اور میری مرضی کے مطابق ڈھال دیتے۔ مولانا صاحب چونکہ خود عالم تھے اور ہم نومشق، اس لئے کبھی کبھار علمی مشورہ بھی عطا فرماتے اور اس سے تحریر میں بہتری کی صورت نکل آتی۔

مولانا مرحوم ایک متشرع اور صحیح العقیدہ حنفی مسلمان تھے، مسلکاً دیوبندی تھے۔ ان کے ہاں ہر مسلک اور مذہب کے لوگ کتابت کے لئے آتے تھے۔ انہوں نے کبھی مسلک کو آڑے آنے نہ دیا اور کام سے انکار نہ کیا۔ مولانا مرحوم نے ایسی بے شمار کتابیں کتابت کیں کہ جن میں عقائد کا کوئی رنگ نہ تھا بلکہ خالصتاً ادبی کلام تھا۔ یہ بھی مولانا کے وسعت مشرب اور وسعت اخلاص کا نمونہ ہے۔

عام طور پر کاتب حضرات، مصنف سے مسوّدہ اور پیشگی رقم لے کر تھوڑا سا کام کرتے ہیں۔ پھر کسی اور سے کام پکڑتے ہیں اور کچھ عرصہ بعد غائب ہو جاتے ہیں بلکہ مسودہ بھی غائب کر دیتے ہیں۔ مولانا مرحوم کے ساتھ ہمارا ایسا معاملہ نہ تھا۔ اجرت کے معاملے میں انہوں نے کبھی مجھے دباؤ میں نہیں رکھا اور سہولت کے مطابق مجھے رقم ادا کرنے کی مہلت ملتی رہتی تھی۔ جب میں ۱۹۸۲ء میں کچھ عرصہ کے لئے کراچی میں تھا تو وہاں سے بذریعہ ڈاک مولانا مرحوم سے کچھ چیزیں کتابت کروائیں لیکن معاوضے کے معاملے میں انہوں نے کوئی جلدی اور پریشانی نہیں دکھائی کہ یہ کب اور کیسے ادا ہوگا۔

کتابت کے اخلاق کی یہ چیزیں اب قصۂ پارینہ بنتی جا رہی ہیں۔ کمپیوٹر نے انسان کی جگہ لے لی ہے۔ اور ظاہر ہے مشین میں اخلاق نہیں ڈالا جا سکتا بلکہ الٹا کمپیوٹر آپ کو کسی الٹی سیدھی حرکت پر ڈانٹ پلا دیتا ہے۔ کتابت کے دور میں آپ کسی اچھے کاتب کے پاس بیٹھ کر بہت سا اخلاق سیکھ سکتے تھے۔ اس لئے کہ کتابت اور خوشنویسی ہماری تہذیب کی نجابت کی علامتیں تھیں۔

مولانا مرحوم نے برصغیر کے اسلوب کی کتابت سیکھی تھی لیکن جب ایرانیوں کی فارسی کتابیں کتابت کرنے لگے تو ان کی طرف سے تقاضا ہوا کہ نستعلیق ایرانی انداز کا ہونا چاہئے، مولانا مرحوم نے اس پر بہت

محنت کی اور اپنا خط بدلا اور ایرانیوں کو ان کے منشا کے مطابق کتابیں لکھ کر دیں۔ میں کوئی خط شناس تو نہیں ہوں لیکن کہہ سکتا ہوں کہ ان کتابوں کی کتابت میں ایرانی اندازِ نستعلیق کی جھلک موجود ہے۔ بعد میں جب مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان نے کتابت چھوڑ کر اپنی کتابیں ٹائپ میں کمپوز کروانا شروع کیں، تب بھی مرکز کی کتابوں کے سرورق مولانا مرحوم ہی ایرانی طرز نستعلیق میں لکھتے رہے۔ جیسا کہ فہرست مشترک نسخہ ہائے خطی فارسی پاکستان از احمد منزدی کا سرورق اور موضوعات کے سرنامے۔

میرے ۱۹۸۹ء میں ایران چلے جانے سے پہلے تک مولانا مرحوم سے برابر ملنا جلنا رہا۔ لیکن اس کے بعد کوئی ملاقات نہ ہوسکی۔ میں ۱۹۹۵ء کے اوائل تک ایران میں رہا۔ اس کی ایک اور وجہ میرا محلّہ صادق آباد کی سکونت ترک کر کے ایک دور افتادہ جگہ ہمک میں سکونت پذیر ہونے کے علاوہ کمپیوٹر کمپوزنگ کا ہاتھ سے کتابت کو بے دخل کر دینا بھی تھا۔ میں نے مولانا مرحوم کو آخری بار ۱۹۹۹ء یا ۲۰۰۰ء میں ایک دن بوہڑ بازار راولپنڈی میں گزرتے ہوئے دیکھا۔ وہ غالباً اردو بازار سے آرہے تھے۔ میں اردو بازار کی طرف جا رہا تھا۔ اتنے سالوں کے بعد میری نظر ان پر پڑی، تو نظر اور ذہن کی یکجائی میں جو چند ثانیوں کی مدت درکار ہوتی ہے، اسی مدت میں مَیں نے انہیں پہچان تو لیا لیکن وہ اس پلک جھپکنے کی مدت میں تھوڑا آگے جا چکے تھے۔ ادب مانع رہا کہ میں بھرے بازار میں انہیں پیچھے سے بلند آواز میں پکار کر مخاطب کرتا۔ اور یہ دیدار آخری دیدار ثابت ہوا۔

مولانا مرحوم کے اکلوتے فرزند دل بند جناب عبدالحفیظ ہمارے ہم عمر ہیں اور ان سے انہی ایام سے تعلق خاطر ہے، جب سے مولانا مرحوم کے ہاں جایا کرتا تھا۔ میری مترجمہ کتاب ''جامی'' کی تزئین و آرائش میں ان کا ہاتھ رہا ہے۔ ان میں بھی اپنے والد مرحوم کا اخلاق حسنہ موجود ہے، ہر چند انہوں نے کتابت کو نہیں اپنایا لیکن ہمارا ان سے تعلق خاطر اسی اچھے اور نیک برتاؤ کی وجہ سے ہے جو انہیں مولانا عبدالعزیز مرحوم سے ورثے میں ملا ہے۔ خدا تعالیٰ مولانا مرحوم کے مقاماتِ اخروی بلند کرے اور دوست ارجمند عبدالحفیظ صاحب کو ان کا نیک نام روشن رکھنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

چراغِ علم وفن

خامہ اثر

ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا
(عالم، محقق، ادیب، شاعر، خطیب)

''معاصر خوشنویسوں میں انہیں ممتاز حیثیت حاصل تھی۔ اہل فن اور ملکی و غیر ملکی دانشوروں میں ان کی بہت زیادہ عزت وشہرت تھی۔ کتابت کی عمدگی اور نفاست قائم رکھنا انہیں بہت مرغوب تھا۔ حتیٰ کہ کاپی پیسٹنگ اور اغلاط کی تصحیح کے دوران بھی اسی پسندیدہ اسلوب وانداز کو اختیار فرماتے تھے۔ ان کی کتابت کی ایک اور اہم ونمایاں خوبی یہ تھی کہ وہ خود عالم وفاضل تھے۔ لہٰذا مسودے کی کتابت میں اغلاط نہ ہونے کے برابر ہوا کرتی تھیں۔''

اس جہان فانی میں جب سے آئے ہیں، یہاں سے کوچ کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ اپنے پرائے سبھی ایک ہی سمت رواں دواں ہیں۔ بچھڑنے والے کبھی یہاں دوبارہ مل نہیں پاتے اور یہ غم بھولے بھلایا نہیں جاسکتا۔ قلب حزیں کو اس صورت میں قرار آتا ہے نہ چین۔ ایک حادثہ جانکاہ کا درد والم ختم نہیں ہو پاتا کہ دوسرا رونما ہو جاتا ہے۔ الحذر، الامان۔

اس مادی اور مال وزر کی دنیا میں محبت وعقیدت، دوستی ووفا اور تعلق ورشتہ کے سارے رشتے کمزور سے کمزور تر ہوتے جاتے ہیں۔ مہربان دوستوں اور عزیزوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے اور مرگ ناگہانی کا دور دورہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ: ''کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ

ذُوالجَلالِ وَالاِکرَامِ"۔

14۔جنوری 2002ءکواچانک یہ اندوہناک خبر ملی کہ مولانا عبدالعزیز صاحب اوران کی زوجہ محترمہ قضائے الٰہی سے رحلت فرما گئے ہیں اوران کی تجہیز و تکفین بھی ہو چکی ہے۔ یہ سن کر آں محترم کی شفقت اور احسانات کے مقابلے میں اپنی اس غفلت اور بے خبری پر گردن ندامت سے جھک گئی۔دل سے بے اختیار دعا نکلی کہ اللہ کریم مرحومین کو اپنے جوار رحمت میں جگہ ارزانی فرمائے۔ دوسرے روز مولانا صاحب کے گھر پہنچ کران کے صاحبزادے جناب عبدالحفیظ سے تعزیت کی اور دعا کے بعد جب مولانا صاحب اوران کی زوجہ محترمہ کے سفر آخرت کی روداد سنی تو دل پارہ پارہ ہو گیا۔

احقر یکم جنوری 1973ءکومرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان میں ملازم ہوا۔ جہاں اہل علم و دانش اور دوسرے فنون کے متعلقین سے ملاقات کے مواقع ملنے لگے۔ان دنوں مرکز اپنے اشاعتی پروگرام کی ترویج وترقی کے لیے سرگرم عمل تھا۔مسودات کی کتابت کرائی جاتی تھی اور یہ سارا کام مولانا عبدالعزیز صاحب ہی انجام دیا کرتے تھے۔مولانا صاحب سے پہلی ملاقات کا شرف مرکز کی لائبریری کتابخانہ گنج بخش میں حاصل ہوا۔ جناب ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی نے اپنے مخصوص انداز میں ان سے متعارف کرایا۔انہوں نے ایک ہی سانس میں مولانا صاحب کے فن خوشنویسی اور کردار واخلاق کی بیسیوں خوبیاں اور اوصاف بیان کر دیئے۔ ہفتے عشرے کے بعد مولانا صاحب تشریف لاتے تھے اور مرکز کا سارا عملہ ان کے عمدہ اخلاق کا گرویدہ تھا۔

1974ءمیں احقر کو اپنے مسودات کی کتابت کے سلسلے میں مولانا صاحب کے گھر جانے کا موقع ملا اور بعدازاں یہ سلسلہ ان کی رحلت سے کچھ عرصہ قبل تک جاری رہا۔مولانا صاحب انتہائی متواضع ،ملنسار،خوش گفتار، وسیع القلب، علم دوست شخصیت تھے۔وہ مجاہدانہ فکروذہن رکھتے تھے۔اہل محلّہ، دوست احباب اور دینی حلقوں میں اپنے حسن اخلاق اور دینی اقدار کی بدولت قابل احترام تھے۔

مولانا صاحب ان لوگوں میں سے تھے جو رزق حلال کمانے اور پاکیزہ وطیب کھانے کے دھنی ہوتے ہیں۔ وہ انتہائی محنتی، خوددار اور متوکل قسم کے آدمی تھے۔شہرت، نام ونمود اور ریاکاری سے کوسوں

Marfat.com

دور تھے۔ خدمت دین میں ان کی شخصیت قابل رشک تھی۔ انہوں نے شروع سے تادم آخر امامت وخطابت کا کوئی معاوضہ یا مشاہرہ نہیں لیا۔ خوشنویسی کو ذریعۂ معاش بنایا اور آخر دم تک اسی سے رزق حلال کماتے رہے۔ وہ خود عالم وفاضل تھے۔ لہٰذا علما وفضلا کے بہت زیادہ قدر دان تھے۔ ان کا جذبۂ خدمتِ علما وفضلا دیدنی تھا۔

انہوں نے اپنی ذاتی لائبریری قائم کی، جس میں سینکڑوں نوادرات اور گرانقدر و نایاب مطبوعات کا ذخیرہ محفوظ کیا۔ کتابوں سے انھیں اسقدر محبت تھی کہ کہا کرتے تھے: ''اچھے لباس اور عمدہ کھانے کو چھوڑ سکتا ہوں لیکن اچھی کتاب کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا''۔

انہوں نے کتابت وخوشنویسی میں خوب نام کمایا۔ بیشمار مسودات کی کتابت فرمائی۔ صرف مرکز کے لئے ہزاروں صفحات کتابت کیے۔ جن میں ان کی خطاطی کے جوہر نمایاں ہیں۔ خالص ایرانی نستعلیق کو پاکستان میں متعارف کرانے میں ان کو اولیت حاصل ہے۔ زعمائے مرکز میں جناب ڈاکٹر علی اکبر جعفری، جناب ڈاکٹر سید مہدی غروی، جناب ڈاکٹر اکبر ثبوت اور جناب ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی ان کی کتابت وخوشنویسی کے بڑے معترف تھے۔ معاصر خوشنویسوں میں انہیں ممتاز حیثیت حاصل تھی۔ اہل فن اور ملکی و غیر ملکی دانشوروں میں ان کی بہت زیادہ عزت وشہرت تھی۔ کتابت کی عمدگی اور نفاست قائم رکھنا انہیں بہت مرغوب تھا۔ حتیٰ کہ کاپی پیسٹنگ اور اغلاط کی تصحیح کے دوران بھی اسی پسندیدہ اسلوب وانداز کو اختیار فرماتے تھے۔ ان کی کتابت کی ایک اور اہم ونمایاں خوبی یہ تھی کہ وہ خود عالم وفاضل تھے لہٰذا مسودے کی کتابت میں اغلاط نہ ہونے کے برابر ہوا کرتی تھیں۔

مولانا صاحب کو دوست بنانے کا بڑا سلیقہ تھا اور دوست نوازی میں بھی کمال رکھتے تھے۔ اہل علم کو کتابوں کے تحائف دینے کا انہیں بڑا شوق تھا۔ تعلقات میں بھرپور دوستانہ اور ہمدردانہ جذبات کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ دکھ سکھ اور خوشی غمی میں پورا پورا ساتھ دیا کرتے تھے۔ وہ دوستی اور تعلق کے رشتوں کے امین اور بڑے قدردان تھے۔

مولانا صاحب معاملات کے بہت سچے اور کھرے تھے۔ حلقۂ احباب میں اکثر وبیشتر ان کی امانت و

Marfat.com

دیانت اور عمدہ اخلاق کا تذکرہ ہوتا تھا۔ کتابت کے نرخ مقرر کرتے وقت دوستی و یاری کا خاص خیال رکھتے۔ اور اس میں بھی ان کی علم دوستی کا پلڑا ہمیشہ بھاری رہتا تھا۔ درحقیقت وہ خادم العلم والعلماء تھے۔

جب احقر نے اپنے محلّہ میں جامع مسجد ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی تاسیس وتعمیر کا عزم وارادہ کیا تو مولانا عبدالحکیمؒ، مولانا محمد رمضان علویؒ اور مولانا عبدالعزیزؒ سے مشاورت اور معاونت کے لیے حاضر ہوا۔ تینوں حضرات گرامی نے کمال محبت اور شفقت سے اپنے نیک مشوروں اور گراں قدر معاونت سے نوازا۔ مولانا عبدالعزیز صاحب نے اس کارخیر میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ احقر کی حوصلہ افزائی فرمانے کے ساتھ ساتھ اپنے محلّہ اور احباب سے یوں اپیل کرتے رہے کہ مسبب الاسباب نے مسجد کے لیے جگہ کی خریداری سے ابتدائی تعمیر تک کے تمام معاملات آناً فاناً حل فرما دیئے۔ اللہ کریم میرے ان تینوں مہربانوں اور ان کے ساتھ مسجد کے جملہ معاونین کو دنیا و آخرت میں کامرانی و کامیابی نصیب فرمائے اور ان کے اہل وعیال کو بھی دونوں جہانوں میں سرخرو فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

مسجد کی ابتدائی تعمیر و تکمیل کے بعد 1988ء میں مولانا صاحب معزز احباب کے ہمراہ کمال شوق و محبت سے مسجد دیکھنے آئے۔ مسجد دیکھتے جاتے تھے اور احقر کے لئے بے ساختہ دعائیں فرماتے تھے۔ انہوں نے نماز عصر کی امامت فرمائی اور بعد ازاں مسجد کی آبادی اور اس کے معاونین کی دنیاوی و اخروی کامرانی کے لئے دعا فرمائی۔

اب ایسے محسنوں کو کہاں تلاش کیا جائے:ؔ

ع　بجھ گیا، اے زندگی! تیرا چراغ علم وفن

مولانا صاحب کی وفات حسرت آیات کے بعد احقر ایک اور شفیق ومہربان ہستی کی محبت، شفقت اور دعاؤں سے محروم ہو گیا ہے۔ اللہ کریم انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ ارزانی فرمائے۔ آمین۔ ☆

"جو حدیث نصِ قرآن کے مطابق ہو، بلاچون وچرا قبول کرلو۔ لیکن جو "حدیث" انبیاء کرامؑ کی عظمت یا صحابہ کرامؓ کی رفعت کو مجروح کرتی ہو، اسے چھوڑ دو۔"

(حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

Marfat.com

متاعِ عزیز، مولانا عبدالعزیزؒ

خامۂ اثر
پروفیسر محمد طاہر مصطفیٰ
(ماہر تعلیم و مصنف کتب کثیرہ)

''اگر عذابِ قبر اور عالم برزخ کے بارے میں مولانا کا اپنی فہم اور تحقیق کے مطابق، قرآن وسنت کی روشنی میں، ایک خاص مؤقف تھا بھی۔ تو اس پر علماء کی تحقیق کے نئے دروازے کھلنے چاہئیں تھے۔ اجتہاد کا احیاء ہونا چاہئے تھا۔ لیکن افسوس......''

کچھ عبدالعزیز ہر دل عزیز ہوتے ہیں۔ اور جو ہر دل عزیز ہوتے ہیں وہی عبدالعزیز ہوتے ہیں۔ اور ''عزیز'' کو عزیز ہوتے ہیں...... سیدی مولانا عبدالعزیز یقیناً ان تمام تراکیب کے مفاہیم پر بکمال احسن پورا اترتے تھے۔

زندگی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ مگر وہ زندگی جو ہدایت اور راہ حق پر چلتے ہوئے بسر ہو۔ مولانا عبدالعزیز نے جس قدر زندگی بسر کی، وہ ایسی ہی زندگی تھی۔ اور جب یہ زندگی ''متاع عزیز'' کو اپنے دامان عزت و مرتبت میں سنبھالے ہوئے ایام بڑھاپا تک لے آئی تو اس بڑھاپے پر جوانی بھی ناز کرنے لگی...... اور کیوں نہ کرتی...... مولانا کے گھر میں چار کمروں پر مشتمل لائبریری گواہی دیتی ہے کہ آپ کے ایام جوانی فراغت و راحت میں نہیں بلکہ علم و تحقیق کے مشاغل میں بسر ہوئے تھے۔

یہی ایک عالم اور عبد ''العزیز'' کی پہچان ہوا کرتی ہے کہ وہ اپنے دور تعلم میں صرف نصابی کتب کی تکمیل کے بعد اپنے آپ کو محض تسبیحات واذکار تک محدود نہیں کرتا بلکہ پہلے وہ اپنے ''عزیز'' کا صحیح عبد ہوتا

ہے۔اس کے بعد دوسرے عباد کے لئے ایک دینی اور دنیاوی فکر کا صحیح ترجمان اور رہنما ہوتا ہے۔زمانے میں اس کردار کا رہنما بننے کے لئے ایک عالم دین عصر حاضر کے ہر پہلو کا مطالعہ کرتا ہے۔اس سیرت کا حامل عالم اپنے ماضی سے آگہی رکھتا ہے، حال کا تجزیہ کرتا ہے اور مستقبل کی پیش بینی کرتا ہے۔وہ اپنے طریق رہنمائی اور طرز عبدیت میں صرف صدائے اذان اور ادائے نماز کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ قوموں کے عروج و زوال پر بھی نگاہ رکھتا ہے۔سماجی اور اجتماعی شعور کی اہمیت کا بھی ادراک رکھتا ہے۔وہ معاشرے میں انتشار، بے چینی اور بے سکونی کی وجوہات کو بھی تلاش کرتا ہے۔وہ عالم و امام جب نماز پڑھتا یا پڑھاتا ہے تو اس کے نتائج پر بھی نگاہ رکھتا ہے۔اور اگر مطلوبہ نتائج سامنے نہیں آتے تو اس کے بھی اسباب کی کھوج لگاتا ہے۔وہ سوچتا ہے کہ واعظ کے وعظ میں اثر نہیں یا سننے والوں کے دل معاشی استحصالیوں سے پتھر ہو گئے ہیں؟ اگر جسد انسانیت پر ظالمانہ نظام کے زخم لگے ہیں تو ان کا علاج کیا ہے؟

ایک عالم اور رہنما کو یہ فکر بھی دامن گیر رہتی ہے کہ اس کے اردگرد انسانوں کی بستی کون سے مسائل کا شکار ہے؟ لوگوں کی معیشت، معاشرت، عبادت، عدالت، اخلاقیات اور ایمانیات کے زاویے کیا ہیں؟ اور کیا ہونے چاہئیں؟ اور قرآن وسنت کا زندگی کے ان تمام پہلوؤں کے بارے میں کیا نکتۂ نظر ہے۔

مسجد کے ایک خطیب، امام، قاری یا حافظ کا کام صرف خوش الحانی کے ساتھ صرف قرآن کریم کی تلاوت کرنا ہی نہیں ہے بلکہ انسانوں کو قرآن حکیم کے صحیح پیغام اور مقصدیت سے بھی آگاہ کرنا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مولانا عبدالعزیز ایک عالم، خطیب، قاری اور رہنما کی حیثیت سے ان تمام مناقب و محاسن پر پورے اترتے تھے۔

آپ نے پچاس برس جامع مسجد الفاروق، سلطانپورہ راولپنڈی میں لوگوں کو اللہ کا قرآن صرف سنایا نہیں بلکہ سمجھایا ہے۔خطابت کے فرائض سرانجام دیئے ہیں مگر اپنی زندگی کی ضروریات خطابت سے نہیں بلکہ کتابت سے پوری کی ہیں۔

یہ مثالیں، میں سمجھتا ہوں، آج کے ان خطیبوں کی طرز زندگی پر سوالیہ نشان ہیں جو ایک تقریر کرنے کا معاوضہ پانچ سے لیکر دس دس ہزار روپے تک لیتے ہیں۔ایک طوائف نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ

Marfat.com

بخاریؒ سے یہ سوال کیا تھا کہ شاہ جی: میں اپنا جسم بیچتی ہوں اور آپ کے بعض ملا اللہ اور اس کے رسول کا دین بیچتے ہیں۔ بتایئے ہم دونوں میں زیادہ بُرا کون ہے''۔ شاہ جی فرماتے ہیں کہ اس سوال کے جواب میں میرے پاس آنسوؤں کی جھڑی کے سوا کچھ نہ تھا، اور میں لا جواب تھا۔

میں مبارک باد دیتا ہوں اخی المکرم جناب عبدالحفیظ کو (جو اپنے والد کے فیضان سے خود بھی علم کا ایک دریا ہیں) کہ آپ کے والد مکرم نے دین کو بیچا نہیں بلکہ سینچا ہے۔

اگر عذاب قبر اور عالم برزخ کے بارے میں مولانا کا اپنی فہم اور تحقیق کے مطابق، قرآن وسنت کی روشنی میں، ایک خاص موقف تھا بھی۔ تو اس پر علماء کی تحقیق کے نئے دروازے کھلنے چاہئے تھے۔ اجتہاد کا احیاء ہونا چاہئے تھا۔

لیکن افسوس بہ تغیر

اپنے بھی خفا اُس سے تھے بیگانے بھی ناخوش
وہ زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

میری مولانا سے ذاتی صرف تین چار ملاقاتیں ہوئیں مگر ان تین چار ملاقاتوں میں علمی مشاورتیں ہی سرفہرست رہیں۔ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ میں خود مسجد الفاروق میں پوری پابندی کے ساتھ ان کے دروس قرآن میں شریک ہوا کروں گا کہ ایک دن اچانک خبر مل گئی کہ جناب عبدالحفیظ کے ابا جی اور امی جی اکٹھے دس منٹ کے وقفے کے ساتھ بارگاہ الٰہی کو لبیک کہہ گئے۔ جناب عبدالحفیظ!

تجھ سے کس طرح میں اظہار تمنا کرتا
لفظ سوجھے تو معانی نے بغاوت کر دی

☆

''اشاعت اسلام کا فریضہ انجام دینے کے لئے ضروری نہیں کہ مبلغِ اسلام کسی مسجد کا امام وخطیب ہی ہو۔ اس مقصد کے لئے دیگر پلیٹ فارم بھی موجود ہیں۔''

(حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

نفس مطمئنہ

خامۂ اثر

پروفیسر شبیر افضل خان (مرحوم)

(ماہر تعلیم)

''مسئلہ عذابِ قبر پر اُن کے قرآنی مؤقف کے رد میں کچھ لوگوں نے اُن کی مخالفت اور مخاصمت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور اُن کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے کیلئے ہر حربہ استعمال کیا۔ مگر انہوں نے اپنی درویشانہ بے نیازی کے ساتھ راہ حق کو روشن کرنے اور فکرِ قرآن کو عام کرنے کے لئے اپنے قول و فعل پر پامردی دکھائی۔''

مولانا عبدالعزیز صاحبؒ سے راقم السطور کی اولین ملاقات پروفیسر ابو مسعود حسن علوی مرحوم کے پرانے دفتر واقع صدر راولپنڈی میں ہوئی۔ دفتر میں داخل ہوا تو ایک جاذب نظر، سفید اُجلا لباس زیب تن کئے، معزز شخص، علوی صاحب کے پاس بیٹھے تھے۔ علوی صاحب مرحوم نے تعارف کرایا۔ ''یہ ہیں مولانا عبدالعزیز صاحب 'تدریس لغت القران' کی کتابت کر رہے ہیں۔ جامع مسجد الفاروقؓ میں امام اور خطیب ہیں۔ اور اسی مسجد میں بعد نماز عشاء درس قرآن بھی دیتے ہیں۔'' اس اولین ملاقات میں ان کے تعارف کی دونوں نسبتیں قرآن سے ہی تھیں۔ تدریسِ لغت القرآن کی کتابت اور درسِ قرآن۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مولانا عبدالعزیزؒ مرحوم سے مزید ملاقاتیں بھی استاذ حسن علوی مرحوم کے دفتر میں ہی ہوتی رہیں۔ پھر کچھ ملاقاتوں کے لئے علوی صاحب کی اسلامک ریسرچ اکیڈیمی میں منعقد ہونے والی تقاریب بھی ''تقریب کچھ تو بہر ملاقات'' کا سبب بنتی رہیں۔

Marfat.com

مولانا عبدالعزیز مرحوم کا ظاہر جس طرح ''سفید پوشی'' کی وجہ سے تقدس مآب اور جاذب تھا۔ ان کے ساتھ مل بیٹھنے اور گفتگو کرنے سے، دل، ان کی عالمانہ صلاحیتوں، سادہ اور روشن زندگی، غرور و تکبر سے دوری اور ان کے صادقانہ اور مخلصانہ روّیے کا قائل ہوتا گیا۔

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

شب و روز کے ماہ و سال میں ڈھلنے کے ساتھ ساتھ مولانا عبدالعزیز مرحوم سے موانست قلبی بڑھتی گئی۔ دل، ان کی علمی صلاحیتوں، فہم قرآن کے فروغ کے لئے بروئے کار لائی گئی ان کی مخلصانہ اور دردمندانہ مساعی، فن کتابت کے ذریعے اکل حلال کمانے اور امامت و خطابت کو ذریعۂ معاش نہ بنانے والے فقید المثال روّیے کی بنا پر روز بروز ان کی درویش منشی کا قائل ہوتا گیا۔

ایک دن اثنائے کلام یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کو سید سلیمان ندویؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسی نابغہ ہائے روزگار شخصیات سے بھی فیض صحبت رہ چکا ہے۔ اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ سے بھی کسبِ فیض اور تلمذ کے مواقع میسر آ چکے ہیں۔

مولانا عبدالعزیز مرحوم و مغفور نے تقریباً 50 سال تک فی سبیل اللہ امامت و خطابت کے فرائض انجام دیئے۔ مسجد کو محض اللہ کا گھر جانا۔ اسے حصول معاش کا مرکزِ تجارت نہ بنایا۔ مسئلۂ عذاب قبر پر ان کے قرآنی مؤقف کے رد میں کچھ لوگوں نے ان کی مخالفت اور مخاصمت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور ان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا۔ مگر انہوں نے اپنی درویشانہ بے نیازی کے ساتھ راہ حق کو روشن کرنے اور فکر قرآن کو عام کرنے کے لئے اپنے قول و فعل پر پامردی دکھائی اور ثابت کر دیا کہ ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

مولانا عبدالعزیز مرحوم کو قرآن سے بے پناہ محبت تھی۔ قرآنی مفاہیم کو سمجھنا اور ان کا سمجھانا ان کے فکر و عمل کا خاصہ تھا۔ قرآنی فہم کا فروغ ان کا مشن تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ:

Marfat.com

"مطالعۂ قرآن اور فکرِ آخرت انسان میں قناعت اور توکل پیدا کرتے ہیں اور طلب رزق حلال کے لئے استقامت بخشتے ہیں۔"

ان کے ریڈیو پاکستان کیلئے ایک انٹرویو سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قرآن کی کتابت قرآن میں ڈوب کر کیا کرتے تھے۔ قرآن کریم سے اپنی محبت اور کتابتِ قرآن کے لئے لازمی طہارت کو وہ اس انٹرویو میں یوں بیان کرتے ہیں:

"جب کتابت کی جاتی ہے تو سارا جسم ساکت ہوتا ہے۔ انتہائی باریک اِعراب لگانا پڑتے ہیں۔ نقطے اور چھوٹے چھوٹے حروف لکھنا پڑتے ہیں۔ قرآن کریم کی کتابت کرتے وقت باوضو بیٹھنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے بے شمار کتابیں کتابت کی ہیں۔ بہت سے پی ایچ ڈی کے تھیسس کتابت کئے ہیں۔ تاریخ، تصوف، ادیان، لسانیات، ادب، معاشیات، طب و صحت اور سوانح وغیرہ...... مجھے بڑے بڑے لوگوں کے مقالات کی خوشنویسی کا موقع ملا۔ لیکن ان میں اور قرآن کریم کی کتابت میں بے پناہ فرق ہے۔ جب میں قرآن کریم کی کتابت کرتا ہوں تو اس میں ایک عجیب سا سکون محسوس کرتا ہوں۔ قرآن کا ایک ایک لفظ لکھنے سے جو مسرت حاصل ہوتی ہے۔ وہ الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔"

راقم، مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ الفاظ دہرا کر ان کی لذت سے دل و دماغ کو ایک بار پھر شادکام کرنا چاہتا ہے:

"اس میں ایک عجیب سا سکون محسوس کرتا ہوں...... قرآن کا ایک ایک لفظ لکھنے سے جو مسرت حاصل ہوتی ہے، وہ الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔"

سطور بالا کے متعلق اس سے زیادہ کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ سعادت کسی انسان کا اپنا کمال نہیں۔ بلکہ یہ عظیم نصیبے انسان کو قدرت کی طرف سے عطا کئے جاتے ہیں۔

استاذ محترم جناب ابو مسعود حسن علوی صاحب مرحوم کی "تدریس لغت القرآن" کی دس مجلدات میں سے تقریباً آٹھ جلدیں مولانا عبدالعزیز مرحوم کے دست مبارک سے کتابت شدہ ہیں۔ ان اولین آٹھ

Marfat.com

جلدوں میں بہت کم اغلاط ہیں، اور جو اغلاط ہیں، ان میں سے بھی بیشتر کی علت سہوِ کاتب نہیں بلکہ دیگر وجو
کی کارفرمائی ہے۔

مولانا مرحوم کی قرآن کریم سے عقیدت و محبت، فکر قرآن عظیم کو عام کرنے کا ان جیسا جذبہ اور پھ
قرآن کی کتابت کرتے ہوئے باوضو بیٹھنا...... عجیب سا سکون، بہت خوشی محسوس کرنا...... اور قرآن مبین
لکھتے وقت محسوس ہونے والی مسرت کا الفاظ میں بیان نہ کیا جا سکنا...... قرآن اور تفسیر قرآن لکھتے وقت ان
دونوں کو نہ صرف سمجھنا بلکہ ان میں ڈوب جانا، ان سے لذت لینا۔ ایسی لذت کہ ؎

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بی خبر ز لذت شراب مدام ما!

اور انتہائی خوش ہونا...... یہ باتیں کمپیوٹر پر کام کرنے والوں کو کہاں نصیب ہو سکتی ہیں!

''تدریس لغت القرآن'' کے متعلق مولانا مرحوم و مغفور خود فرماتے ہیں:

''ایک بات میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ خصوصی طور پر مجھے قرآن کریم لکھنے کا موقع ملا۔ گزشتہ چند برسوں میں ایک تفسیر لکھی ہے تقریباً آٹھ جلدوں میں۔ ''تدریس لغت القرآن''۔ ویسے اس کی دس جلدیں ہیں۔ یہ تفسیر پروفیسر ابو مسعود حسن علوی صاحب کی لکھی ہوئی ہے اور ہر جلد تقریباً ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ ان مجلدات کو دیکھ کر میں انتہائی خوش ہوتا ہوں۔''

وہ اس لئے خوش ہوتے تھے کہ مرحوم ان لوگوں میں سے تھے جو یہ سمجھ چکے تھے کہ:

ع   دراصل خوش آنند کہ ہر حال خوشانند

کسی بھی شخص کی خلوت و جلوت پر نظر ہونے کی بنا پر، اس کی شخصیت کی بہترین شناسا، اس کی رفیقۂ حیات ہوتی ہے۔ مولانا مرحوم کی زوجۂ مرحومہ و مغفورہ بھی ان کی حیاتِ مطمئنہ اور مرگِ مطمئنہ سے اس قدر متاثر تھیں کہ مولانا کے داعی اجل کو لبیک کہنے کے ٹھیک دس منٹ بعد ساغر حیات کے لائے جرعہ کو تہ ساغر چھوڑتے ہوئے۔

ع ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

کی تصویر بن کر راہیٔ ملک بقا ہو گئیں۔ ع

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

دونوں جنازے اکٹھے اٹھے، اکٹھے پڑھے گئے، اکٹھے دفن ہوئے۔

دیکھ لو اہل وفا یوں ہوتے ہیں
راہی ملک بقا یوں ہوتے ہیں

مولانا عبدالعزیز مرحوم کی شخصیتِ پُر مایہ کے متعلق اظہارِ خیال کو راقم السطور علامہ محمد اقبال کے اس شعر پر ختم کرتا ہے۔

پر سوز و نظر باز و نکو بین و کم آزار
آزاد و گرفتار و تہی کیسہ و خور سند ☆

''اگر لوگوں تک قرآن کی حقیقی روشنی پہنچ جائے اور لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے صرف قرآن سے ہی رہنمائی لینا شروع کر دیں اور احکاماتِ قرآن پر عمل پیرا ہونا شروع ہو جائیں تو پھر مذہبی اجارہ داروں، جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈوں، جنوں، جادو اور ایصالِ ثواب کے نام پر دولت کمانے والوں کی روزی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ جبکہ قرآن ایسے کاروبار کی نفی کرتا ہے۔''

(حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

Marfat.com

اسلام کا پُر جوش اور بے باک مبلغ

خامۂ اثر

جناب ضیاء محمد ضیاء (پسرور)
ادیب، شاعر، ماہر تعلیم، مصنف کتب کثیرہ

''مولانا مرحوم ومغفور کی جامع اوصاف شخصیت گوناگوں کمالات کا مجموعہ تھی۔ وہ بیک وقت ایک جید عالم دین، اسلام کے پُر جوش اور بے باک مُبلغ، مفسرِ قرآن، شیخ الحدیث اور ایک جامع مسجد کے امام وخطیب تھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ خط نستعلیق کے کامل الفن خوشنویس بھی۔ باہمہ علم وفضل طبیعت میں حد درجہ انکسار تھا......''

حضرت مولانا عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے ساتھ میرے نیاز مندانہ تعلقات کا عرصہ اگر چہ ربع صدی پہ محیط ہے۔ مگر مصاحبت کا شرف صرف ایک بار ہی حاصل ہوا۔ ہاں نامہ و پیام کا موقع کئی بار آیا۔ پھر ایک روز اشتیاقِ ملاقات مجھے کشاں کشاں ان کے در دولت پر لے گیا، چونکہ غائبانہ تعارف پہلے سے موجود تھا اس لئے ملاقات پر کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہ ہوئی، حضرت بڑے تپاک اور گرمجوشی سے ملے، جیسے برسوں کی آشنائی ہو۔ دیر تک نشست رہی۔ جی بھر کے باتیں ہوئیں۔ ضیافتِ کام ودہن کے بعد بڑے اکرام و احترام سے رخصت کیا اور دوبارہ آنے بلکہ آتے رہنے کی تاکید فرمائی۔ کئی سال گزر گئے ہیں۔ اس ملاقات کی خوشگوار یاد آج بھی میرے ذہن میں تازہ ہے۔ جیسے کل کی بات ہو۔

مولانا مرحوم ومغفور کی جامع اوصاف شخصیت گوناگوں کمالات کا مجموعہ تھی۔ وہ بیک وقت ایک جید عالم دین، اسلام کے پرجوش اور بے باک مبلغ، مفسرِ قرآن، شیخ الحدیث اور ایک جامع مسجد کے امام و

خطیب تھے۔اور اس کے ساتھ ساتھ خط نستعلیق کے کامل الفن خوشنویس بھی ——— باہمہ علم وفضل طبیعت میں حد درجہ انکسار تھا۔''فروتنی ست دلیل رسیدگانِ کمال'' کا عملی نمونہ تھے۔الوداعی مصافحہ و معانقہ کے بعد جب میں ان کی نشست گاہ سے باہر آیا تو میں نے محسوس کیا کہ کسی زاہد خشک سے نہیں، ایک خوش طبع، خوش ذوق اور خوش اخلاق بزرگ اور ایک بے تکلف دوست سے مل کر آ رہا ہوں۔

میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ مولانا ایک باکمال خطاط بھی تھے اور یہی خطاطی (خوشنویسی) ہمارے باہمی تعلقات کا باعث بنی تھی۔اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ آج سے پچیس برس پہلے 1977ء میں مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد کے علم دوست لائبریرین ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی نے میرے فارسی مجموعۂ کلام ''نوای شوق'' کی طباعت و اشاعت اپنے ذمے لی تھی۔مولانا عبدالعزیز کا مرکز مذکور سے گہرا تعلق تھا۔مرکز کی اکثر و بیشتر مطبوعات کے صفحات انہی کے خوبصورت قلمی نقوش سے مزین ہوتے تھے، مولانا کا کہنا تھا: ''ایرانیوں کو میری کتابت کا انداز (اسٹائل) بہت پسند ہے اس لئے وہ خطاطی کا زیادہ تر کام مجھ سے لیتے ہیں'' چنانچہ تسبیحی صاحب نے ''نوای شوق'' کا مسودہ کتابت کے لئے مولانا کے حوالے کر دیا اور انہوں نے اس ذمہ داری کو نہایت عمدگی سے پورا کیا۔مولانا کے کتابت کردہ 200 صفحات آج بھی میرے پاس محفوظ ہیں۔میں اپنے اس مجموعے کا دوسرا ترمیم شدہ ایڈیشن شائع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور متن میں ضروری ترمیم و اصلاح کا کام انہی کے ہاتھ سے کرانا چاہتا تھا مگر افسوس کہ آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔

کافی عرصہ پہلے میں نے اپنا اردو نعتیہ مجموعہ ''موجِ زمزم'' انہیں بھجوایا تھا، اس کی رسید دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''موجِ زمزم ایک بے مثل تحفہ ہے جو آپ نے ارسال فرمایا، یاد آوری کا شکریہ، میرے زیر مطالعہ ہے اور ماشاء اللہ خوب ہے۔۔۔۔کبھی راولپنڈی تشریف لائیں تو غریب خانے پر قدم رنجہ فرمایئے گا۔۔۔''

یہ سطور لکھتے وقت مولانا مرحوم کا متبسم چہرہ بار بار میری آنکھوں کے سامنے آ رہا ہے، یوں محسوس ہوتا

ہے جیسے میں ان کے سامنے بیٹھا ہوں اور وہ ہنس ہنس کر مجھ سے باتیں کر رہے ہیں۔

افسوس صد افسوس وہ ایک طویل عرصہ صاحب فراش رہے، آپریشن در آپریشن کے صبر آزما اور کربناک مرحلوں سے گزرے اور مجھے خبر تک نہ ہوئی۔ ورنہ اپنی تمام تر کمزوری صحت کے باوجود اپنے محب بزرگوار کی عیادت کا فریضہ ضرور ادا کرتا۔ دعا ہے رب کریم اپنے دین کے اس بے لوث خادم کی خدمات کو شرف قبول بخشے اور اعلیٰ علیین میں مقام بلند عطا فرمائے۔ آمین۔

☆

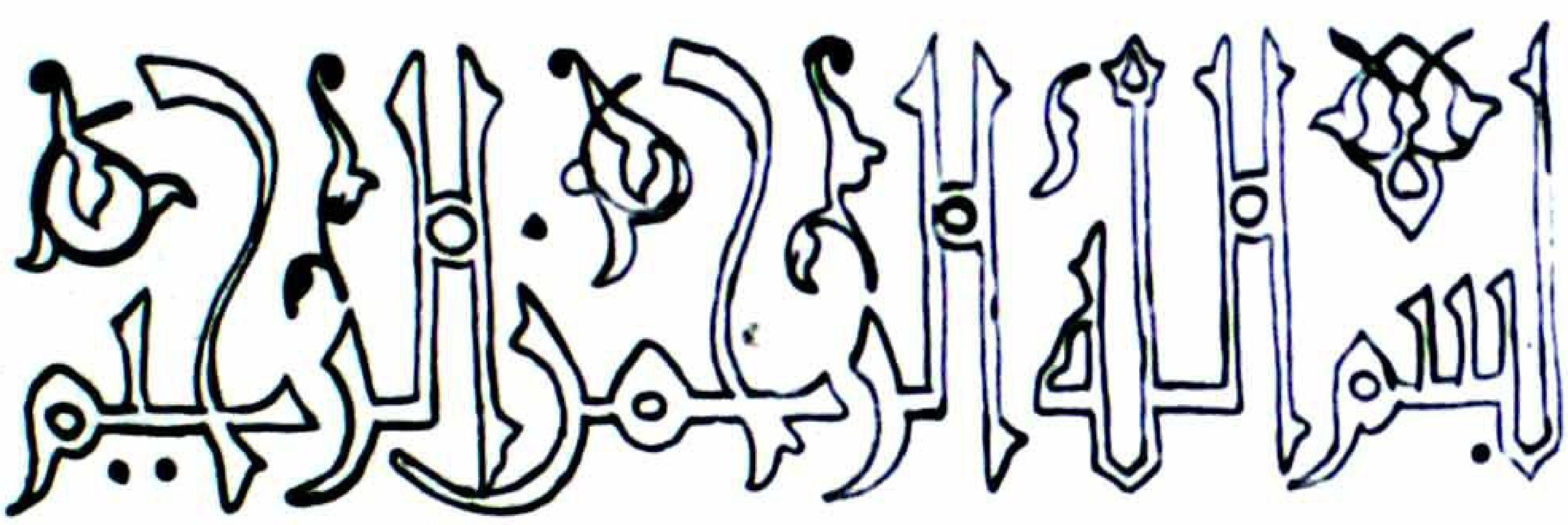

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فارغ اوقات میں نقش ونگاری کے نمونے اور طغرے بھی Trace کر کے محفوظ کر لیتے۔ آپ کی Collections میں سے تسمیہ شریفہ کا انتخاب۔

''صحابہؓ نزول وحی کے شاہد تھے۔ صحابہ کرامؓ اعمال نبوی کے گواہ تھے۔ صحابہ کرامؓ گلشنِ اسلام کی بنیادوں میں اپنا لہو بہانے والے تھے۔ ان کے جنتی ہونے کی قرآن گواہی دیتا ہے۔ اس لئے حدیث وتاریخ کی کسی بھی کتاب میں اگر ان کے حوالے سے کوئی بھی کمزور اور ہلکی بات نظر آئے، اسے فوراً رد کر دو۔ انبیاء کرام علیہم السلام، امہات المؤمنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان میں گستاخی پر مبنی کسی بھی روایت کی تاویل نہ کیا کرو۔ اگر چہ اس کے راوی ثقہ ہی کیوں نہ ہوں یا روایت و درایت کے اصولوں پر وہ (روایت) پوری بھی اترتی ہو۔''

(حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

Marfat.com

مماثلِ امامِ ابنِ تیمیہؒ

خامۂ اثر
سید حسین عارف نقوی
عالم، ماہر تعلیم، مصنف کتب کثیرہ

''بعض مسائل میں، میں نے محسوس کیا کہ مولانا بھی امام ابن تیمیہؒ کی طرح ''تفردات'' کے حامل ہیں۔ اور لازمی طور پر ان کی مخالفت بھی اسی طرح ہوئی، جیسے امام ابن تیمیہؒ کی۔''

میرے بچپنے کا راولپنڈی ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ ابھی آبادی سنٹرل ہسپتال یا اس سے آگے تک نہیں گئی تھی۔ رسائل واخبارات پڑھنے کا شروع ہی سے شوق تھا۔ راولپنڈی سے دو روزنامے ''کوہستان'' اور ''تعمیر'' نکلتے تھے۔ روزنامہ ''تعمیر'' کا میں باقاعدہ قاری تھا۔ مولانا عبدالعزیز مرحوم سے غائبانہ تعارف اس وقت ہوا، جب آپ روزنامہ ''تعمیر'' راولپنڈی کی کتابت کرتے تھے۔ 1968ء میں مولانا حافظ محمد ظہور الحق صاحب ظہور نے بھی مولانا مرحوم کا کئی مرتبہ تذکرہ کیا اور ان کا کتابت شدہ ایک کتابچہ بعنوان ''اقلیم نبوت کا آخری تاجدار'' بھی دیا، جس کے مصنف حافظ صاحب ہی تھے۔

کوئی 1981ء کی بات ہوگی کہ جناب عبدالحفیظ بن عبدالعزیز کی دو کتابیں ''شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان'' اور ''عظیم مشرقی رہنما جمال عبدالناصر'' پڑھنے کو ملیں، جن کی کتابت مولانا مرحوم نے کی تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جناب عبدالحفیظ مولانا مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔

لیکن مولانا سے میری باقاعدہ ملاقات 1983ء میں ہوئی جبکہ آپ میری کتاب ''تذکرۂ علماء امامیہ

Marfat.com

پاکستان'' کی کتابت فرمارہے تھے۔ یہ کتاب 1984 میں مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد نے شائع کی تھی۔

اس پہلی ہی ملاقات میں ان سطور کے راقم نے محسوس کیا کہ آپ انتہائی منکسر المزاج، با اخلاق اور مہمان نواز ہیں۔ مولانا گروہ صوفیا میں نہ ہونے کے باوجود صوفیانہ اقدار کے مالک تھے اور چال ڈھال، سیرت و کردار میں اسلاف کا نمونہ۔ مولانا کے پاس انکی وفات تک آمد و رفت رہی۔ اسی دوران مرحوم نے میری دو اور کتابیں ''آثار چاپی شیعہ در شبہ قارہ'' اور ''تذکرہ علمای امامیہ پاکستان (شمالی علاقہ جات)'' بھی کتابت کیں۔

جب بھی آپ سے ملاقات کی، ان کے پاس سے کچھ نہ کچھ لیکر اٹھا۔ بعض مسائل میں میں نے محسوس کیا کہ مولانا بھی امام ابن تیمیہؒ کی طرح ''تفردات'' کے حامل ہیں۔ اور لازمی طور پر ان کی مخالفت بھی اسی طرح ہوئی، جیسے امام ابن تیمیہؒ کی۔ ان کے انتہائی قریبی مذہبی ساتھی بھی آہستہ آہستہ ان سے الگ ہوتے گئے۔ مسئلہ ''عذاب قبر'' کے حوالے سے مولانا ''قشری'' علماء کی مخالفت کا نشانہ بنے۔ ان کے خلاف فتاوے حاصل کئے گئے۔ بائیکاٹ کیا گیا۔ نقصان پہنچانے کا اعلان کیا گیا۔ مگر آپ ''کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق'' کے اصول پر قائم رہے۔ ان کے نظریات کی رد میں تحریری اور زبانی ''قیل وقال'' بھی ہوا مگر آپ نے کوئی بھی ایسی بات جس کا ثبوت مخالفین پیش نہ کر سکے قبول نہ کی۔

مولانا مرحوم عمر کے آخری حصے میں بیمار سے رہنے لگے تھے۔ اس کے ساتھ یہ مخالفت، تقدیر الٰہی کا یہی فیصلہ تھا کہ اب واپس بلالیا جائے۔ چنانچہ ماہ رمضان المبارک، ماہ نزول قرآن کے معاً بعد لقاء الٰہی سے ہمکنار ہوئے۔ یہ دنیا آنی جانی ہے۔ ''جب احمد مرسلؐ نہ رہے کون رہیگا'' لیکن

زمانہ دن کے اجالے میں اُن کو بھول گیا
اس ایک بات پہ روئے ہیں رات بھر تارے

ایک سنجیدہ مبلغِ اسلام

خامۂ اثر
جناب جی۔ ایچ۔ اعوان
(ماہر تعلیم)

''مولانا کے توشۂ علم میں بے مقصد جوش و جذبات اور نعروں کے بجائے منطق و دلیل کی روشنی ہوتی۔ وہ قرآنی قصص کے ناشر تھے۔ وہ اقلیم صدق کے فرمانروا تھے۔ وہ حریت و استقلال کے داعی تھے۔ وہ جھوٹ سے نفرت کرتے تھے۔ وہ اپنے خطبات و دروس میں حق و سچ ہی بیان کرتے؛ نہایت متانت و سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ۔''

مولانا عبدالعزیز مرحوم سے میری اکثر ملاقات رہتی تھی۔ شروع شروع میں تو دینی مسائل پر گفتگو ہوتی، اور جو بھی موضوع ہوتا، مولانا اس پر نہایت دھیمے لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر اظہار خیال کرتے اور علمی دلائل اور تاریخی حوالے دے کر مختلف حالات و واقعات کی کڑیاں یوں ملاتے کہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہتا۔

مجھے مولانا مرحوم کی علمی شخصیت کے جس پہلو نے سب سے زیادہ متاثر کیا، وہ ان کا گہرا تاریخی مطالعہ تھا۔ سابقہ و عصری حالات پر ان کی گہری نظر تھی۔ مختلف موضوعات پر گفتگو کے دوران میں تاریخی واقعات کو منطبق کرنے میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ اس پر مستزاد اُن کا انداز بیان، جس میں عمیق سکون ہوتا تھا۔ انداز گفتگو بڑا واضح اور روشن ہوتا تھا۔ کبھی گفتگو میں تیزی یا جارحیت نہیں ہوتی تھی۔ اور کبھی میں نے انہیں جوش میں گفتگو کرتے نہیں دیکھا۔ تبادلۂ خیالات پر ہی منحصر نہیں، بلکہ دورانِ تقریر بھی ان کا انداز بڑا سادہ

اور جذباتیت سے پاک ہوتا تھا۔

مولانا عبدالعزیز مرحوم دوران تقریر لوگوں کے جذبات سے نہ کھیلتے۔ ہر بات کو تسلی اور دلیل سے سمجھاتے۔ ایسی سادہ و دلنشیں اور پُر تاثیر بات کرتے کہ جو سننے والوں کے دل و ذہن میں اترتی چلی جاتی۔ سلیم الطبع لوگ ان کی باتوں سے ضرور متاثر ہوتے۔ اور کچھ حاصل کر کے ہی مسجد سے رخصت ہوتے۔

مولانا مرحوم کی ایک اور خوبی جس کا میں معترف ہوں اور اکثر محفلوں میں ذکر بھی کر چکا ہوں، وہ ان کا منفرد انداز میں قرآن کریم بیان کرنا ہے۔ جمعہ کی تقریر کے دوران میں قرآن کریم اپنے ہاتھوں میں لیکر منبر پر بیٹھ جاتے۔ دو ایک رکوع تلاوت فرماتے۔ اور بعد ازاں جہاں تک وقت اجازت دیتا، ایک ایک لفظ و آیت کی تفسیر بڑے سادہ، آسان اور عام فہم انداز میں بیان کرتے۔ کبھی جوش میں نہ آتے۔ ایک ایک لفظ کا معنی و مفہوم واضح طور پر ادا کرتے، مطالب و مفاہیم سامعین کی قوت سماعت پر، برسنے کے بجائے ان کے دل و ذہن میں اترتے چلے جاتے۔

مولانا مرحوم اپنے خطبات و دروس میں کسی مکتب فکر یا مسلک کا تمسخر نہ اڑاتے۔ اپنے مؤقف کے حق میں سنجیدہ گفتگو کرتے۔ اپنی تقریر کو قرآنی آیات کی تفسیر و تشریح تک محدود رکھتے۔ خواہ مخواہ سامعین کے احساسات سے کھیلنے اور جذبات ابھارنے والے قصے کہانیوں سے احتراز کرتے۔

مولانا مرحوم سے اس کم علم نے کئی ایسے نکات پر تبادلۂ خیالات کیا، جس کے دوران میں مولانا نے کئی انتہائی قیمتی اور فکر انگیز خیالات کا اظہار فرمایا؛ جس سے دل و ذہن میں کلبلانے والے بہت سے عقدہ ہائے لاینحل کا حل مل گیا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ مروّجہ تصوف پر گفتگو ہو رہی تھی۔ بات چیت کے دوران میں مَیں نے کہا: ''مولانا! میرے ناقص خیال میں مسلمان قوم کو جس قدر بے عمل و تلخ اور ٹھوس حقائق سے فرار اختیار کرنے کا عادی ہمارے موجودہ کشف و کرامات کے حامل فلسفہ نے بنایا ہے۔ اتنا تو ہمارے دشمنوں نے بھی ہمیں نقصان نہیں پہنچایا۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ بنو امیہ کے عہد میں چند سانحات سے قطع نظر دین اپنی اصلی حالت پر قائم رہا، خاص طور پر عقائد کی رو سے۔ مگر بنو عباس کے عہد میں جبکہ خوشحالی اور فراغت عام ہوگئی۔ اور اس کی وجہ سے مسلمانوں میں مشکل پسندی اور خطرات سے نبرد آزمائی کو زوال آ گیا۔ تو عجمی

Marfat.com

فلسفوں کے زیر اثر عملیت پسندی (Practicalism) کی بجائے کشف وکرامات نے رواج پایا اور یوں مسلمان عمل سے بے عملی کی طرف مائل ہو گئے۔"

میری مندرجہ بالا گزارشات پر مولانا نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور اضافہ کیا کہ مسلمانوں نے فلسفۂ جہاد کو زنگ آلود کرنے کے لئے ایک نئی اصطلاح گھڑ لی۔ اور وہ تھی "جہاد بالنفس"۔ اور اسے "جہاد بالسیف" سے افضل قرار دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا بازوئے شمشیر زن آہستہ آہستہ مضمحل ہوتا چلا گیا۔ اور یوں مسلمان سعی وعمل اور جدوجہد سے دور ہوتے چلے گئے۔ اور ذکر واذکار، کشف وکرمات اور چلہ کشی کی تحصیل کی طرف مائل ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہود ونصاریٰ سائنسی علوم کی بنا پر ترقی کی منازل طے کر کے آج مسلمانوں کو آنکھیں دکھا رہے ہیں۔ اور انہوں نے ہر جگہ مسلمانوں کو زیر عتاب کر رکھا ہے۔ یہ سارا شاخسانہ ہے اس بے عملی کا جو "تصوف" کی آڑ میں پیدا کی گئی۔

مولانا کے مندرجہ بالا فکر انگیز اور دانش سے معمور خیالات سن کر مجھے اقبال مرحوم کا ایک شعر یاد آ گیا۔ جسے مولانا نے بڑا پسند کیا۔

تمدن، تصوف، شریعت، کلام
بتانِ عجم کے پجاری تمام

گویا مولانا کے پسندیدہ شاعر علامہ اقبالؒ حقیقی تصوف کے قائل ہونے کے باوجود موجودہ مروجہ تصوف کو ناپسند (Condemn) کرتے ہیں کیونکہ یہ تصوف کشاکش حیات سے پنجہ کشی کی بجائے فقط ضرباتِ ھو کا درس دیتا ہے۔

مجھے یاد ہے جمعہ کا دن تھا۔ مولانا تقریر فرما رہے تھے۔ ایک خاص مقام پر میرا نام لے کر مجھ سے مخاطب ہوئے اور پوچھا: "آپ تو اس نکتے کی باریکی کو اچھی طرح سمجھ رہے ہوں گے۔" میں نے جواب دیا: "جی میں ہمہ تن گوش ہوں۔" اس پر تمام لوگ میری طرف دیکھنے لگے۔ اور مولانا نے تقریر جاری رکھی۔ مجھے مولانا کے اس تخاطب سے ایک تقویت سی ملی کہ مولانا نے بھری مسجد میں صرف مجھے اس قابل سمجھا کہ میں ان کی بات کو سمجھنے کا اہل ہوں۔ ایک متبحر عالم دین کی طرف سے میرے لئے یقیناً یہ ایک بڑا اعزاز تھا۔

آج مجھ کم فہم اور کم علم کو یہ بات یاد آتی ہے تو ایک عجیب سی عزت افزائی قلب و ذہن میں تازہ ہو جاتی ہے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم ایک سچے خادم قرآن اور باعمل عالم دین تھے۔ وہ حقیقی معنوں میں مسلمانوں میں ایک قرآنی انقلاب کے خواہاں تھے۔ وہ سنجیدہ طبیعت کے سنجیدہ مبلغ اسلام تھے۔ وہ باقی عصری علماء سے بہت مختلف تھے۔ انہوں نے دین کو ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ لوگوں کو راغب کرنے کے لئے خطیبانہ ہتھکنڈے استعمال نہیں کئے۔ روایتی اشتعال انگیز تقریریں نہیں کیں۔ لاؤڈ سپیکر پر چیخ و پکار نہیں کی۔ مسجد کو جلسوں مجلسوں کا اکھاڑہ نہیں بنایا۔ لچھے دار اور سپیکر پھاڑ تقریریں سننے کے عادی لوگوں کو ان کی تقریر سن کر زیادہ خوشی نہ ہوتی۔ قرآن کی بجائے روایتیں حکایتیں سننے والوں میں وہ کبھی مقبول نہیں ہوئے۔ کیونکہ مولانا کے توشۂ علم میں بے مقصد جوش و جذبات اور نعروں کے بجائے منطق و دلیل کی روشنی ہوتی۔ وہ قرآنی قصص کے ناشر تھے۔ وہ اقلیم صدق کے فرمانروا تھے۔ وہ حریت و استقلال کے داعی تھے۔ وہ جھوٹ سے نفرت کرتے تھے۔ وہ اپنے خطبات و دروس میں حق و سچ ہی بیان کرتے۔ نہایت متانت و سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ آج بازار خطابت میں مانگ ہی جوش کی ہے۔ ہوش کی نہیں۔ طلب روایات و خرافات کی ہے، حقائق کی نہیں۔ آج خطیبوں نے ملی مزاج یہ بنا دیا ہے کہ علم اور دلیل کی بجائے جذباتی الفاظ زیادہ پسند کئے جاتے ہیں۔ ہمارے علماء و خطباء نے، الا ماشاءاللہ، لوگوں کو چٹ پٹے اور وضعی قصوں کہانیوں کا Adicted کر دیا ہے۔ ان میں قرآن فہمی کو بے وقعت اور بے اثر بنا دیا ہے۔ یہاں اسی خطیب کو کامیاب سمجھا جاتا ہے۔ جو لچھے دار تقریر کرتا ہو۔ جس کی تقریر پر جوش الفاظ سے مرصع ہو۔ جس کے دوہڑے سنانے پر پُرزور نعرے بلند ہوتے ہوں؛ چاہے نچوڑنے پر افادیت کا ایک قطرہ بھی نہ نکلے:

جب حرف ناشناس یہاں لفظ فہم ہیں
کیوں ذوق شعر دے کے تماشا کیا مجھے

الحمدللہ ہمارے حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم اس قبیلہ خطیباں سے کوسوں دور تھے۔

مجھے کتابت کا بہت شوق تھا۔ مولانا سے ذکر کیا۔ انہوں نے بلاتوقف فرمایا۔ کہ آپ آجایا کریں۔

Marfat.com

ان شاء اللہ میں پوری مدد کروں گا۔ چنانچہ میں کچھ عرصہ اس غرض کے لئے تقریباً روزانہ ان کے پاس حاضری دیتا۔ اپنی مشقیں انہیں دکھاتا۔ وہ اصلاح کر کے نیا Home Work دیتے۔ اسی دوران میں اکثر مَیں کوئی علمی اور دینی مسئلہ چھیڑ دیتا۔ مولانا کتابت کے کام میں بھی مصروف رہتے اور موضوع پر دھیمے انداز میں گفتگو بھی جاری رکھتے۔ اس دوران چائے بسکٹ کا دور بھی چلتا۔ یوں روزانہ مَیں فن کتابت بھی حاصل کرتا اور علمی ذوق میں بھی اضافہ کرتا۔ لیکن افسوس کہ بعد میں مشاغل دنیوی کی بنا پر مجھے تحصیلِ فنِ کتابت ترک کرنا پڑا۔ یوں ایک لحاظ سے مولانا میرے استاد بھی تھے۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے، مولانا ایک ایسے منفرد عالم دین تھے جو مسجد سے تنخواہ نہیں لیتے تھے۔ اور صرف کتابت کے پیشے سے اپنی روزی کماتے تھے۔ جدید دور میں پیسے نے جو اہمیت حاصل کر لی ہے اور معیشت جن گوناگوں ضروریات کی متقاضی ہے، اس کے پیش نظر کون مائی کا لال ہے جو پیسے کو ٹھکرا دے۔ اور صرف اپنے ہاتھ کی کمائی تک محدود رہے۔ یقیناً ہمارے علماء کے لئے یہ ایک عمدہ اور قابل تقلید مثال ہے۔

آخر میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی دینی خدمات کا انہیں بہتر اجر دے اور ان کی بتقاضائے بشریت لغزشوں سے صرف نظر فرمائے۔ آمین۔ ☆

"مغربی یورپ اور امریکہ ازل سے مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ ان کے مقابلے میں جو بھی ڈٹ جائے، آنکھیں بند کر کے اس کی حمایت میں کھڑے ہو جاؤ۔ دنیا میں تمام برائیوں اور مسائل کی جڑ مغربی یورپ اور امریکہ کے حکمران ہیں۔ اور دنیا بھر میں مسلمانوں کی عصری زبوں حالی میں نوے فیصد حصہ یورپی و امریکی حکمرانوں کا ہے۔"

(حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

Marfat.com

ایک مثالی مسلمان

خامہ اثر
مولانا قاضی مفتی عبدالجبار
(معلم علوم قرآن)

''حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم کو میں نے آخری وقت تک اصولی ومخلص، موحد، شرک و بدعات سے متنفر، راسخ العقیدہ، ختم نبوت کا مجاہد، باہمت، شریف الطبع، رزق حلال کمانے والا، مخلص عالم دین اور عزم واستقلال والی عظیم شخصیت پایا۔''

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ 11 جنوری 2002ء کو جمعۃ المبارک کی شب اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ حضرتؒ کی وفات علم وعمل کی دنیا کے لئے ایک عظیم المیہ ہے۔ یہ نظام قدرت ہے۔ جو بھی یہاں آیا' اس نے اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو جنت الفردوس میں' اعلیٰ علیین میں' اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ بہت بڑے عالم اور بہت بڑے موحد تھے۔ انہوں نے نصف صدی تک جامع مسجد الفاروق' سلطانپورہ' راولپنڈی میں بغیر کسی مشاہرے ومراعات کے' اللہ کی رضا کے لئے امامت وخطابت کے فرائض انجام دیئے۔ اپنی عمر عزیز کے آخری آٹھ برسوں میں' ایک منفرد انداز میں' درس قرآن دیا۔ اور آٹھ برس میں اٹھارہ پارے پڑھائے۔ ترجمۂ آیات قرآن کریم اور تفسیر کا اُن کا اپنا ہی انداز تھا۔ اور ان کے دروس میں شرکت کرنے والے براہ راست قرآن فہمی کے شعور سے مالا مال ہوئے۔

Marfat.com

ان کی خواہش تھی کہ وہ کم از کم درس قرآن کا ایک دور مکمل کریں۔ وہ اکثر اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کرتے کہ مسلمان قرآن کریم سے دور کیوں ہیں؟ اور وہ علوم قرآن پر غور وفکر کیوں نہیں کرتے؟ ان کے بقول مسلمانوں کی پستی، تنزلی اور تباہی و بربادی کا اصل سبب قرآن سے دوری ہے۔

مجھے حضرت مولانا صاحبؒ کے دروس میں شریک ہونے، ان کی اقتداء میں نماز ادا کرنے اور ان کے جمعہ کے خطبات سننے کا موقع ملا۔ اپنے خطبات میں حضرت اس بات پر زور دیتے کہ اسلام عمل کا مذہب ہے۔ اور اسلام کے عروج کی تاریخ میں باعمل مسلمانوں کی شوکت کا ہی تذکرہ ملتا ہے۔ وہ اسلام کو محض دعاؤں کا مذہب نہ مانتے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی جہادی زندگی کو اپنے خطبات کا موضوع بناتے اور آپ کے غزوات و سرایا کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے۔ وہ صحابہ کرامؓ کے جذبۂ ایثار و قربانی اور میدان جنگ میں ان کی شجاعت و بے جگری کا خصوصی تذکرہ کرتے۔ ان کے سرفروشانہ واقعات کو اس طرح بیان کرتے کہ سننے والوں پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی۔ اور وہ پاکیزہ قلب و ذہن کے ساتھ ان کے درس و وعظ سے رخصت ہوتے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم نوجوانوں کو خاص طور پر تاریخ اسلام کے مجاہد جرنیلوں اور کمانڈروں کے حالات و واقعات پڑھنے اور ان کے نقش قدم پر چل کر، کفر کی یلغار میں گھرے عالم اسلام کی حفاظت کے لئے آگے بڑھنے کی تلقین کرتے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم ایک دلیر عالم دین تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو زندگی بھر قرآن حکیم کی آواز حق بلند کرنے اور اللہ کا پیغام غافل مسلمانوں تک پہنچانے کے لئے وقف کئے رکھا۔ انہوں نے جس جرأت اور خلوص کے ساتھ عظمت قرآن کی سربلندی کی خاطر باطل قوتوں اور اہل شرک کو للکارا اور پھر مخالفت کے طوفانوں میں جس حوصلہ، عزم، استقلال اور صبر کے ساتھ اس پر قائم رہے، وہ جذبہ و عمل یقیناً قابل رشک ہے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے ساتھ میری کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ ان کی فکر سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ بہت بڑے موحد تھے۔ وہ توحید باری تعالیٰ کے بہت بڑے مبلغ اور شرک کی ہر خفی و جلی و حسی قسم سے سخت نفرت کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے عزیز و اقارب، دوست احباب اور اہل علاقہ کی فکری رہنمائی کی اور

Marfat.com

اپنے خاندان و برادری اور دوست احباب میں سے بہت سوں کی زندگی میں انقلاب بپا کیا۔ ان میں توحید کا شعور پیدا کیا اور انہیں شرک و بدعات سے دور کیا۔ انہوں نے بساط بھر، شرک و باطل کو مٹایا۔ جھوٹے رواجوں اور مسرفانہ رسموں سے لوگوں کو بچایا۔ انہوں نے قرآن وسنت مطہرہ کے ہر ہر پہلو سے لوگوں کو متعارف کرایا۔ اور وہ مقدور بھر اس مقصد میں کامیاب بھی رہے۔ انہوں نے ہر ملنے والے کو قرآن کریم ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرنے اور ترجمے کے ساتھ مطالعہ کرنے کی تلقین کی اور اس کے معارف پر عمل پیرا ہونے کی تاکید کی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ قرآن صرف پڑھنے، تلاوت کرنے اور طاقوں میں ہی سجا دینے کی کتاب نہیں بلکہ یہ ایک مکمل دستور العمل ہے، اس لئے اس پر عمل پیرا ہونا ہی اس کا مقصد نزول ہے۔ انہوں نے اپنی گفتگو میں ہمیشہ قرآن مجید کو ہر کتاب اور ہر چیز سے افضل قرار دیا۔ ان کی گفتگو کے نمایاں پہلوؤں میں خاص موضوع توحید تھا۔ اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ سچا موحد کبھی اللہ کے علاوہ کسی سے مرعوب نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ پتھروں، درختوں، زندہ مردہ پیشواؤں اور قبروں مزاروں کے سامنے جھکنے سے منع فرماتے۔ ختم نبوت اور عظمت اصحاب رسول ﷺ بھی ان کے پسندیدہ موضوعات تھے۔ علماء حق کے انقلابی کارناموں کو بھی دلنشین انداز میں بیان کر کے سامعین کے لہو کو گرما دیتے۔ استعمار دشمنی کے جذبوں کو عام کرنا بھی ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ غرض وہ اپنے نظریات پر آخر دم تک استقامت کے ساتھ قائم رہے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم میں ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ ہمیشہ حرص ولالچ سے دور رہے۔ انہوں نے روایتی مولویوں کی طرح کبھی غرباء ومساکین کے حق پر غاصب ہونے کے بارے میں سوچا بھی نہیں۔ ایک دفعہ محلہ سلطان پورہ کی کچی آبادی سے ہماری برادری کے کچھ لوگ خیرات کی ایک دیگ، جس میں پلاؤ تھا، لے کر مسجد الفاروق پہنچے۔ جماعت کے بعد مولانا عبدالعزیز مرحوم کو بتایا گیا کہ آپ یہ دیگ نمازیوں میں تقسیم کرا دیجئے۔ حضرت مرحوم نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ خیرات پر غریبوں، مسکینوں اور معذوروں محتاجوں کا حق ہے۔ آپ یہ دیگ لے جائیے اور اسے مستحقین میں تقسیم کیجئے۔ ہمارے عزیز وہ دیگ واپس لے آئے۔ مگر ہم لوگ حضرت مرحوم کے اصول، انصاف، بے لوثی اور حق پرستی کے قائل ہو گئے۔ یہ بے نیازی آج کل کے روحانی پیشواؤں میں کم ہی پائی جاتی ہے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم سے جب بھی ہماری ملاقات ہوئی، نہایت پیار، اخلاق اور شفقت سے

Marfat.com

پیش آتے۔ وہ بہت بڑے مہمان نواز بھی تھے۔ جو بھی مہمان ان کے ہاں جاتا۔ کشادہ دلی سے پیش آتے۔ ان کے ہاں علمی وروحانی غذا بھی ملتی اور بساط بھرانواع واقسام کی اشیاء سے تواضع بھی ہوتی۔ ان کی مہمان نوازی کی یادیں عرصے تک ان کے مہمان کے ذہن میں تازہ رہتیں۔

حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم کو میں نے آخری وقت تک اصولی و مخلص، موحد، شرک و بدعات سے متنفر، راسخ العقیدہ، ختم نبوت کا مجاہد، باہمت، شریف الطبع، رزق حلال کمانے والا، مخلص عالم دین اور عزم و استقلال والی عظیم شخصیت پایا۔

اس دنیا میں موت کا مزہ تو ہر شخص نے چکھنا ہے مگر موت کے وقت سے کوئی بھی بشر آگاہ نہیں۔ حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے موت بھی بڑی پرشکوہ دی۔ وہ اس دنیا سے اس شان کے ساتھ رخصت ہوئے کہ ان کے مشن کی تکمیل کے لئے نصف صدی تک ان کے شانہ بشانہ مصائب و آلام برداشت کرنے والی ان کی اہلیہ بھی ان کے ساتھ ہی اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئیں۔ صرف دس منٹ بعد۔ گویا یہ اس جدوجہد کی صداقت کی تصدیق تھی کہ جو خالص اللہ کے دین کی اشاعت کے لئے ان دونوں نے نصف صدی تک مشترکہ طور پر کی تھی۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اور انعام یہ بھی حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم کو عطا کیا گیا کہ انہیں ایک برکت والی رات میں موت نصیب ہوئی۔ یعنی جمعہ کی رات روح کو پرواز کرنے کا حکم ملا۔ فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ شامی اور احسن الفتاویٰ کے مطابق کوئی مومن جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن اگر وفات پا جائے تو اس پر قیامت تک ''عذاب قبر'' نہیں ہوگا۔ اور یہ حدیث معلم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معجزانہ وحکیمانہ حسن اتفاق ان لوگوں کے لئے مقام فکر ہے کہ جو اپنے عقیدے کے مطابق ان کے خلاف دنی بغض کے باعث مخالفتوں کے فتنے کھڑے کرتے رہے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم اوران کی اہلیہ محترمہ کی اکٹھی وفات اور تاریخی جنازے کا تذکرہ ابھی تک گھروں میں کیا جا رہا ہے اور ہر شخص یہ کہنے پر مجبور ہے کہ یہ حضرت مولانا مرحوم کے سچا مثالی مسلمان ہونے کی ہزاروں لوگوں کی طرف سے گواہی ہے اوران کی پاکیزہ ازدواجی زندگی کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ دونوں مرحومین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ ☆

Marfat.com

ایک منکسر المزاج شخصیت

خامۂ اثر

ڈاکٹر افتخار حسین قاری
(ماہر علوم قرآن ولسانیات)

''حضرت مولاناؒ جہاں بھی تشریف لے جاتے، قرآن کے اعجاز کو ہی بیان فرماتے۔ قرآنی واقعات کو موضوع بناتے۔ وہ عمر بھر قرآن کریم کی باریکیاں اور نزاکتیں لوگوں کے علم میں لاتے رہے۔''

عالم کی موت ایک عالَم کی موت ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عالم (جاننے والے) کے سامنے ایک نہیں، کئی عالَم کھلے رہتے ہیں۔ جن کو وہ اپنی بصارت وبصیرت کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔
عالم اگر باعمل ہو تو وہ نور علیٰ نور ہوتا ہے۔ اور وہ استنار سیلا اور بھرپور شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ کہ اگر کوئی خلوص دل سے اس سے استفادہ کرنے کا ارادہ کرلے، تو وہ اپنا دامن علم کے لعل وگوہر سے مالا مال کرتا چلا جاتا ہے۔

جناب حضرت مولانا عبدالعزیز اس جہان رنگ وگل سے جُرعۂ موت چکھ کر جہان اصل کی جانب انتقال فرما گئے ہیں۔ وہ ایک ایسی پرکشش شخصیت کے مالک تھے کہ جنہوں نے اپنے پرائے، دوست دشمن، سبھی کو متاثر کیا۔ انہوں نے ایک مدت مدید تک اللہ اور اس کے رسول کے احکامات وفرامین کو اللہ کے بندوں تک، بغیر کسی لالچ، جاہ اور معاوضے کے پہنچایا۔ اور ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ اپنے حقیقی مالک و خالق سے جا ملے۔ اللہ کریم سے میرا حسن ظن ویقین ہے کہ وہ ان کے ساتھ پیار کا معاملہ فرمائیں گے اور

Marfat.com

ان کو اپنی وسیع رحمت وجنّات عدن میں داخل فرمائیں گے۔

حضرت مولانا سے میرا تعلق بہت پرانا تو نہیں، لیکن جب سے ان کے ساتھ رابطہ ہوا ہے۔ میں نے ایسے محسوس کیا، جیسے میرا ان کے ساتھ نہ جانے کتنا پرانا تعلق ہے۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ ایک صاف ستھرے سادہ ظاہر کی طرح اجلا باطن بھی رکھتے تھے۔ ان کے اندر اور باہر میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا۔ وہ ایک منکسر المزاج شخصیت تھے۔ اور وہ کسی بھی غرور وتکبر کا شکار نہیں تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی اصولوں کے تحت گزاری۔ انہوں نے حلم وتدبر اور عفوودرگزر کے قرآنی احکامات کو ہمیشہ حرز جاں بنائے رکھا۔ کسی کی اہانت نہ کی۔ کسی کی کردار کشی نہ کی۔ آخری برسوں میں ان پر مختلف حلقوں کی طرف سے خاصا دباؤ تھا۔ مگر میں نے انھیں کسی کی شکایت کرتے نہ سنا۔ اپنے مخالفین کے بارے میں بھی شستہ زبان ہی استعمال کرتے۔ اور ان کے افعال اور سازشوں کا قرآنی آیات، احادیث نبویہ اور تاریخی واقعات کی روشنی میں تجزیہ فرماتے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ سے جب بھی مجھے شرف ملاقات حاصل ہوتا، وہ بہت ہی عزت واحترام سے پیش آتے اور ملنے والا محسوس کرتا کہ وہ بہت ہی محترم ہے۔ آنے والے کی ہر طرح سے مُدارات کرتے۔ عزت سے بٹھاتے اور اسکی بات بڑے غور سے سنتے۔ اپنی کسی پریشانی اور تکلیف کا اظہار نہ فرماتے۔ اپنی جسمانی تکلیف کو کم کر کے پیش فرماتے۔ انہوں نے بیماری کے آخری ایام میں بھی صبر کو اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اور اللہ کا شکر ہی ادا کرتے کرتے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

ان کے چہرے پر نور ایمانی کی شعاعیں ہوتیں اور دل اطمینان سے لبریز۔ حضرت مولانا نہایت اعلیٰ گفتگو کرتے۔ ان کا انداز بیان نہایت شیریں تھا۔ دھیمے لہجے میں گفتگو کرتے اور انسان کا دل موہ لیتے تھے۔ وہ ہر ایک کے ساتھ انکساری سے پیش آتے۔

حضرت مولانا خوش لباس تھے۔ لباس سادہ لیکن صاف ستھرا زیب تن فرماتے۔

حضرت مولانا اپنے اردگرد کو متاثر کرنے والے تھے۔ انہیں بڑی سے بڑی شخصیت سے کبھی کسی طرح مرعوب ہوتے نہیں دیکھا۔ کیونکہ ان کے قلب میں ایک ایسی ذات، جو اس کائنات کی ہر شے کی خالق ہے،

Marfat.com

کا رعب جاگزین تھا۔ اور ایسے رعب پر، ختم ہو جانے والا رعب و دبدبہ اثر نہیں ڈالا کرتا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر سب سے زیادہ کرم تھا کہ وہ گزشتہ پچاس سال سے اپنے علاقے میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہے تھے اور انہوں نے 8 برس سے درس قرآن کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا تھا۔ جس کا اجر وہ صرف اور صرف اپنے رب کریم سے چاہتے تھے۔ انہوں نے مالی مشکلات کے باوجود اپنی عزت نفس کو ہمیشہ برقرار و بلند رکھا۔ اور مصائب میں اپنے رب سے رابطہ رکھا۔

محترم مولانا عبدالعزیزؒ ایک ایسے خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے کہ جن کے آباؤ اجداد نے دین کی سر بلندی کے لئے نہ صرف حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے ساتھ مل کر کفر کے خلاف جہاد کیا۔ بلکہ ہمہ وقت مسجد و منبر رسولؐ سے بھی وعظ و تلقین کا کام جاری رکھا۔ خود بھی دین پر چلنے کی تگ و دو میں لگے رہے اور اپنے متعلقین کو بھی اسی جادۂ مستقیم کا راہی بناتے رہے۔ یہ کام کہنے اور لکھنے کی حد تک بہت سہل ہے۔ لیکن عملی طور پر یہ عزیمت اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق کے بغیر ناممکن ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ اور خاندان، جو دین کو اخلاص کے ساتھ اپنا لیتے ہیں۔ افسوس کہ آج بہت سے لوگ دین کو اپنے ذاتی اور دنیوی عزوشرف کے لئے استعمال کرنے سے نہیں چوکتے۔ اور دین کو اپنے خاندان کیلئے اور دنیوی جاہ وحشمت کے حصول کے لئے استعمال کرنا ہی اصل دین کا تقاضا خیال کرتے ہیں۔

مولانا عبدالعزیز مرحوم نے ابتداء سے اپنے اہل وعیال کی کفالت کے لئے کسب حلال کا اہتمام کیا اور محنت کر کے اپنے بچوں کے منہ میں رزق حلال کا نوالہ رکھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کو محترم جناب عبدالحفیظ جیسا فرمانبردار، عزت واحترام کرنے والا فرزند ارجمند عطا فرمایا۔ آج کل کی فضا کے بالکل برخلاف، الا ماشاءاللہ، عبدالحفیظ صاحب اپنے والد مرحوم ومغفور کے ساتھ ایسے عمدہ طریقے سے پیش آتے جیسے ابھی تک وہ طفل مکتب ہی ہیں۔ ان کی ہر بات پر لبیک کے سوا کوئی دوسری صدا سنائی نہیں دیتی تھی۔ راقم کے خیال میں جہاں یہ بات ان کے صاحبزادے عبدالحفیظ کی فرمانبرداری کا نمونہ ہے۔ وہاں درحقیقت یہ ان کے والد بزرگوار جناب مولانا عبدالعزیز مرحوم کی پرورش وتربیت کا بھی جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ زندگی میں وہ اپنے بیٹے کے برتاؤ اور سلوک سے یقیناً مطمئن وخوش تھے۔

Marfat.com

اب ان کے اس دنیا سے جانے کے بعد ان کی نیک اولاد ان کے لئے ان شاءاللہ صدقہ جاریہ رہے گی۔
ر یہ سلسلہ جاری وساری رہے گا۔

حضرت مولانا مرحوم انتہائی خوش قسمت انسان تھے۔ گھر میں ان کے اہل خانہ ان کا ادب اور عزت و
ترام کرتے اور باہر ان کا حلقہء ارادت انہیں سر آنکھوں پر بٹھاتا تھا۔

حضرت مولانا مرحوم جہاں تقریباً پچاس برس تک بغیر کسی لالچ اور معاوضے کے خدمت دین انجام
یتے رہے۔ وہاں انہوں نے علاقے کے لوگوں کی خدمت کو بھی اپنا شعار بنائے رکھا۔ یوں انہوں نے
توق اللہ اور حقوق العباد کی یکساں ادائیگی کی عمدہ مثال قائم کی۔

حضرت مولانا مرحوم کو قرآن اور زبان قرآن سے محبت ہی نہیں بلکہ عشق تھا۔ آپ غور وفکر کرتے رہتے
تھے کہ مسلمانوں کا رابطہ، بلا کسی واسطے کے، اپنے رب کریم کے ساتھ کسی طرح قائم ہو جائے۔ اور سارے
سلمان اپنے خالق و مالک کے مجموعہ ء (خط)، جو بزبان عرب ہے، سے استفادہ کر سکیں۔ اس کے لئے
روری ہے کہ وہ زبان سمجھ میں آئے۔ جس میں قرآن کریم نازل کیا گیا ہے۔ ورنہ اس مبارک کلام کی
رف آنکھوں سے لگانے اور طاقوں میں سجا کر رکھنے سے، حقیقی عزت وتوقیر نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ قرآن تو اس
لئے نازل ہوا کہ ہم اس کو سمجھیں اور غور وفکر کریں۔ اپنی زندگی کو اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلائیں اور
پنے گردو پیش کے ماحول کو اس کے مطابق بنائیں۔

حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم نے عربی زبان کی تدریس وفروغ کا اہتمام کیا۔ اور اس جذبے کے
ساتھ کہ ہمارا رابطہ قرآن سے تبھی قائم ہوسکتا ہے۔ جب ہم یہ جانیں کہ ہم سے کیا کہا جا رہا ہے۔ حضرت
سولاناؒ نے نماز عشاء کے بعد اپنی مسجد میں اس کی ابتداء کی۔ وہ قرآنی آیات کو تختۂ سیاہ پر خوبصورت خط میں
محنت سے لکھتے اور پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس کا لفظی ترجمہ اور قواعد صرف ونحو اپنے دور دراز سے
ہر عمر کے آئے ہوئے طلباء کو سکھاتے۔ اس سے ان کے طلباء میں قرآن حکیم سے بلا واسطہ رابطہ قائم ہونا
شروع ہو گیا۔ مجھے بھی ان کے دروس میں شامل ہونے کا موقع ملا اور میں نے محسوس کیا کہ قرآن اور عربی
کے ساتھ ہمارا جتنا زیادہ ربط وتعلق، ہوگا۔ اتنی ہی تشنگی بڑھے گی اور مزید جاننے اور عمل کی توفیق بھی عطا ہو

Marfat.com

گی۔

حضرت مولاناؒ کی عربی زبان کے ساتھ محبت والفت کی صرف ایک وجہ تھی کہ ہم سب کے آقا حضرت محمد ﷺ پر زبان عربی میں ہی اللہ کریم نے بنی نوع انسان کی ہدایت وراہنمائی کے لئے حتمی دستور العمل قرآن نازل فرمایا۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ روئے زمین پر یہی وہ واحد زبان ہے جو اپنی اسی اصلی حالت میں اس دنیا کے آخری دن تک قائم رہے گی۔ اس لئے اسی کتاب عظیم کے احکامات کو سمجھ کر اور ان پر عمل پیرا ہو کر ہی مسلمانوں نے دنیا کی قیادت وسیادت کا عظیم کام سرانجام دینا ہے۔ حضرت مولاناؒ کا یہ خیال تھا کہ یہ کام اس وقت تک عملی صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ جب تک ہم اس کتاب سے استفادہ کرنے کے قابل نہیں ہو جاتے۔

حضرت مولاناؒ جہاں بھی تشریف لے جاتے، قرآن کے اعجاز کو ہی بیان فرماتے۔ قرآنی واقعات کو موضوع بناتے۔ وہ عمر بھر قرآن کریم کی باریکیاں اور نزاکتیں لوگوں کے علم میں لاتے رہے۔ مثلاً ایک مرتبہ انہوں نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ ہم میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں، جن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ قرآن میں رکوع کے نشان ''ع'' کے اندر، اوپر اور نیچے کچھ اعداد لکھے ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد کیا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ قرآن حکیم کے حوالے سے کام کرنے والے بزرگوں نے پڑھنے والوں کی سہولت کے لئے اپنی زندگیاں صرف کر دیں۔ اصل میں ع کے اندر کا ہندسہ (8) اس رکوع کی آٹھ آیات کو بتاتا ہے۔ اوپر کا 2 اس سورۃ کا جس کی تلاوت کی جارہی ہے، اس کا دوسرا رکوع بتاتا ہے۔ اور نیچے والا 4 یہ بتارہا ہے کہ پارہ جو زیر تلاوت ہے اس کا یہ چوتھا رکوع ہے۔ راقم کے خیال میں بہت سے قرآن کا مطالعہ کرنے والوں نے بھی اس جانب توجہ نہیں دی ہوگی۔

اس مثال کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت مولاناؒ کو قرآن کی بنیادی معلومات عام کرنے کا کس قدر شوق تھا۔

حضرت مولاناؒ کا شمار اپنے عہد کے بڑے خطاطوں میں ہوتا ہے۔ آپ نے بے انتہاء کتابوں کے مسودات کو اپنے خط زریں کے ذریعے شکل جمیل عطا کی۔ آپ نے مترجم ومفسرِ قرآن جناب پروفیسر ابو

Marfat.com

مسعود حسن علوی مرحوم کی دس جلدوں پر مشتمل انتہائی قیمتی تفسیر کی آٹھ جلدوں کو اپنے ہاتھ سے کتابت فرمانے کی سعادت حاصل کی۔ ان کے باسعادت فرزند عبدالحفیظ نے اس تفسیر کی تزئین واوراق بندی میں حضرت گرامی کی معاونت کی۔

حضرت مولانا دین اسلام کو انتہائی آسان اور قابل عمل دین تصور فرماتے تھے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ دین رسوم وقیود کا نام نہیں بلکہ یہ حقائق کا مجموعہ ہے۔ دین اختلافات کو جنم نہیں دیتا بلکہ ختم کرتا ہے۔ اسلام تفرقہ اور جماعت بندی کا درس نہیں دیتا بلکہ یہ سب کو ایک امت اور گروہ بناتا ہے، ایک ہی انداز اور ایک ہی رخ عطا کرتا ہے۔

مولانا کے خیال کے مطابق مساجد خالص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توحید کے لئے مخصوص ہونی چاہئیں۔ اور خطبات ودروس میں اس کی ذات کے ساتھ کسی کو کسی طور بھی شریک نہیں کیا جانا چاہیئے۔ مسجد میں عبادت کیلئے آنے والوں کو ہر وہ کام کرنے کی تلقین کی جانی چاہیئے جس کا آقائے نامدار ﷺ نے کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت مولانا کے بقول دین میں غلو ناجائز ہے۔ اور اس پر کسی طور بھی مصلحت کا شکار نہ ہونا چاہیئے۔

مولانا عبدالعزیز مرحوم نے اپنے اوقات اپنے رب حقیقی کیلئے مخصوص کر رکھے تھے۔ مجھے ذاتی طور پر ان کے شب وروز کو مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔ میں نے ان سے بہت کچھ پایا۔ بہت کچھ حاصل کیا۔ اب جب کہ وہ ہم میں موجود نہیں ان کا زندگی بسر کرنے کا انداز، ان کی یاد، ان کی محافل، ان کی گفتگو، ان کا جذبۂ اشاعتِ علوم قرآن، میرے لئے مشعل راہ ثابت ہوتا رہے گا۔

حضرت مولانا کے بارے میں جتنا زیادہ لکھا جائے کم ہے حضرت مولانا مرحوم ومغفور کا مشن ان کی اولاد اور شاگردوں سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ سنت مطہرہ کو اپنی زندگیوں میں داخل کریں۔ تحقیق وجستجو کو اپنا شعار بنائیں۔ شعور کو رہنما بنائیں اور جہالت اور بے سروپا روایات وخرافات سے دور رہیں۔ یہی جذبات حضرت مولانا مرحومؒ کی ذات اور آپ کی خدمات عالیہ کیلئے خراج عقیدت وگل ہائے تحسین وآفرین ہونگے۔

اللہ کریم ان کی بشری کوتاہیوں سے صرف نظر فرمائے۔ اور ہمیں ان کی متعین کردہ راہ استقامت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے رکھے۔ آمین۔ ☆

اعلیٰ ظرف، روادار، بُرد بار

خامۂ اثر

راجہ عبدالرزاق عادل
(ادیب، محقق، دانشور)

''آپ کا مشن نفاذ قرآن (قرآنی احکام اور اصولوں کی حکمرانی) کے سوا اَور کچھ نہ تھا۔ اِسی فکر کی خاطر آپ نے اپنی زندگی کا آخری سانس بھی قربان کر دیا۔''

خطیب مولانا عبدالعزیز صاحب کے ساتھ میری پہلی ملاقات، جہاں تک مجھے یاد ہے، 1970ء میں الحاج محمد اسحاق قلبی صاحب کی دکان پر چاہ سلطان چوک میں ہوئی۔ جب میں جناب قلبی کا ایک مضمون روز نامہ ''جنگ'' راولپنڈی میں پڑھ کر انہیں ملنے کیلئے گیا تو دو تین دوسرے احباب کے ساتھ مولانا عبدالعزیز صاحب بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ دیگر احباب تو کچھ کھل کر نہ ملے۔ لیکن مولانا عبدالعزیز صاحب بڑے تپاک اور خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ میں سوچتا رہ گیا کہ موصوف سے کہاں ملاقات ہوئی۔ پھر میں نے سوچا ممکن ہے میرے ہوٹل کے تعلق سے واقف ہوں۔ لیکن جب میں وہاں کچھ دیر مزید بیٹھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو ان کے مزاج اور رواداری کا حصہ ہے۔

باایں ہمہ میں جب کبھی وہاں جاتا، خطیب صاحب مرحوم اکثر قلبی صاحب سے ملنے تشریف لائے ہوتے۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ مل بیٹھنے کا موقع ملتا۔ اخبارات میں چھپنے والے مضامین پر عام طور پر تبادلہ خیال ہوتا۔ موصوف بڑی سیر حاصل بحث اور تبصرہ کرتے۔ مملکت خداداد پاکستان میں اسلامی قدروں سے

انحراف پر بڑے دکھ کا اظہار فرماتے۔ وہ ارکان دین کی محض رسم کی صورت میں ادائیگی اور علماء کرام ''الا ماشاءاللہ'' کے پیشہ ورانہ کردار سے بہت نالاں تھے۔ پنجگانہ نماز کے اجتماعات کو قرآن فہمی کا ذریعہ بنانے پر اکثر تبادلۂ خیال ہوتا۔

ایک دن جب کافی سنجیدہ بحث ہو رہی تھی تو میں نے تجویز پیش کی کہ اگر خطباء حضرات نماز کے دوران تلاوت کی گئی کم از کم ایک آیت کو ہی نماز کے بعد عصر حاضر کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے معنی و مفہوم کے ساتھ بیان کریں تو کتنا ہی اچھا ہو۔ میں نے زور دے کر کہا آپ اپنے ہاں اس تجویز پر عمل فرمائیں اور پہل کریں تو موصوف کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہنے لگے، راجہ صاحب آپ کی تجویز بہت معقول ہے ایسا کرنا کوئی مشکل بھی نہیں۔ بہر حال میں اس معاملہ پر ضرور غور کرونگا۔

چنانچہ میرے ذہن سے تو بات آئی گئی ہوگئی۔ ایک روز میں ہوٹل کے کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا تھا کہ مولانا عبدالعزیز صاحب تشریف لائے۔ بہت خوش معلوم ہو رہے تھے۔ سلام دعا کے بعد فرمانے لگے: راجہ صاحب میں نے آپ کی تجویز کو ذہن میں رکھتے ہوئے مسجد میں عشاء کی نماز کے بعد درس کا آغاز کر دیا ہے۔ امید ہے کہ آپ بھی وقت نکال کر ضرور آیا کریں گے۔ مَیں مذکورہ درس قرآن میں شاید ایک آدھ دفعہ ہی شامل ہو سکا، کیونکہ میری صحت اور کاروباری مصروفیات مانع رہیں۔ البتہ مرحوم و مغفور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب نے بڑی محنت اور دیانتداری سے قرآنی فکر کو صاحبِ ذوق افراد تک پہنچایا۔ گو کچھ احباب نے فروعی اختلافات پر درس میں رکاوٹیں بھی کھڑا کرنے کی ناکام کوشش کی، مگر آپ نے پورے استقلال سے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا، جب تک کہ صحت اور عمر عزیز نے ساتھ دیا۔

خطیب مولانا عبدالعزیز صاحب .... گو آج ہمارے درمیان موجود نہیں، لیکن ان کی اعلیٰ ظرفی، رواداری اور بردباری کی قابل تحسین مثالیں ان کے اتمام احباب کے لئے بہت بڑا قیمتی اثاثہ ہیں۔

میرا تعلق خاطر مرحوم کے ساتھ کوئی 32 برس پر محیط تھا۔ جب بھی مل بیٹھنے کا موقع ملا، قرآن کریم اور اُسوۂ حسنہ نبی کریم علیہ السلام ہی ہمارا موضوع رہا۔ آپ کا مشن نفاذ قرآن (قرآنی احکام اور اصولوں کی حکمرانی) کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ جس کی خاطر آپؒ نے اپنی زندگی کا آخری سانس بھی قربان کیا۔

Marfat.com

خطیب صاحب نے محترم جناب عبدالحفیظ کو جہاں بڑی محنت، پیار ومحبت بلکہ بچوں کی بجائے دوستوں کی طرح پالا پوسا اور تعلیم و تربیت کی، وہاں بڑی خاموشی سے عزیزم کو زندگی کے حقائق کا مردانہ وار مقابلہ کرنا بھی سکھایا۔ بایں ہمہ مجھے جہاں موصوف کو حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے مشن کے لئے لامحالہ آگے بڑھانے کی ترغیب دلانی ہے، وہاں بطور صائب الرائے، عادل اور سلیم القلب نوجوان، درج ذیل اپنا پیغام بھی دینا ہے:

لا نہیں سکتے کبھی فکر و عمل میں انقلاب
جو نہیں یہ جانتے اسلام مذہب ہے کہ دیں
دیکھ لے قرآن کو گر چاہتا ہے آگہی
اس صحیفے سے ملے گا تجھ کو ہر حق مبیں
ایسا کامل یہ صحیفہ ہے زمانے کیلئے
جس سے پہنچے گی تیری تکمیل کو شرع متیں
دین حق میں گروہی جتھے بندی ہے حرام
اس کے حق میں ہیں بہت آیات قرآن مبیں
خوف سے ہیں لرزہ براندام ابلیسان دہر
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں

دے رہا ہے یہ صحیفہ تجھ کو اے عادل صدا
یہ ہدایت ہی ہدایت ہے برائے متقیں

☆

''قرآن کریم ماہیتِ حیات اور نفسِ انسانی کی طرح اپنے اندر لامتناہی زندگی رکھتا ہے۔ انسانی زندگی کے مزید ارتقاء میں کوئی دور ایسا نہیں آسکتا۔ جس میں قرآنی حقائق کا نیا انکشاف ترقیٔ حیات میں انسان کی رہبری نہ فرما سکے۔ زندگی سے نو بہ نو صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن قرآن کے اساسی حقائق کبھی دفتر پارینہ نہ بنیں گے۔''

(حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

خامہ از
علامہ مضطر عباسی
(مفسر، محقق، دانشور، ماہر لسانیات)

"آپ کا ہر عمل اسلام کی تعلیمات کا آئینہ دار ہے۔ اور آپ کا انداز ملاقات و گفتگو اور مہمانداری کے انداز، غرض ہر عمل میں آپ اسلام کی سادگی اور شرافت کا نمونہ تھے۔"

کچھ لوگ زمین پر اللہ کی حجت ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی اور معمولات اسلام کے طور طریقوں کے مطابق ہوتے ہیں، اور اس حقیقت کی دلیل ہوتے ہیں کہ اللہ کے دین کے احکامات پر ہر دور، ہر زمانے اور ہر حال میں عمل کیا جا سکتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مرحوم و مغفور کی زندگی اور آپ کے معمولات ایسے ہی تھے۔

نیاز مند کو 1979ء میں آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور اس کے بعد بیسویں صدی کے آخری دنوں تک آمد و رفت اور زیارت کا سلسلہ جاری رہا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کا ہر عمل اسلام کی تعلیمات کا آئینہ دار ہے۔ اور آپ کا انداز ملاقات و گفتگو اور مہمانداری کے انداز، غرض ہر عمل میں آپ اسلام کی سادگی اور شرافت کا نمونہ تھے۔ آپ محنت کر کے داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق روزی کماتے۔ محنت بھی ایسی جس میں کوتاہی یا خدانخواستہ بے دینی کا کوئی پہلو نہ تھا۔ کتابت فرماتے اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، آپ کسی ایسی کتاب کی کتابت نہ کرتے، جس کا مواد اسلام کی نظروں میں ناپسندیدہ یا فحاشی اور جھوٹ پر مشتمل ہوتا۔

مولانا مرحوم اپنے والد محترم کی آباد کی ہوئی مسجد میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے۔ درس قرآن کا اہتمام فرماتے۔ اور جمعہ پڑھاتے۔ لیکن کسی قسم کی اجرت ومعاوضہ یا تنخواہ نہ لیتے۔ اس کے برعکس مسجد کے اخراجات ومصارف کی ادائیگی میں بساط بھر حصہ لیتے۔ آپ کا نماز پڑھا کر اجرت نہ لینا ان پیشہ ور مولویوں کے لئے تکلیف دہ تھا، جو امامت کو دوسری نوکری یا ملازمت سمجھ کر مشاہرہ لیتے اور روزگار کا ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ مرحوم کا نظریہ تھا کہ مسجد میں پانچ وقت حاضری دینے والے مسلمان ہوتے ہیں۔ ہر شخص اپنی نماز ادا کرنے مسجد جاتا ہے۔ امام اور خطیب بھی عام مسلمانوں کی طرح ایک نمازی ہوتا ہے۔ لوگ اسے اپنے سے بہتر اور بزرگ جان کر امام بنا لیتے ہیں، اس لئے اسے اجرت یا کسی قسم کے معاوضے کا استحقاق نہیں ہوتا۔

آپ کا کاروبار اور پیشہ کتابت تھا۔ یہ ایسا پیشہ ہے، جس میں محنت کش کسی قسم کی کوتاہی نہیں کر سکتا۔ آپ کی کتابت کا ایک خاص انداز تھا۔ ہر حرف صاف اور نمایاں ہوتا۔ چونکہ آپ عالم تھے، اس لئے جس مضمون کی کتابت فرماتے، اس کے آداب کا خیال رکھتے، اور صاحب مضمون کی کوتاہیوں کی حتی المقدور اصلاح فرما دیتے۔ ادارۂ اشاعت اسلام کا مجلّہ، جس میں راقم کی تحریریں شائع ہوا کرتی تھیں، اس کی کتابت حضرت مرحوم کیا کرتے اور میری کوتاہیوں اور غلطیوں کی اصلاح فرماتے۔ مجھے یا ادارہ کے کسی دوسرے صاحب کو پروف دیکھنے کی عموماً ضرورت محسوس نہ ہوتی۔

☆

''مدارس دینیہ کے طلباء کے لئے تو موسم کی مناسبت سے باوقار لباس تک نہیں ہوتا۔ لیکن ان مدارس کے مہتممین کی گاڑیوں، کوٹھیوں، عینکوں و قراقلی ٹوپیوں اور عباؤں قباؤں سے نظریں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ یہ انبیاءؑ کے وارث، رسول اللہ ﷺ کے مہمانوں کے نام پر چندے جمع کر کے یورپ و امریکہ کے اسفار پر ہر سال چلے جاتے ہیں، ہر سال حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اور بار بار عمرہ کے لئے عازم مکہ و مدینہ ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ چندے، یہ خیراتیں، یہ صدقے، یہ عطیئے ان کے لئے نہیں ہوتے۔ ان پر ان کا کوئی حق نہیں ہوتا۔''

(حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

Marfat.com

عالم بے بدل

خامۂ اثر

جناب زبیر اعوان، کالم نگار

''حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے جب عذابِ قبر کے مسئلہ کو قرآنی احکامات کے مطابق پیش کیا تو آپ کو شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ دار التکفیر کے مدار المہاموں اور پاسبانوں نے آپ کے ایمان پر انگلیاں اٹھائیں اور ایک شور وغوغا برپا کر دیا۔ لیکن آپ نے ان شدائد و مصائب کی مطلق پرواہ نہ کی۔''

''قناعت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ آخرت میں مال و دولت کام نہ آئیں گے۔ انبیاء علیہم السلام اپنی قوموں سے فرمایا کرتے تھے کہ ہم تمہیں جو کچھ بتلا رہے ہیں اس کا ہم کوئی اجر نہیں مانگتے۔ انبیاء علیہم السلام کی اسی تعلیم کو میں نے اپنی زندگی کا حصہ بنا لیا ہے اس طریقۂ کار (یعنی دینی معاملات میں اجرت نہ لینے) کو چھوڑنے پر تیار نہیں۔''

یہ الفاظ مفسر قرآن، ترجمان علماء حق اور عصر حاضر کے بلند پایہ عالم دین حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پہلے اور آخری انٹرویو میں کہے، جو ریڈیو پاکستان راولپنڈی سے 22 فروری 2000ء کو نشر ہوا۔

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ان علماء حق میں سے تھے جن کا علم و فضل اور زہد و تقویٰ ایک مسلمہ امر کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کی ذات گرامی علم و عمل کا سرچشمہ تھی۔ آپ حقانیت و علمیت کے اعلیٰ مقام پر

فائز تھے۔ آپ نے درس وتدریس اور تبلیغ وارشاد کے علاوہ کتابت کے شعبہ میں اپنے قلم کالوہا منوایا۔ آپ یگانۂ روزگار مفسر، محدث، عالم، محقق، فقیہ اور نامور خطاط تھے۔ آپ کے مزاج میں نفاست، سادگی اور شگفتگی پائی جاتی تھی۔ آپ تواضع وانکساری کا پیکر بے بیکراں تھے۔

میرے والد محترم بتایا کرتے ہیں کہ آپ کی مجلس ایک چشمۂ راحت ہوتی تھی۔ جس سے کئی تشنہ لب سیراب ہوتے۔ آزمائشوں اور مصائب کے دوران آپ صبر وتحمل اور قوت برداشت کا فقید المثال مظاہرہ کرتے۔ مگر جب ''موضوعات'' کے مقابل قرآنی مؤقف کی ترجمانی فرماتے تو خطابت کا رنگ جلالی ہو جاتا۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے اجداد شمع توحید کے عظیم پروانے تھے، جنہوں نے حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی قیادت میں فرنگیوں کے ایماء پر فرزندان اسلام کا عرصۂ جہاں تنگ کرنے والے سکھوں کے خلاف جہاد میں عملاً حصہ لیا تھا۔

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت مولانا فضل الٰہیؒ ایک سچے موحد اور جید عالم دین تھے۔ حضرت مولانا فضل الٰہیؒ نے راولپنڈی شہر میں گزشتہ صدی کے تیسرے عشرے میں اپنے خطبات کا موضوع ''توحید'' کو بنایا۔ جس سے باطل کے ایوان لرزنا اور جہالت کے بادل چھٹنا شروع ہو گئے۔ حضرت مولانا فضل الٰہیؒ ہزار ہا مخالفتوں کے باوجود مشرکانہ عقائد ونظریات کے بتوں کو توحید کی تلوار سے پاش پاش کرتے رہے اور ان کے دلیرانہ نظریۂ توحید کے سبب بہت جلد ''مسجد الفاروقؓ'' نے راولپنڈی شہر اور مضافات میں اپنی ایک نمایاں شناخت قائم کر لی۔ حضرت مولانا فضل الٰہیؒ نے جب رحلت فرمائی تو حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کی عمر محض 16 برس تھی، لیکن احباب کی شدید خواہش تھی کہ آپ ہی مسند امامت سنبھالیں۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اس عمر میں بھی زہد وتقویٰ آپ کی پہچان تھا۔ اور آپ معارف کلام اللہ، احادیث رسول اللہؐ اور فقہ کی اکثر کتابوں سے فیض یاب ہو چکے تھے۔

جب شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ راولپنڈی تشریف لائے اور مسئلۂ توحید کو ایک نئی جلا بخشی اور شرک وبدعات کی سرکوبی کی تحریک چلائی تو حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ شیخ القرآنؒ کے شانہ بہ

Marfat.com

شانہ ساتھ ساتھ رہے۔آپ نے مسجد الفاروقؓ میں شیخ القرآنؒ کے سالانہ جلسوں کا اہتمام فرمایا۔ ان جلسوں کا سلسلہ 50 کی دہائی میں شروع ہوا، جو شیخ القرآنؒ کی وفات تک جاری رہا۔

دارالعلوم دیوبند کے دو عظیم سپوتوں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ اور حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ نے جب ''مسئلہ حیات وممات النبی ﷺ'' کو قرآن کریم کی واضح آیات کی روشنی میں بیان فرمایا تو حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان ہر دو حضرات کی صراحت و دلیری کے ساتھ تائید فرمائی۔ بعد ازاں شیخ القرآنؒ اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ نے جب ''جمعیۃ اشاعت التوحید والسنۃ'' قائم کی، تو حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس جماعت سے وابستہ ہو کر اپنے بے مثل فقیہانہ انداز فکر سے قرآن کے پیغام کو زبان زد عام کرنے میں دن رات ایک کر دیئے۔

قرآن کے پیغام کو ہر خاص و عام تک پہنچانا حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کا مطمع نظر تھا۔ آپ کے پُر اثر دروس قرآن نے کئی افراد کی زندگیوں کو بدل ڈالا۔ آپ کے درس قرآن کی خوشبو نے اہل علاقہ کے دل معطر کر دیئے۔ آپ نے قرآنی تعلیمات اور نبی مکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو مروجہ ''اجماع'' پر فوقیت دی۔ جہاں بھی آپ کو قرآن کے مقابل روایات اور ''موضوعات'' نظر آئیں آپ نے قرآن کی کسوٹی اور روایت و درایت کے اصولوں کے تحت اُن کا مواخذہ فرمایا۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے جب ''عذاب قبر'' کے مسئلہ کو قرآنی احکامات کے مطابق پیش کیا تو آپ کو شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ دارالتکفیر کے مدارالمہاموں اور پاسبانوں نے آپ کے ایمان پر انگلیاں اٹھائیں اور ایک شور و غوغا برپا کر دیا' لیکن آپ نے ان شدائد و مصائب کی مطلق پرواہ نہ کی اور نہ ہی آپ کی حمیت دینی کم ہوئی۔ مکفرین ''دین بچانے کی فکر'' میں آئے روز نیا فتویٰ لاتے مگر وہ آپ کے پائے ثبات میں لغزش تو کیا ہلکی سی جنبش بھی پیدا نہ کر سکے' جواباً جب آپ کے تلامذہ نے مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے تاریخی فتویٰ حاصل کیا تو دارالتکفیر کا تارعنکبوت بکھر گیا۔ خود تراشیدہ ''فلسفۂ اجماع'' ریزہ ریزہ ہو گیا۔ مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی قرآنی فکر کی صداقت پر دارالعلوم دیوبند کے چار جلیل القدر مفتیان کرام نے مہر تصدیق ثبت کی۔

Marfat.com

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے اپنی اور اہل خانہ کی دنیوی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے کتابت وخوشنویسی جیسے عظیم و پاکیزہ اور اسلام کے قابل فخر بادشاہوں کے پسندیدہ فن کو ذریعۂ معاش بنایا۔ آپ اپنے آپ کو فخر سے ''قلم کا مزدور'' کہا کرتے تھے۔

آپ نے ناقوس، نوائے وقت، تعمیر اور جاوداں، جیسے روزناموں میں نامور صحافیوں کے ساتھ بیٹھ کر کام کیا۔ حکومت پاکستان اور حکومت ایران کے ایک مشترکہ تحقیقی اور علمی و ادبی ادارے مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کی لاتعداد کتب کی کتابت کی۔ شمالی کوریا کے انقلابی لیڈر کم ال سنگ کی سوانح، تقاریر اور مقالات کی کتابت کی۔ لیکن آپ کو سب سے زیادہ خوشی قرآن کریم کی کتابت کر کے ہوئی۔ آپ کو پروفیسر ابومسعود حسن علویؒ کی تفسیر ''تدریس لغۃ القرآن'' کی آٹھ ضخیم جلدوں کی کتابت کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں قرآن کریم کی کتابت کرتا ہوں تو مجھے ایک عجیب سا سکون ملتا ہے جس کا احاطہ الفاظ میں نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دور کے عظیم علماء حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی مجالس کے فیوض علمیہ سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔

اس کے علاوہ آپ کو بے شمار جید علمائے کرامؒ کی مجالس میں شرکت کرنے اور ان کے افکار و خیالات سے بہرہ مند ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ان میں شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیعؒ، خطیب اسلام حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ، مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، امام اہل سنت علامہ دوست محمد قریشیؒ، فخر العلماء حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مناظر ختم نبوت علامہ لال حسین اخترؒ شامل ہیں۔

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان تشریف لانے والے مسلم دنیا کے عظیم رہنماؤں جمال عبدالناصرؒ، شاہ فیصلؒ اور عبدالرحیم احمد سوئیکارنوؒ کے استقبالیہ جلسوں اور تقاریب میں شرکت کی۔ جب ایک مخصوص طبقے نے جمال عبدالناصرؒ، عبدالرحیم احمد سوئیکارنوؒ اور معمر قذافی کے خلاف زہریلا

Marfat.com

پروپیگنڈا شروع کیا تو آپ نے ان مسلم قائدین کا دفاع کیا اور اپنے زورِ خطابت سے مغربی استعمار اور اس کے زلہ رباؤں کے پروپیگنڈے کا دنداں شکن جواب دیا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ تاجدار ختم نبوت ﷺ کے علَم کو لہرانے میں دیگر جید علماء کے ساتھ ختم نبوت کی دونوں بڑی تحاریک میں پیش پیش رہے۔

آپ نے 1977ء کی تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ میں بھرپور شرکت کی اور اسی دوران ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی میں 33۔ دن تک' 49 ڈی پی آر اور 16 ایم پی او وغیرہ کے تحت پابند سلاسل بھی رہے' آپ نے قید و بند کی صعوبتوں کے دوران بھی اپنے اخلاق عالیہ سے زبان کو بغاوت نہ کرنے دی اور تمام مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ دوران اسیری جیل خانے میں درس قرآن بھی دیا۔

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے 49 سال اور چھ ماہ تک ''جامع مسجد الفاروق ؓ'' سلطان پورہ، راولپنڈی میں امامت کے فرائض سرانجام دیئے۔ یہ عظیم خدمت آپ نے اپنے والد گرامیؒ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بلا معاوضہ و اجرت سرانجام دی' جو قناعت و تقویٰ کی عظیم مثال ہے۔ اسی حوالے سے آپ کا شمار گنتی کے چند علماء میں ہوتا ہے۔ کئی مرتبہ آپ پر رزق کی تنگی کی آزمائشیں بھی آئیں لیکن تمام نامساعد حالات میں بھی اپنے ہاتھ سے رزق حلال ہی کمایا۔

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ دور حاضر کے جلیل الشان مفسر، عظیم محدث' بہترین محقق' عارف کامل اور بلند پایہ عالم دین تھے' آپ ان نیک نام اور صاحب عمل علماء کے صدر نشین تھے جن کے تقدس و بزرگی اور بصیرتِ شرعی و عقلی کا زمانہ معترف ہے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیشہ حق گوئی و بیباکی کا مکلّف بن کر زندگی بسر کی۔ ساری زندگی درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد میں گزارنے کے بعد، آپ 11 جنوری 2002ء کو واصل بحق ہوئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

☆

Marfat.com

ایک مایۂ ناز شخصیت

خامہ از
جناب مخلص وجدانی (مظفر آباد)
(شاعر، ادیب، ماہر نشریات)

''آپ خوش نویس تو تھے ہی، بڑے عالم بھی تھے۔ بڑی عالمانہ گفتگو کرتے تھے۔ بعض معاملات میں وہ اپنا الگ نکتۂ نظر رکھتے تھے۔ اور اس کی وضاحت کے لئے ٹھوس دلائل اور ثبوت دیا کرتے تھے۔''

اس ملک میں جو معروف اور نامور شخصیات ہو گزری ہیں، ان میں ایک مایۂ ناز شخصیت حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کی ہے۔ آپ ایک بڑے عالم اور بہترین خوش نویس تھے۔

مولانا سے میرا تعارف 1972ء کے بعد ہوا۔ اور وہ بھی میرے برادر بزرگ ڈاکٹر صابر آفاقی کی وساطت سے۔

آفاقی صاحب نے ایران کی طہران یونیورسٹی سے فارسی میں پی ایچ ڈی کرنے کے بعد جب کتابوں کی اشاعت کا باقاعدہ سلسلہ شروع کیا تو کتابت کے لئے مولانا عبدالعزیز کا ہی انتخاب کیا۔

علاقائی زبانوں میں کتابت کرنا ایک مشکل فن ہے اور وہ بھی جبکہ پہلے سے موجود کوئی نمونہ بھی نہ ہو۔ ڈاکٹر صابر آفاقی صاحب نے اپنا گوجری مجموعۂ کلام ''پھل کھیلی'' کے نام سے 1976ء میں چھپوایا، تو اس کی خوبصورت کتابت مولانا عبدالعزیز نے ہی کی اور خوب کی۔ اس دوران جب میں واہ میں رہائش پذیر تھا تو مولانا سے ملاقات ہوئی۔ دراصل میں اپنا مجموعۂ غزل ''ریرا'' ان دنوں مرتب کر رہا تھا۔ اسی سلسلے میں

Marfat.com

مولانا سے ملاقات کی اور مشورہ کیا۔ میرا یہ مجموعہ 1979ء میں شائع ہوا، جس کی کتابت مولانا نے اپنے خاص انداز میں کی۔

آپ کا نمایاں پہلو یہ تھا کہ انہیں کبھی بھی میں نے افسردہ یا مایوس اور تھکا ہوا نہیں پایا۔ میں جب بھی ان سے ملا، انہیں ہشاش بشاش پایا۔ مسکراتے ہوئے ملتے۔ اپنا کام چھوڑ کر حال احوال پوچھتے۔ اچھی اچھی باتیں کرتے اور پھر کسی کتاب کی اشاعت کی خوش خبری سناتے، اور یہ خبر سناتے ہوئے بہت خوش ہوتے۔ اپنی لائبریری میں موجود اپنی کتابت کی ہوئی کتابیں دکھاتے اور پھر وہ کام دکھاتے جو وہ اُس وقت کر رہے ہوتے تھے۔ عُمدہ عُمدہ کتابت کے نمونے دکھاتے۔ پھر مستقبل میں چھپنے والی کتابوں کے بارے میں بتاتے کہ فلاں صاحب کی کتاب شائع ہونے والی ہے، جس کی میں نے کتابت کی ہے۔

آپ عربی، فارسی، اردو، گوجری اور پنجابی کتابوں کی کتابت کرتے تھے۔ آپ خوش نویس تو تھے ہی، بڑے عالم بھی تھے۔ بڑی عالمانہ گفتگو کرتے تھے۔ بعض معاملات میں وہ اپنا الگ نکتۂ نظر رکھتے تھے۔ اور اس کی وضاحت کے لئے ٹھوس دلائل اور ثبوت دیا کرتے تھے۔

ان کا حلقہ احباب بڑا وسیع تھا۔ اہل علم و دانش، شاعر اور ادیب سبھی آپ سے مل کر یک گونہ خوشی محسوس کرتے تھے۔

مولانا عبدالعزیز نے مجھ پر یہ احسان کیا کہ نہ صرف میرے مجموعہ کی کتابت کی بلکہ پریس تک رہنمائی بھی کی۔ بلکہ میرے ساتھ پریس تک بنفس نفیس گئے اور پریس والوں سے معاملات طے کروائے۔ اور ایک مسئلہ جو درپیش ہوا وہ یہ تھا کہ اُن دنوں میں جتنی کتابیں چھپتی تھیں، ان کی اشاعت کی منظوری متعلقہ تھانے سے لی جاتی تھی۔ میں پریشان ہوگیا، کیونکہ یہ مسئلہ طے کرانا میرے بس میں نہیں تھا۔ مجھے تو حضرت اکبر کا یہ شعر لفظی تغیر کے ساتھ یاد آرہا تھا کہ ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ مخلص نام لیتا ہے ادب کا اس زمانے میں

مولانا کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، جب میں نے پریشانی کا اظہار کیا، تو سوچ کر کہنے لگے، میں

Marfat.com

کوشش کروں گا کہ یہ مسئلہ حل ہو جائے۔ اور پھر آپ نے اپنے اثر ورسوخ سے تھانے سے میری کتاب ''ریا'' کی منظوری حاصل کر لی۔ جب میں نے ملاقات کی تو بڑی خوشی کا اظہار کیا کہ آپ کا کام ہو گیا۔ یعنی اب کتاب شائع ہو سکتی ہے۔ اور اس طرح یہ کتاب شائع ہو گئی۔

مولانا کی کتابت شدہ یہ کتاب (اصل مسودۂ کتابت) میرے پاس محفوظ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ان کے بابرکت ہاتھ سے کتابت شدہ کتاب ہے، جس کی بے حد پذیرائی ہوئی۔ مولانا کے جہاں اور بہت سے اوصاف ہیں، ایک یہ ہے کہ آپ بڑے مہمان نواز تھے۔ جو بھی آتا خوب خاطر تواضع کرتے تھے۔ اللہ کروٹ کروٹ جنت عطا کرے۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

☆

اسیر تحریک نظام مصطفیٰ، حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کا والا نامہ

''بوئے گل...... کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ ''پس دیوارِ زنداں'' بھیج دو۔ شاہکار انسائیکلو پیڈیا کی تمام قسطیں ضرور خرید لیا کرو۔ دن کے تقریباً دس بج رہے ہیں۔ اور تمام اسیران جمعہ کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ اخبارات کی خبروں پر تبصرے ختم ہو چکے ہیں۔ اور اکثر لوگ چہل قدمی کر رہے ہی، جن کے چہرے حریت کے جذبات سے پھول کی طرح کھلے ہوئے ہیں۔ خصوصاً مجاہدین آزادی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے چہرے اور جذبہ قابل دید ہے۔ ان کے چہروں پر حزن و ملال کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ تمام مصائب کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ تمہارے رقعے میں کچھ معقول لوگوں کو پڑھاتا ہوں۔ جو تمہیں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔''

ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی

۲۹۔ اپریل ۱۹۷۷ء

Marfat.com

تفاسیرِ قرآن کا خطاط

خامۂ اثر

سید ناصر کاظمی
(ممتاز براڈ کاسٹر)

"قبلہ مولانا صاحب علم و کمال کی منزل پر فائز تھے، مفسر قرآن تھے، خطیب تھے، تفاسیرِ قرآن کے خطاط تھے، رزق حلال پر توکل رکھتے تھے۔ ان سے میں گفتگو کیا کرتا تھا اور ان کی آواز و انداز میں بلا کی کشش تھی۔"

عبدالحفیظ کا شمار میرے ان عزیز ترین احباب میں ہوتا ہے جن سے ملنے کیلئے اور جن کے پاس زیادہ وقت گزارنے کیلئے دل چاہتا ہے۔ میں نے جب بھی عبدالحفیظ صاحب سے کسی بھی موضوع پر گفتگو کرنی چاہی تو میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنی گفتگو میں بہت حد تک حکمت و دانائی کے حوالے سے دوسروں کو بھرپور مطمئن کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں۔ اور ان کی اس گفتگو میں خاص طور پر "آداب و اخلاق" کے جو پہلو نمایاں نظر آتے ہیں، ان سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عبدالحفیظ کی تربیت میں ان کے والد محترم بزرگوار قبلہ مولانا عبدالعزیز صاحب کی ذاتی زندگی کا بھرپور عکس موجود ہے۔

قبلہ مولانا محترم عبدالعزیز صاحب مرحوم کے لائق فرزند عبدالحفیظ میرے اُن چند محترم دوستوں میں سے ایک ہیں، جنہیں میں اپنے لئے دوستی کے حوالے سے سرمایہ تصور کرتا ہوں۔ "مسلک" کے اختلاف کے باوجود عبدالحفیظ صاحب سے میری دوستی کو میرے بعض احباب حیرت و استعجاب کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ان کے والد گرامی قدر قبلہ مولانا صاحب سے میری ملاقات میرے ہی اصرار پر عبدالحفیظ صاحب نے کرائی تھی۔ میں چونکہ ہمیشہ ہی سے صاحب علم بزرگوں سے ملنے کا متلاشی رہا ہوں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ

بالمشافہ ملاقاتوں کے بعد میں اکثر و بیشتر ٹیلی فون پر ان سے گفتگو کیا کرتا تھا' ایک پرائیویٹ اسٹوڈیو میں جن دنوں میری آواز میں قرآن کریم کے ترجمے کی ریکارڈنگ ہو رہی تھی' ان دنوں تو تقریباً دن میں دو مرتبہ انہیں ٹیلی فون پر زحمت دیا کرتا تھا، اور ان سے قرآنی آیات کے ترجمے کا صحیح تلفظ پوچھا کرتا تھا۔ اگرچہ وہ کبھی کھانا کھا رہے ہیں، کبھی آرام کر رہے ہیں، لیکن اِس معاملے میں انہیں میں نے ہمیشہ شفیق پایا۔

میں نے ان کی شخصیت میں ایثار و محبت کا ایسا جذبہ موجود پایا جو ہر صاحبِ علم شخصیت کا خاصہ ہوتا ہے۔ مجھے ان کی اچانک موت کا بے حد دکھ اور افسوس ہے۔ آج جب قبلہ مولانا عبدالعزیز صاحب اس دنیا میں موجود نہیں ہیں، تو میں یہ سوچ کر حیران ہوں کہ قبلہ مولانا صاحب جو علم و کمال کی منزل پر فائز تھے۔ مفسر قرآن تھے' خطیب تھے' تفاسیرِ قرآن کے خطاط تھے، رزق حلال پر توکل رکھتے تھے، اُن سے میں گفتگو کیا کرتا تھا۔ ان کی آواز و انداز میں بلا کی کشش تھی۔ یہ سب باتیں جب میں آج سوچتا ہوں تو مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے کہ میں اپنی تمام تر علمی کم مائیگی کے باوجود کس طرح ان کے سامنے بات کر لیتا تھا۔

کہتے ہیں کہ خوش نصیب انسان حق کے قریب رہتا ہے۔ اس طرح وہ ہوس اور حسرت سے آزاد رہتا ہے' شاید یہی وجہ ہے کہ ایسے انسان' ایسے بڑے انسان' بقاء کے مسافر ہوتے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے دل جلوۂ پرنور سے معمور ہوتے ہیں۔ وہ اپنے آپ سے راضی اور اپنی زندگی پر راضی رہتے ہیں۔ میں نے تو قبلہ مولانا عبدالعزیز صاحب کو ایسا ہی پایا۔ مرحوم مولانا صاحب سے میری ملاقات گو بہت ہی کم رہی مگر اس کی تشنگی اب میں بہت ہی شدت سے محسوس کرتا ہوں۔

''مسلکی اختلاف'' کے باوجود میں نے قبلہ مولانا صاحب مرحوم کو بہت زیادہ اپنا اپنا سا پایا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ عبدالحفیظ صاحب نے اپنے والد گرامی سے میری چاہت کو محسوس کرتے ہوئے 11 جنوری 2002ء کو صبح تقریباً ساڑھے آٹھ بجے مجھے گھر فون کر کے اس سانحۂ عظیمہ کی اطلاع پہنچائی۔ میں عبدالحفیظ صاحب کے اس دوہرے غم میں برابر کا شریک ہوں۔ ایک گھر سے ایک وقت میں دو بہت ہی محبت کرنے والے بزرگوں کا یوں اچانک چلے جانا' ایک بڑا نقصان ہے۔ اس نقصان کی گہرائی کا اندازہ صرف عبدالحفیظ صاحب اور مرحومین کے بہت ہی قریبی لواحقین ہی لگا سکتے ہیں۔

قبلہ مولانا عبدالعزیز صاحب مرحوم اوران کی اہلیہ محترمہ (والدۂ عبدالحفیظ) کی میتیں جب ایک ساتھ ان کے گھر سے نکلیں، اور میں نے عبدالحفیظ کی آنکھوں سے بے بسی کی نمی کو آنسوؤں کی لڑی بنتے دیکھا تو میرا دل بھی ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر گیا۔ اتنا بڑا غم ....واقعی یہ بہت بڑا غم تھا۔

دراصل خوشی میں غم کا دخل، صحت میں بیماری کا آجانا، سوچے سمجھے بنے بنائے ارادوں کا معطل ہوجانا یا ٹوٹ جانا، یہ سب صبر کے مقامات ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قبلہ مولانا عبدالعزیز صاحب مرحوم اوران کی اہلیہ محترمہ مرحومہ کے عزیز واقارب اور خاص طور پر میرے عزیز ترین دوست عبدالحفیظ صاحب کو یہ صدماتِ عظیمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحومین کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ ☆

☆ ☆

فرمودۂ حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

''نماز ہر شخص پر، دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے۔ خواہ مرد ہو یا عورت، پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ۔ جاہل ہو یا عالم۔ نماز ہر ایک بالغ نے ہر حال میں پڑھنی ہی ہے۔ اور پھر مردوں کے لئے تو یہ بھی حکم ہے کہ وہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کریں۔ وہاں اگر کوئی عالم موجود ہے۔ تو وہ بجائے چوتھی پانچویں صف میں کھڑے ہونے کے پیش امام کے فرائض ادا کردے۔ اگر وہ ادائیگیٔ صلوٰۃ کیلئے مسجد میں موجود ہے۔ اور مقتدی کے بجائے امام صلوٰۃ کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ تو وہ ایک فرض ادا کر رہا ہے۔ ایک فرض کی ادائیگی کے لئے تنخواہ یا اجرت لینے کے کیا معنی؟ حالانکہ قرآن کریم کے اسلوب کے مطابق تمام انبیاء کرام اپنے مخالفین کو یہی ارشاد فرماتے رہے کہ میری بات سنو۔ مَیں تم سے اس کا کوئی اجر تو طلب نہیں کرتا۔ صحابہ کرامؓ کے واقعات میں بھی کہیں کسی تنخواہ دار امام صلوٰۃ کا تذکرہ نہیں ملتا۔ دراصل تنخواہ دار علماء کے سارے جواز، ملوکانہ، سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظاموں کے کرشمے ہیں۔''

☆ ☆

Marfat.com

حق بات کہنے والا مفسر قرآن

خامہ اثر
قاضی افتخار احمد ایڈووکیٹ (مرحوم)
(ماہر قانون)

''حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم نے اپنے دروس کے ذریعے لوگوں میں قرآن فہمی کا شعور پیدا کیا۔ علوم و پیغام قرآن کو آسان انداز میں لوگوں تک پہنچایا۔ اور جس جس نے خلوص دل کے ساتھ اور سیکھنے کی نیت سے ان کے دروس میں شرکت کی، اس کی تو کایا ہی پلٹ گئی۔''

یہ دسمبر 1997ء کی ایک سرد و تاریک رات تھی۔ مجھے مسجد الفاروق کے قریب سے گزرنے کا اتفاق ہوا۔ مسجد سے ایک خوش الحان، مسحور کن آواز میں آذان ہو رہی تھی۔ میں نماز کی ادائیگی کیلئے مسجد میں داخل ہو گیا۔ خوبصورت و کشادہ مسجد، پرسکون ماحول اور بارعب و پروقار امام صلوٰۃ۔ نماز عشاء باجماعت ادا کی تو درس قرآن کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تقریباً پچاس ساٹھ کے لگ بھگ لوگ موجود تھے۔ ایک سٹینڈ پر تختۂ سیاہ تھا۔ جس کے اوپر جلی حروف میں انتہائی دلکش انداز میں دو آیات کتابت کی گئی تھیں۔ دوران درس یوں محسوس ہو رہا تھا کہ امام صلوٰۃ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مذکورہ آیات کی اس انداز میں تشریح فرما رہے ہیں کہ ایک ایک لفظ واضح ہو کر مکمل مفہوم کے ساتھ سننے والوں کے ذہنوں میں منتقل و پیوست ہوتا چلا جا رہا ہے۔ الفاظ کی لغوی تشریح، تفسیری نکتے، احادیث صحیحہ کا ضمنی تذکرہ، تاریخ کے حوالے سے دلائل، غرض درس قرآن کیا تھا، علوم قرآن کی ایک مکمل صوتی تصویر و دستاویز۔ سننے والے ہمہ تن گوش، مؤدب اور روحانی

Marfat.com

سکون وطمانیت کی دولت سے مالا مال۔ حضرت کا درس تقریباً سوا گھنٹے تک جاری رہا۔ انداز بیان میں اس قدر کشش تھی کہ درس کا مفہوم و پیغام مکمل طور پر ذہن نشین ہو گیا۔

معلومات کرنے پر معلوم ہوا کہ درس کا یہ سلسلہ کئی برس سے جاری ہے۔ اور ہر روز بعد از نماز عشاء' سوائے جمعۃ المبارک' روزانہ باقاعدگی کے ساتھ اس منفرد درس قرآن کریم کا اہتمام ہوتا ہے۔ جبکہ رمضان المبارک میں صبح صلوٰۃ الفجر کے بعد۔ بہت خوشی ہوئی اور میں نے اس درس قرآن میں مستقل طور پر شریک ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

چنانچہ دسمبر 1997ء سے حضرت کی وفات تک میں باقاعدگی کے ساتھ مسجد الفاروق میں نماز عشاء ادا کرنے اور درس میں شریک ہونے لگا۔

آپ کے آسان' عام فہم' حقائق سے بھرپور عالمانہ اور خوبصورت انداز بیان سے متاثر ہو کر میں نے اس کا تذکرہ اپنے دوستوں صوبیدار ودادی حسین صاحب اور محترم عبدالقیوم خان صاحب سے کیا۔ اور انہیں درس میں شرکت کی دعوت دی۔ دونوں صاحبان نے بھی حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم کے انداز بیان کو بہت ہی زیادہ پسند کیا اور پھر انہوں نے بھی درس قرآن سے استفادہ کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیا۔

میری یہ ذاتی رائے' تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اگر دین اسلام اور قرآن حکیم سے سچی محبت رکھنے والا کوئی بھی فرد' ایک بار حضرت کے درس میں شرکت کر لیتا تو پھر دن بھر اس کے دل میں یہ احساس اور جذبہ موجزن رہتا کہ کب نماز عشاء کا وقت آئے اور وہ درس میں شریک ہو۔ یوں ہم سب سارا دن نماز عشاء اور درس قرآن حکیم کا خصوصی طور پر انتظار کرتے رہتے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم نے اپنے دروس کے ذریعے لوگوں میں قرآن فہمی کا شوق پیدا کیا۔ علوم و پیغام قرآن کو آسان انداز میں لوگوں تک پہنچایا۔ اور جس جس نے خلوص دل کے ساتھ اور سیکھنے کی غرض سے ان کے دروس میں شرکت کی' اس کی تو کایا ہی پلٹ گئی اور وہ قرآن کریم میں موجود اللہ تعالیٰ کے احکامات کو سمجھنے میں آسانی محسوس کرنے لگا۔

حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم نے اپنے دروس میں، قرآن فہمی کے ضمن میں' اللہ تعالیٰ کی وحدانیت،

Marfat.com

حضرت محمد ﷺ کے اسوۂ حسنہ، حقوق اللہ وحقوق العباد، اخلاص، عبادات، یوم آخرت اور قرآن کریم کے دیگر مضامین کا خصوصیت سے تذکرہ کیا۔

آپ نے نہایت نامساعد حالات کا بڑے تحمل اور بردباری سے مقابلہ کیا۔ اور حق بات کہنے میں بااثر لوگوں یا پریشر گروپس کی طرف سے ترغیب وتحریص یا دھونس پر کبھی مصالحت نہ کی۔

آپ چونکہ جامع مسجد الفاروق رضی اللہ عنہ کی انتظامیہ کے سرپرست اعلیٰ بھی تھے۔ اس لئے آپ نے دروس کے ساتھ ساتھ مسجد کی توسیع اور تزئین و آرائش پر بھی خصوصی توجہ دی۔ اس وقت جامع مسجد الفاروق رضی اللہ عنہ کا شمار انتہائی خوبصورت مساجد میں ہوتا ہے۔ آپ نے مسجد کے انتظامات و معاملات بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے۔

آپ نے اپنی بیماری کی شدت کے باوجود، جب بھی صحت نے معمولی سی بھی اجازت دی، دروس کے سلسلے کو جاری رکھا۔ اور اپنی علمی کاوشوں سے اس فیض کو جاری وساری رکھا۔

آپ 11 جنوری 2002ء بروز جمعۃ المبارک اس دار فانی سے شب 2 بجے رحلت فرما گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی کہ آپ کی اہلیہ محترمہ بھی اسی شب 2 بج کر 10 منٹ پر رحلت فرما گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ کے سفر آخرت میں ہزاروں پیر وجوان اور خواتین سوگوار تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ہر گھر کا اپنا سربراہ اس سے بچھڑ گیا ہو۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کی وفات نہ صرف حضرت کے اہل خانہ، اہل محلّہ، مصاحبین اور اہلیان راولپنڈی کے لئے بلکہ پورے ملک کے اصحاب علم کیلئے ایک ایسا عظیم نقصان ہے کہ جس کا خلا کبھی پُر نہیں ہو سکے گا۔

میں خصوصیت سے حضرت کے اہل خانہ کے صبر جمیل کیلئے دعا گو ہوں اور علامہ اقبالؒ کے اس شعر پر اپنے تعزیتی کلمات کا اختتام کرتا ہوں۔ میرے خیال میں یہ شعر حضرتؒ کی زندگی کا عکاس ہے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ایک ہمہ گیر شخصیت

خامہ اثر: جناب عبدالرحمٰن (کاشف) فاروقی ماہر نشریات

"آپ کا خطاب انتہائی سہل اور ایک عام آدمی کو آسانی سے سمجھانے والا ہوتا۔ آپ ہمیشہ عام فہم الفاظ کا چناؤ فرماتے۔ اور اپنے نکتۂ نظر کو انتہائی مضبوط اسناد اور دلائل سے واضح فرماتے۔"

انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ جب وہ کوئی کام کرتا ہے، تو اُس کے اچھا یا اچھا نہ ہونے کے بارے میں، دوسروں کی رائے جاننے کی بھی خواہش رکھتا ہے۔ پھر جب اس کی کاوشیں سراہی جائیں تو مزید بہتر کی جستجو میں مصروفِ عمل ہو جاتا ہے۔ یوں ہمیشہ اچھائی کی تلاش انسان کو راستے سے بھٹکنے نہیں دیتی۔ جبکہ غیر ضروری تنقید اچھے بھلے انسان کو گمراہی میں دھکیل سکتی ہے اور ہم ایک اچھے انسان کو خود اپنے ردعمل سے گنوا بیٹھتے ہیں۔ بس یہی انسانی فطرت میری اور مولانا عبدالعزیز مرحوم کی ملاقات کا سبب بنی۔

ہُوا یوں کہ اشعار کہتے کہتے میں نے اسے کتاب کی صورت دے کر دوسروں تک پہنچانے اور دوسروں سے اپنی اس کاوش کی اچھائی کی سند حاصل کرنا چاہی۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے اپنے دوست عبدالحفیظ صاحب سے تذکرہ کیا۔ اس لئے کہ یہ بات میرے علم میں تھی کہ ان کے والد مولانا عبدالعزیز ایک کہنہ مشق خطاط ہیں۔ عبدالحفیظ صاحب نے میری اس خواہش کا ذکر اپنے والد گرامی مولانا عبدالعزیز مرحوم سے کیا تو انہوں نے باوجود اپنی گوناگوں مصروفیات کے کمال شفقت و محبت سے میری کتاب کی

Marfat.com

کتابت کا بیڑا اٹھالیا۔ اور پھر یوں ایک روز مولانا مرحوم سے ہماری ملاقات کے لئے وقت لیا گیا تا کہ کتاب سے متعلق کچھ ضروری امور پر تفصیلی گفتگو ہو سکے اور کتاب کم خرچ میں اچھے انداز سے دوسروں کو پیش کی جا سکے۔

ہماری یہ ملاقات کوئی زیادہ طویل نہ تھی۔ بس یہی کوئی گھنٹہ بھر کی ملاقات ہو گی۔ لیکن اس مختصر سے وقت میں آپ نے جس محبت وشفقت کا برتاؤ کیا، اس نے مجھے آپ کا گرویدہ بنا دیا...... پھر اسی کتاب کے اشاعتی امور سے متعلق گاہے بہ گاہے ملاقات ہونے لگی۔ گو کہ یہ ملاقات کتاب (چشمِ ویراں) سے متعلق اشاعتی امور کے حوالے سے ہوتی لیکن باتوں ہی باتوں میں ہم دنیا بھر کے موضوعات پر گفتگو کر جاتے۔ کبھی روزمرہ انسانی رویئے، کبھی سیاست اور کبھی مذہب اور کبھی تقابل ادیان۔ ان موضوعات پر گفتگو کے دوران میں نے یہ اندازہ لگایا کہ مولانا مرحوم زندگی اور زندگی سے متعلق ہر موضوع پر گہری نظر اور مطالعہ رکھتے ہیں۔ ادب ہو کہ شعر، سیاست ہو کہ مذہب یا عام انسانی رویئے، آپ ہر موضوع پر انتہائی مدلل گفتگو فرماتے۔ مولانا کا مطالعہ اس قدر وسیع تھا کہ انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ مولانا کو کتاب بینی کے علاوہ بھی کچھ آتا ہے کہ نہیں۔ ظاہر ہے جس شخص نے اپنے ہاتھوں سے ہر موضوع پر سینکڑوں کتابیں ایک کاتب کی حیثیت سے نقل کی ہوں اس کا مطالعہ کیوں نہ وسیع ہوگا۔ لیکن اس مطالعے کو اپنے ذہن اور اپنی سوچ میں مقید رکھنے کی سب سے بڑی وجہ ان کی اپنی علمی حیثیت اور ان کا اپنا ذوق تھا، ورنہ تو دنیا میں لاکھوں کاتب ہر روز ہزاروں کے حساب سے کتابیں نقل کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر بے چارے تحریر کے مطالب ہی سے نابلد ہوتے ہیں۔ یہی سب سے بڑی وجہ تھی کہ آپ ہر موضوع پر سند اور مضبوط دلائل سے گفتگو کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور آپ کی اس صلاحیت نے آپ کو اپنوں اور غیروں میں ہمیشہ ممتاز رکھا اور ہر ایک نے آپ کو عزت وتوقیر سے نوازا۔

مولانا عبدالعزیز مرحوم نصف صدی تک بلا معاوضہ اپنے محلے کی جامع مسجد میں امام صلوٰۃ وخطیب جمعہ وعیدین کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس ناچیز کو بھی چند جمعے آپ کا خطاب سننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ کا خطاب انتہائی سہل اور ایک عام آدمی کو آسانی سے سمجھانے والا ہوتا۔ آپ ہمیشہ عام فہم

Marfat.com

الفاظ کا چناؤ فرماتے اور اپنے نکتۂ نظر کو انتہائی مضبوط اسناد اور دلائل سے واضح کرتے۔ ان کا انداز ان عام خطیبوں سے یکسر مختلف تھا، جو اپنی گفتگو کو بےسُری گائیکی کے ذریعے اپنے سامعین کے کانوں میں ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو بے وزن اشعار کو بھی لہک لہک کر پڑھنے میں لذت محسوس کرتے ہیں اور اپنے حاضرین سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان کی ہر لگائی تان پر گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگا کر انہیں سند خطابت عطا کریں گے۔ جن کی گفتگو میں اسناد و دلائل سے زیادہ غیر مستند روایات اور مافوق العقل قصے کہانیوں کی بھرمار ہوتی ہے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم جب بھی گفتگو فرماتے آپ کے چہرے پر ہمیشہ سنجیدگی کے ساتھ خوبصورت مسکراہٹ سجی رہتی اور اپنے مخاطب کی عمر، اس کی سوچ اور اس کی علمی استعداد کو سامنے رکھ کر انتہائی مدلل گفتگو فرماتے۔

ہر چند کہ مولانا مرحوم ہمیشہ مجھ پر شفقت وعنایات کی بارش کئے رہتے مگر ان عنایات اور مہربانیوں میں اس وقت اور بھی اضافہ ہو گیا جب آپ کی ملاقات میری بیٹی کی شادی کے موقع پر میرے والد محترم حضرت مولانا عبدالرازق صاحب سے ہوئی۔ کہ دونوں بزرگ ایک عرصے سے ایک دوسرے کے شناسا تھے۔

مولانا عبدالعزیز مرحوم بہت بڑے موحد تھے۔ اور آپ نے ساری زندگی فلسفۂ وحدتِ ذات کو سلجھانے اور سمجھانے میں گزار دی۔ اس سلسلے میں آپ کا مکتبِ فکر مولانا غلام اللہ خان مرحوم کا مکتبِ فکر تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم اپنی جلالی شخصیت کے باعث بعض مخلص دوستوں سے محروم ہوئے جبکہ مولانا عبدالعزیز مرحوم نے اپنی جمالی شخصیت کے باوجود اپنوں اور غیروں میں یکساں توقیر وعزت بھی پائی اور حق گوئی کی پاداش میں خاندان و برادری کے مقاطعے کی منزلوں سے بھی گزرے۔

آج جبکہ وہ ہم میں نہیں، ان کی کمی کا احساس بڑی شدت سے ہو رہا ہے۔ آپ کی شخصیت ایسی تھی کہ جس کا نقصان صدیوں تک بھی پورا نہیں کیا جا سکے گا۔ نہ ہی ایسے لوگوں کا نعم البدل آسانی سے ملا کرتا ہے۔

آج جب مَیں اردگرد عقائد کی بے راہ روی پر سوچتا ہوں تو مولانا مرحوم کا چہرہ اس تاریکی میں

Marfat.com

چاندنی بکھیرتا مہتاب لگتا ہے۔

مگر وہ مہتاب اب رہا کہاں۔

کاشفؔ سیاہ رات کے تاریک شہر میں
اس چاند جیسے چہرے کی کرنیں کدھر گئیں

دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات میں بلندی عطا کرے اور آپ کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین۔

☆

شرک یہ ہے کہ اللہ کی صفت کسی اور میں جانے مثلاً:
کسی کو سمجھے کہ اس کو ہر بات معلوم ہے، یا
وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ یا ہمارا بھلا یا برا کرنا
اس کے اختیار میں ہے۔ اور یہ کہ اللہ کی تعظیم
کسی اور پر خرچ کرے مثلاً کسی چیز کو سجدہ کرے
اور اس سے حاجت مانگے اس کو مختار جان کر۔

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا سوادِ تحریر

''میں یہ کہتا ہوں کہ ذرا ذرا سی فروعی بات پر کفر کے فتوے میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ یہ اُن لوگوں کا شغل ہے۔ یہ ان کا پیشہ ہے۔ یہ ان کی گذر اوقات ہے۔ یہ ایک ماحول بنا کر سچے مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں۔ یہ ان لوگوں نے اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا ہے۔ میرے ساتھ قرآن کی آیات کی تائید ہے۔ مجھے کسی کا خوف نہیں۔ مجھے ان فتوؤں کی کوئی پروا نہیں۔ ان کے فتوے کسی بھی مسلمان کے ایمان و کفر کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔''

(حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

Marfat.com

صرف ایک ملاقات

خامہ اثر

جناب منظور الحسن (لاہور)

(ذی علم وکتاب شناس)

''مرحوم کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ روایتی جمودی عالم نہیں۔ بلکہ ایک ایسے عالم ہیں، جن کو بے شمار علوم پر اور حالاتِ حاضرہ پر کامل دسترس حاصل ہے۔''

11 نومبر، 2001ء کو میں اپنے ایک دوست ''عبدالواحد باجوہ''، جنہوں نے ریڈیو پاکستان سے اٹھارہویں گریڈ میں قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی تھی، لاہور سے اسلام آباد انہیں ملنے گیا۔ باتوں باتوں میں انہوں نے اپنے ایک ساتھی عبدالحفیظ اور ان کے والد مولانا عبدالعزیز کا ذکر اس انداز سے کیا کہ مجھے بیٹھے ہی بیٹھے ان سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔

12 نومبر 2001ء کو عشاء کی نماز کے بعد ہم دونوں ان کے دولت خانے پر حاضر ہوئے۔ زندگی میں ان سے ملنے کا پہلا موقع تھا۔ لیکن وہ باپ بیٹا اتنی اپنائیت اور چاہت سے ملے کہ مجھے ان کے ہاں بیٹھے ہوئے اجنبیت کا احساس نہیں رہا۔ خلوص اور محبت کا ماحول دیکھ کر دل ایک خاص فرحت محسوس کر رہا تھا۔

محترم عبدالعزیز زندگی کی کافی بہاریں دیکھ چکے تھے اور ان دنوں سخت صاحب فراش تھے۔ تکلیفیں تو انہیں تھیں، اس کے باوجود محفل میں برابر شریک تھے۔ اس وقت موضوع گفتگو تھا عظمت توحید اور شرک کی تباہ کاریاں۔ مولانا صاحب نہ صرف شریکِ گفتگو تھے بلکہ اپنے دھیمے لہجے اور مدلل گفتگو سے ہماری توجہ توحید باری تعالیٰ کی طرف مبذول کرا رہے تھے، جو دین اسلام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔

مرحوم کی گفتگو سے یہ حقیقت واضح ہوتی چلی گئی کہ اسلام کی اساس قرآن ہے اور قرآن کا بنیادی پیغام توحید

Marfat.com

ہے۔ توحید کی ضد شرک ہے۔ اور شرک اللہ تعالیٰ کو کسی صورت پسند نہیں۔ مرحوم نے توحید کی اہمیت اجاگر کرنے کیلئے بے شمار آیات پیش کیں۔ مرحوم کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ روایتی جمودی عالم نہیں۔ بلکہ ایک ایسے عالم ہیں جن کو بے شمار علوم پر اور حالات حاضرہ پر کامل دسترس حاصل ہے؛ اور وہ موجودہ مروّجہ ''نظام رُشد'' کا حصہ نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگرچہ میں ایک مسجد کا امام ہوں اور ایک عام ذہن میں اس سے مُلا ازم کا تصور ابھرتا ہے۔ لیکن مَیں مُلا ازم سے اِباء کرتا ہوں اور حق کی بات زبان پر لانے سے دریغ نہیں کرتا۔ سچ کہا علامہ اقبال نے کہ:

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

مزید فرمایا کہ اب تو میں بہت زیادہ بیمار ہوں حتیٰ کہ مجھ سے زیادہ دیر بیٹھا بھی نہیں جاتا لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت تندرستی عطا کی اور موقع فراہم کیا تو میں اپنے خطابات میں قرآن، توحید وسنت، فکرِ آخرت، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ہی موضوع بنا کر مسلمانوں کی اصلاح کے لئے کام کرتا رہوں گا۔

مولانا عبدالعزیز مرحوم نے اور بھی بڑی علمی اور فکری باتیں کیں، جن سے مجھے ان کے روشن ضمیر اور صاحب علم ہونے کا پتہ چلا۔ ہمیں کیا علم تھا کہ ٹھیک دو مہینے بعد اس گھنے اور ٹھنڈے علمی شجر کے سائے سے ہم ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیں گے۔

چونکہ مجھے بھی علم سے شغف ہے اس لئے جب میں نے ان کے اردگرد ہزاروں کتابیں پھیلی ہوئی دیکھیں تو میں نے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کا خزانۂ علم دیکھ لوں؟ آپ نے بخوشی اجازت دیدی۔ میں نے اُن کے کتب خانے میں بڑی اہم کتب دیکھیں۔ خصوصاً تفاسیرِ قرآن، احادیث کی مکمل کتب، فلسفہ، شاعری، سیاست، معاشیات، تاریخِ یورپ وافریشیا، سوانح اور جغرافیہ وغیرہ تمام موضوعات پر۔ اسی طرح تاریخ نگار علاّمہ محمود احمد عباسیؒ اور مولانا تمنا عمادیؒ کی تالیفات وتصانیف بھی جو برصغیر کے بڑے عظیم محققین میں سے تھے۔

مولانا مرحوم کی باتوں میں بڑی شائستگی اور شیرینی وحلاوت تھی۔ بڑے دھیمے لہجے میں بات کرتے

Marfat.com

تھے۔ان کے نورانی چہرے پر بڑی دل آویز سنجیدگی تھی۔اور وہ اپنے موقف کو بڑی دلیل و برہان سے پیش کرتے تھے۔

موسم سرد تھا اس لئے چائے اور اس کے لوازمات بھی موجود تھے اور میرے ذہن پر غالب کا یہ شعر بار بار دستک دے رہا تھا:۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

ہمیں کیا معلوم تھا کہ وہ صاحبِ بصیرت ہم سے اس قدر جلد جدا ہو جائیں گے۔اور ان کی یاد ہمارے نہاں خانہ ذہن وقلب میں نقش دوام بن کر ثبت ہو جائیگی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را ☆

اسیر تحریک نظام مصطفیٰ، حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کا والا نامہ

''یہاں باہر کی خبریں مسلسل پہنچ رہی ہیں۔لوگوں کی ملاقاتیں آتی ہیں۔تو ان سے باہر کے حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔لانگ مارچ کا بہت ہی چرچا ہے۔اسیران بہت ہی خوش وخرم ہیں۔جن کے حوصلے بہت ہی بلند اور قابل داد ہیں۔اور قابل دید ہیں۔لیکن ہمیں افسوس یہ ہے کہ ہم باہر کے لوگوں کی جدوجہد میں شریک نہیں ہیں۔کاش کہ ہم سب اسیران باہر کے ''قید خانے'' میں رہنے والے لوگوں کا ہاتھ بٹا کر خوش نصیب ہونے کا شرف حاصل کرتے۔مگر جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے، وہی ہوتا ہے۔''

ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی

۲۶۔اپریل ۱۹۷۷ء

بوقت پانچ بجے شام

Marfat.com

اِس عہد کی ایک بڑی شخصیت

خامہ اثر
جناب غلام سرور، سائنس دان

''جناب عبدالعزیز مرحوم ایک سچے مسلمان تھے۔ وہ ایک خوش گفتار، خوش اخلاق، مہمان نواز، سمجھدار، زیرک، مخلص اور رزق حلال کمانے والے بزرگ تھے۔ وہ اس عہد کی ایک بڑی شخصیت تھے۔ ان کی رحلت سے یہ عہد ایک بڑے شخص سے محروم ہو گیا۔''

ہمارے پیارے دوست عبدالحفیظ صاحب کو گزشتہ دنوں اپنے والد ماجد جناب عبدالعزیز کی رحلت اور اپنی والدۂ ماجدہ کی وفات کا انتہائی المناک دوہرا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ عبدالحفیظ صاحب نے، جو اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے ہیں، قرآن کی زبان میں اپنے کندھوں کو والدین کی اطاعت، خدمت اور فرمانبرداری میں عاجزی کے ساتھ ہمیشہ جھکائے رکھا۔ انہوں نے اپنے والدین کی وفیات کا یہ صدمہ نہایت شیر دلی، بلند حوصلگی اور صبر و استقلال سے نہ صرف سہا بلکہ اپنے آپ کو ایک بلند پایہ و بلند رتبہ مثال بھی بنایا۔ اور مجھ جیسے کمزور دل و گنہگار شخص کو بھی ششدر کر دیا۔

جناب عبدالحفیظ سے میری ملاقات ریڈیو پاکستان کے قومی نشریاتی رابطے کے پروگرام ''صبح پاکستان'' اور ''حی علی الفلاح'' کے حوالے سے ان کے دفتر میں کئی مرتبہ ہوئی۔ اس کے بعد اُن سے ملاقاتوں کا سلسلہ ان کے گھر ''دارِ بنی عبدالعزیز'' تک پھیل گیا۔ جہاں ان کے والد بزرگوار سے وقتاً فوقتاً ملنے کا شرف حاصل

Marfat.com

ہوتا رہا، جو کہ ان کے اس فانی دنیا سے کوچ کرنے تک جاری رہا۔ مجھے ان کی علالت کے دوران بیمار پرسی و عیادت کی سعادت بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی رہی۔ میں اپنے والدین کے سایہ سے محروم ہونے کی وجہ سے عبدالحفیظ صاحب کی خوش نصیبی پر رشک کرتا تھا۔ کہ ان کے نصیب میں والدین کی خدمت اوران کے لئے والدین کی بے لوث دعاؤں کا چشمہ جاری ہے، جس کے قائم ودائم رہنے کے لئے یہ گنہگار دعا گو بھی رہا۔ عبدالحفیظ صاحب کے والدین کو میں اپنے والدین کی مانند سمجھتے ہوئے دعا کی درخواست بھی کیا کرتا تھا اور جناب عبدالعزیز سے میری گزارش ہوتی تھی کہ جس طرح وہ اپنے بیٹے کے لئے دعا کرتے ہیں، بالکل اسی طرح وہ میرے لئے بھی دعا کیا کریں۔ اب میں ان دعاؤں سے محروم ہو گیا ہوں۔

عبدالحفیظ صاحب نے ہمیشہ اپنے آپ کو اپنے والدین کی خدمت کے لئے ہمہ تن وقف کئے رکھا۔ وہ ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہر لحہ مستعد رہتے۔ اور یہ ان کی خوش نصیبی ہے کہ ان کے والدین، ان سے خوش، اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ نیز عبدالحفیظ صاحب جس طرح ہم جیسے لوگوں سے دھیمے اور پروقار لہجے میں گفتگو کرتے ہیں؛ اس سے کہیں زیادہ عجز و نیاز میں ڈوبی ہوئی بات نہایت مؤدب ہو کر وہ اپنے ابو سے کیا کرتے تھے۔ اس طرح وہ اپنے لئے اللہ کی رحمتیں سمیٹتے رہے، جو اُن کے لئے نہ کم ہونے والا سرمایہ اور ڈھال ہیں۔

جناب عبدالعزیز مرحوم ایک شفیق، شریف النفس، باعلم و باکردار، رحم دل و بردبار، معلم قرآن وسنت شخصیت تھے۔ ان ہی خصائل کا عکس ان کے بیٹے عبدالحفیظ صاحب میں بھی نمایاں ہے، اس عکس میں عبدالحفیظ صاحب کی شخصیت کی جھلک بھی موجود ہے۔ یہ تربیت اولاد کی ایک عمدہ مثال ہے۔ اور یہی وہ عطیہ ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے فرمان کے مطابق ایک باپ اپنی اولاد کو دے سکتا ہے۔

جناب عبدالعزیز مرحوم سے میری پہلی ملاقات ہمدرد ہال راولپنڈی میں ایک تقریب کے دوران میں ہوئی تھی۔ بعد میں اکثر ملاقاتیں ان کے گھر میں، ان کے کمرۂ مطالعہ میں ہوئیں۔ میری نظر میں، ان کا کمرۂ مطالعہ اینٹوں کی بجائے کتب کی چنائی سے بنا ہے۔ دیواریں تو نظر ہی نہیں آتیں۔ مختلف موضوعات پر کتابیں ہی کتابیں ہیں، قدیم رسائل ہیں۔ قلمی نسخے ہیں، بیشتر کتابیں نایاب اور تاریخی نوعیت کی ہیں؛

Marfat.com

جنہیں اب حاصل کرنا کسی کے بس کی بات بھی نہیں۔ ان کے ذاتی کتب خانے میں اردو، فارسی، عربی اور انگریزی کے علاوہ کئی دیگر زبانوں میں مختلف موضوعات پر ہزاروں کتابیں ہیں۔ انہیں آثار رفتہ یا archives سے موسوم کیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ ان کا یہی کمرۂ مطالعہ ذہنی و قلبی تشنگی کا نہ صرف سامان مہیا کرتا ہے بلکہ ملاقات کے لئے آنے والوں کی تواضع بھی یہیں ہوتی رہی ہے۔ پُر تکلف چائے کے ساتھ عبدالحفیظ صاحب کی والدہ مرحومہ کی اپنے ہاتھوں اور محبت سے مہمانوں کے لئے تیار کردہ خالص، لذیذ اور پُر غذا اشیاء خورد و نوش بھی مہمانوں کو پیش کی جاتی تھیں، جن کا ذائقہ دوبارہ چکھنے کو جی چاہتا تھا۔ اور آئندہ ملاقات کا انتظار کیا جاتا تھا۔ جناب عبدالعزیز مرحوم مہمانوں کو کچھ نہ کچھ کھلا پلا کر دعاؤں کے ساتھ رخصت کرتے تھے۔ الحمدللہ، یہی روایت عبدالحفیظ صاحب بھی اپنے والد محترم کی طرح قائم رکھے ہوئے ہیں۔

جناب عبدالعزیز مرحوم دیگر خوبیوں کے علاوہ ایک اچھے خوش نویس بھی تھے۔ یہی ان کا ذریعۂ اوقات بھی تھا۔ اسی طرح وہ وقتاً فوقتاً عبدالحفیظ صاحب کی تحریروں کو نہایت محنت کے ساتھ زیور طباعت سے آراستہ کرتے اور ان کی کتب و کتابچوں کو انتہائی محبت، خلوص اور دعاؤں کے ساتھ تحفۃً عنایت کرتے تھے۔ وہ گھر آنے والے مہمانوں کو فخر و مسرت کے ساتھ اپنا ذخیرۂ کتب دکھایا کرتے تھے۔ ایک خاص بات اُن میں یہ بھی تھی کہ وہ اپنے علم اور مطالعے کو اپنی ذات تک ہی محدود نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ انہوں نے اسے پھیلانے کے لئے مختلف انداز اپنا رکھے تھے۔ وہ اپنے احباب کو کتابوں کے تحائف پیش کرتے۔ علمی و تحقیقی کتابوں کے مطالعے کی دعوت دیتے۔ اپنے مشاہدات ان کے سامنے بیان کرتے۔ اپنے تجربات اور زمانے کے نشیب و فراز سے آگاہ کرتے۔ وہ جامع مسجد الفاروق ؓ میں، جس کے وہ امام و خطیب تھے، اپنے شاگردوں اور مستقل سامعین کو اپنے علم سے فائدہ پہنچاتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مسجد کی تزئین و آرائش، تنظیم و ترتیب اور سہولیات بہم پہنچانے سے بھی غافل نہیں رہے۔

جناب عبدالعزیز بہت صابر و شاکر اور بلند ہمت تھے، ان کے گردوں کی dialysis کے دوران عیادت کیلئے گیا تو نہایت بلند حوصلہ پایا۔ انہیں اوپر تلے کئی مرتبہ جراحی کے عمل سے بھی گزرنا پڑا۔ جراحی کے اثرات آخر تک رہے۔ اور تمام تر جواں مردی سے مقابلہ کے باوجود وہ نحیف تر ہوتے چلے

Marfat.com

گئے۔ اسی بیماری کے دوران میں، وفات سے چند دن پہلے بینک روڈ، صدر، راولپنڈی پر عبدالحفیظ صاحب کے ہمراہ ان سے ملاقات ہوئی۔ دیکھ کر اور مل کر حیران بھی ہوا، اور خوش بھی۔ بظاہر صحت بہتر ہو رہی تھی۔ عبدالحفیظ صاحب ان کے لئے کچھ خریداری کرنا چاہتے تھے۔ میں سوچنے لگا، بالکل اسی طرح اور اسی پیار سے، جیسے جناب عبدالعزیز مرحوم ان کے بچپن میں ان کے لئے خریداری کرتے ہوں گے۔ مجھے بہت اچھا لگا۔ میں خود اپنے ماضی میں کھو گیا۔ اور میرے اپنے والدین کی محبتیں، یادداشتیں اور گزرے ہوئے واقعات میرے ذہن کی سکرین پر لحہ بہ لحہ فلم کی طرح چلنے لگے۔

جناب عبدالعزیز مرحوم ایک سچے مسلمان تھے۔ وہ ایک خوش گفتار، خوش اخلاق، مہمان نواز، سمجھدار، زیرک، مخلص اور رزق حلال کمانے والے بزرگ تھے۔ وہ اس عہد کی ایک بڑی شخصیت تھے۔ ان کی رحلت سے یہ عہد ایک بڑے شخص سے محروم ہو گیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے صاحبزادے عبدالحفیظ صاحب اور ان کے اعزہ و احباب کو شعور قرآن کی دولت عام کرنے اور ان کی فکر کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور جناب عبدالعزیز کے درجات بلند فرمائے اور انہیں اور ان کی اہلیہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ ثُمَّ آمِیْن۔ یَارَبَّ الْعَالَمِیْن۔

☆

''جو ''حدیث'' نص قرآن سے متصادم ہو۔ یا خلافِ عقل ہو، وہ حدیثِ رسولؐ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسی بات بیان نہیں فرما سکتے، جو آیتِ قرآن کے خلاف ہو۔ یقیناً ایسی بات کسی نے بعد میں وضع کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی ہے۔''

(حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

Marfat.com

ہاں وہ مجھے اچھے لگے

خامہ اثر

سید اکرام الحق جاوید
(صاحب طرز ادیب و شاعر، صحافی و کالم نگار)

''مولانا مرحوم نے بھی اپنی زندگی خوب نبھائی۔ مسلک کے اعتبار سے انہیں اختلافات کا سامنا بھی تھا۔ وہ کہیں ہدف تنقید بنے اور کہیں حرف توصیف۔ مگر وہ اپنے مؤقف پر چٹان کی طرح ڈٹے رہے۔ نہ بکے نہ جھکے۔ نظریئے میں جھول آنے دیا نہ ہی اس پر بارگیننگ کی۔ ایک بہادر شخص کا یہی حال ہوتا ہے۔ یہی انداز ہوتا ہے۔''

میری ان سے پہلی ملاقات موتی محل پلازہ میں ہوئی۔ جہاں وہ اور میں اپنے اپنے کام کے سلسلے میں کمپیوٹر ڈیزائنر اور ہمارے مخلص دوست محمد عاشق کے پاس آئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کا مؤدب اور فرمانبردار لخت جگر عبدالحفیظ بھی تھا۔ عبدالحفیظ صاحب سے ہمارے احترام کا رشتہ ان کی بااخلاق گفتگو اور صاف گوئی کا مرہون منت ہے۔ مگر جس انداز سے انہوں نے اپنے والد گرامی سے میرا تعارف کرایا وہ کئی منزلیں آگے سفر طے کر چکا تھا۔ وہ تھا ہمارا باہمی رشتہ، رشتۂ توحید، .... مولانا مجھے پہلی ہی نظر میں اچھے لگے۔ اُن دنوں ''روشن حقائق'' منظر عام پر آنے کے لئے پَر تول رہے تھے۔ مجھے ایک کاپی ملی۔ میں نے اس پر روزنامہ ''دن'' میں، جس میں کہ میں فورم انچارج کی ذمہ داریاں نبھا رہا تھا، تبصرہ لکھا۔

صاف ظاہر ہے جب مجھے کچھ لکھنا ہے تو پھر سوچنا پڑے گا۔ ہمارے ہاں تو ایک دستورِ تحریر یہ بھی ہے

کہ بغیر سوچے سمجھے بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ لیکن میں شاید اتنا قابل نہ تھا۔ اس ناطے میں گومگو میں تھا کہ کیا لکھا جائے اور کس طرح لکھوں کہ مولانا کی شخصیت کے بیشتر پہلو بھی اُجاگر ہو جائیں۔ اور اپنی ''صلاحیت'' کا بھرم بھی رہ جائے۔ میں نے پھر جب ''روشن حقائق'' کو قریب سے دیکھا تو ''چونک'' گیا............ وہ سادگی کا پیکر تھے۔ کوئی غرور و تکبر نہ تھا۔ وہ اس ماڈرن دور میں بھلے وقتوں کے ''مولوی'' نظر آتے تھے۔ کوئی کروفر، ہما ہمی نہ تھی، پکڑ دھکڑ و، اور لش پش کا ہلہ گلہ نہ تھے۔ دھیمے دھیمے لہجے میں ندی کی روانی کے ساتھ گفتگو نے ہمیں تو سچی بات ہے، اسیر کر لیا............ اس دنیا میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کون ہے کہ جو کوتاہیوں، غلطیوں اور خطاؤں سے مبرّا ہو، لیکن ایک عالم دین سے خوش اخلاقی کا اظہار اور اس کے ساتھ عاجزی وانکساری بھی...... یہ بات ہمیں اس امر پر مجبور کرنے لگی کہ ہم ان کی تیمارداری کریں۔ مجھے دو تین مرتبہ ان کی بیمار پرسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ میں جب بھی ملا، ان کو اسی پیمانے پر پایا۔ حالانکہ بیماری سے چڑچڑاپن اور اُکتاہٹ کا پیدا ہو جانا فطری امر ہے۔ مجھے یقین سا ہونے لگا کہ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ اس نظریئے کو تقویت اس وقت ملی جب بعد میں برادرم عبدالحفیظ اس کی تائید اور توثیق کر دیا کرتے۔

مولانا نے اپنے علم اور حلم کے بل بوتے پر قوم کو ایک تربیت یافتہ بیٹے سے نوازا۔ معاشرے کو ایک اچھا شہری بخشا۔ اور وطن کو ایک قابل فرزند عطا کیا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ میں نے بڑے بڑے مولوی، عالم دین، علاّمے اور فہامے دیکھے ہیں۔ میرا نت ان سے واسطہ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ انہوں نے اپنے پیچھے صرف ''سوگواروں'' کی فوج کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑا۔ ان کے پسماندگان کے لب و لہجے، کردار و اطوار اور تعلیم و تربیت اپنے مرحوم والد سے قطعاً لگا نہیں کھاتی۔ یہ اللہ کا شکر ہے کہ مولانا نے عبدالحفیظ صاحب کی شکل میں ایک قابل فرد اور باصلاحیت انسان اپنے سوگواروں کی صف میں چھوڑا ہے۔ یہاں توصیف کا مقصد بیٹا نہیں بلکہ اس باپ کے کردار کو اجاگر کرنا ہے کہ جس نے مرتے وقت ''آدمیت'' کو اس طرح بھی شرف سے نوازا ہے کہ لوگ انہیں قیامت تک یاد کرتے رہیں گے اور یہ صدقۂ جاریہ ہے۔

میں چونکہ آرٹ کا بھی طالب علم ہوں، صحافت کے ساتھ ساتھ مجھے اس شعبے میں شغف اور قدردانی

Marfat.com

بھی ہے۔ مولانا نے اپنی زندگی میں اس صنف سے بھی رشتہ استوار کیا، اور خوب کیا۔ میں کبھی کوئی فن پارہ دیکھتا ہوں تو تڑپ اٹھتا ہوں۔ مجھے ''Comments'' پاس کرنے کی عادت ہے اور حوصلہ افزائی میرا دستور ہے۔ میں نے عبدالحفیظ صاحب سے اس کا تذکرہ بھی کیا کہ مولانا نے اس سلسلے میں بہت محنت سے کام کیا اور سچی بات ہے کہ انہیں سرمہ لگانا بھی آتا ہے اور مٹکانا بھی۔

باپ سبھوں کے ہوتے ہیں۔ کوئی لاولد نہیں ہوتا لیکن میں نے ایام علالت میں ایک باپ کی اس کے بیٹے کے ہاتھوں خدمت کے کئی قابل ذکر مظاہرے دیکھے۔ بلکہ کئی لمحے ایسے بھی آئے کہ میں نے موازنہ کیا اور خود کو اس عظیم باپ کے فرمانبردار بیٹے سے بہت پیچھے پایا۔ تمام بیٹوں کے لئے ایک مثال بننے والا یہ شخص آج اگرچہ اپنے والد کے سائے سے محروم ہے لیکن نبھائی خوب ہے اس نے!

مولانا مرحوم نے بھی اپنی زندگی خوب نبھائی۔ مسلک کے اعتبار سے انہیں اختلافات کا سامنا بھی تھا۔ وہ کہیں ہدفِ تنقید بنے اور کہیں حرفِ توصیف...... مگر وہ اپنے موقف پر چٹان کی طرح ڈٹے رہے۔ نہ بکے نہ جھکے، نظریے میں جھول آنے دیا نہ اس پر بارگیننگ کی، ...... ایک بہادر شخص کا یہی حال ہوتا ہے۔ یہی انداز ہوتا ہے۔ وہ اندر سے مطمئن تھے۔ ٹھوس تھے اور دلائل کا خزانہ ان کے پاس تھا...... ان سے یہ سیکھنا کیا کم ہے کہ تنکوں کی طرح ہر جھونکے کے ساتھ اڑ جانے والے کہیں اپنا نشان نہیں چھوڑا کرتے۔ انہوں نے خندہ پیشانی کے ساتھ زندگی کی صعوبتوں کو تو برداشت کیا ہی ہوگا۔ انہوں نے اوصاف حمیدہ کے سائے میں تنقید کے تیروں سے زخم بھی کھائے لیکن ایک مسکراہٹ ہمیشہ ان کے چہرے کی رونق بنی۔ مجھے وہ آج بھی یاد ہے اور ان کی یہ خوبی میرے لئے نشان منزل بن کر آگے بڑھتے رہنے کا حوصلہ دیتی رہے گی!!! ☆

> ''یہ ہمارا المیہ ہے کہ جس شخص نے اسلام کی جتنی زیادہ خدمت کی، اُس کو اتنا ہی زیادہ بدنام کیا گیا۔ اور پھر اسلام دشمنوں نے اس ہستی کو اپنوں ہی کی نظروں میں نفرت کی علامت بنا دیا۔''
>
> (حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

حق بات کہنے میں بیباک

خامۂ اثر

جناب بہادر خان وحید
(ماہر خطاط و کالم نگار)

''خود ان کے اندر بھی اشاعتِ علومِ قرآن کے لئے ہمہ وقت ایک تڑپ رہتی۔ اور احباب میں سے ہر کوئی اس کی حدت کو محسوس کرتا۔''

کروڑوں اربوں انسان اس دنیا میں آتے ہیں اور اپنے اپنے حصے کا کام کر کے، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کیا ہوتا ہے، چلے جاتے ہیں۔

ہمارے پیارے مولانا عبدالعزیز صاحبؒ، جن سے بندہ کا تعلق یا واسطہ کم وبیش چالیس برسوں پر محیط ہے، گزشتہ دنوں ہم سے جدا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے، جو ارحم الراحمین ہے، دلی دعا ہے کہ وہ ہمارے پیارے مولانا عبدالعزیز صاحبؒ کے لئے اپنی رحمتوں کے دروازے وا کر دے۔ آمین ثم آمین۔

مولانا صاحبؒ حق بات کہنے میں بڑے بیباک تھے۔ اور خاص کر قرآنی عقائد کے سلسلے میں بہت ہی سخت تھے۔ حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ کی قربت پر آپ کو ناز تھا۔ اور اشاعت علوم قرآن کیلئے ان کی شاندار خدمات پر وہ ان کے لئے رطب اللّسان رہتے۔ خود، ان کے اندر بھی اشاعت علوم قرآن کے لئے ہمہ وقت ایک تڑپ رہتی۔ اور ان کے احباب میں سے ہر کوئی اس کی حدت کو محسوس کرتا۔

بندہ کو روزنامہ تعمیر راولپنڈی میں ان کے ساتھ کام کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ 1963ء سے 1970ء تک مجھے ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ اس وقت روزنامہ تعمیر شیخ محمد صفدر صاحب کی

Marfat.com

ادارت میں سید پوری روڈ راولپنڈی سے شائع ہوتا تھا، اور پاکستان کے بڑے اخبارات میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ محمد فاضل مرحوم ایڈیٹر تھے۔ حفیظ سوہاوی مرحوم شعبۂ کتابت کے انچارج ہوتے تھے۔ منو بھائی فکاہیہ کالم لکھتے اور بشیر الاسلام عثمانی مرحوم اداریہ۔ مولانا عبدالعزیز صاحبؒ کی ڈیوٹی ادارتی صفحہ پر ہوتی تھی۔ ادارتی صفحے پر سمجھ دار اور اچھے خوش نویس کی ہی ڈیوٹی ہوتی تھی۔ اور اس کام سے تعلق رکھنے والے اصحاب اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ خوبی حضرت مرحوم میں خوب تھی۔ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ، جن سے بندہ کا تعلق ایک ہم پیشہ خوش نویس کا تھا اور بعد میں دوستی کی شکل اختیار کر گیا' میں نے جب بھی ان کے بارے میں سوچا یا غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ مولانا مرحوم بہت اچھے خوش نویس' زُود نویس اور وعدے کے پکے تھے۔ اور انہوں نے جو بھی کام شروع کیا، اسے پایہ تکمیل تک ہی پہنچا کر دم لیا۔ اور یہ بات بھی بالکل صحیح ہے کہ مولانا مرحوم نے زندگی بھر کتابت کو ہی اپنایا۔ مگر اولیت ہمیشہ اللہ کے کام کو دی۔ احباب کے اصرار اور زیادہ مشاہرہ ملنے کی پیشکش کے باوجود ایک بڑے روزنامہ میں کام کرنے کو ترجیح اس لئے نہ دی کہ اس سے مسجد میں دین کی خدمت کا کام متاثر ہوتا۔ کیونکہ وہاں رہ کر اس مقصد کے لئے وقت نکالنا ممکن نہ تھا۔ حالانکہ مولانا مرحوم خاصے عیالدار تھے۔

مولانا عبدالعزیز صاحبؒ کتنے پیارے انسان تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگالیجئے کہ مرحوم کی اہلیہ بھی، جنہوں نے ہر دکھ سکھ میں مرحوم کا ساتھ دیا اور ان کا حوصلہ بڑھایا' مرحوم کے انتقال کے ساتھ ہی اپنا حوصلہ ہار گئیں۔ اور یوں سچی رفاقت کی خوبصورت مثال قائم کر گئیں۔

اللہ کریم سے التجا ہے کہ وہ اپنی رحمت خاص سے مولانا عبدالعزیز صاحب مرحوم اور آپ کی اہلیہ مرحومہ کی صغیرہ کبیرہ' دانستہ نادانستہ تمام بشری لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمائے۔ اور مرحومین کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

اپنے تعزیتی کلمات کو بندہ حضرت میاں محمد بخش' صاحب سیف الملوک کے اس شعر پر ختم کرتا ہے۔

سنگ دے ساتھی لدی جاندے اساں وی ساتھ لداناں
ہتھ نہ آئے فیر محمد جاں ایہہ وقت وہاناں

☆

Marfat.com

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں ❋ بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لئے

ہمارے استاذ

ظلم کے سامنے جھکے نہ بکے

خامۂ اثر

ملک بابر ناہید اعوان

(تلمیذ خاص مولانا مرحوم)

"قرآن کریم کے ساتھ سچی محبت، ختم نبوت پر غیر متزلزل ایمان اور یوم آخرت پر انمٹ یقین ہی تھا کہ آپ نے چند روزہ زندگی میں مخالفتیں، مشکلات اور مصائب تو برداشت کر لئے۔ لیکن قرآن کریم کی واضح و روشن آیات پر کوئی مصلحت نہیں اپنائی۔ وہ غیر اللہ کے سامنے نہیں جھکے۔ وہ اہل ثروت کے ہاتھوں نہیں بکے۔ انہوں نے نظریات پر سمجھوتہ نہیں کیا، انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہو گئے۔"

میں نے 1990ء سے جامع مسجد الفاروق، سلطان پورہ، راولپنڈی میں باقاعدگی سے ادائیگیٔ صلوٰۃ کے لئے آنا شروع کیا تو حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کو امام و خطیب کے فرائض انجام دیتے ہوئے دیکھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے آپ کی قربت نصیب ہوتی گئی۔ آپ سے استاد شاگرد کا رشتہ قائم ہو گیا۔ آپ کے ساتھ سفر کرنے کے بھی مواقع ملے۔ اور ان بارہ برسوں میں ہمیشہ آپ کو ایک مخلص، شفیق اور دوسروں کے لئے ہمدرد اچھا انسان پایا۔

Marfat.com

آپ اکثر ہماری دکان پر تشریف لاتے۔ گفتگو ہوتی۔ دین کی باتیں ہوتیں۔ دنیا کی باتیں ہوتیں۔ حالات حاضرہ پر تبصرہ ہوتا۔ ملکی و عالمی امور زیر بحث آتے۔ اور پھر بات تاریخ کے بھولے بسرے واقعات تک جا پہنچتی۔ آپ تاریخی واقعات سناتے۔ مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب وعلل بیان کرتے۔ اور پھر آپ اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے کہ آخر مسلمانوں نے ماضی سے اپنا رشتہ کیوں توڑ لیا ہے؟ اور انہوں نے ماضی کے واقعات کو کیوں فراموش کر دیا ہے؟ پھر فرماتے کہ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ علم و آگہی اور شعور و ادراک کی مسلمانوں کے نزدیک اہمیت نہ رہی۔ اور پھر آپ اپنی گفتگو میں کتاب اور مطالعے کی اہمیت اجاگر کرتے۔ ہمیں کتابوں کی ضرورت و افادیت سے آگاہ کرتے۔ اور کچھ کتابوں کے مطالعے کا مشورہ دیتے۔

مزید برآں یہ بات بھی میرے لئے باعث اعزاز ہے کہ جب کبھی آپ بازار جاتے۔ اور مختلف کتب خانوں سے اپنے لئے کتابیں خرید کر لاتے، تو چند کتابیں میرے لئے بھی لے کر آتے۔ مجھے ان تحقیقی کتابوں کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے میں اندھیرے سے روشنی کی طرف جا رہا ہوں۔ میں اندھیری راہوں اور راتوں کا راہی تھا، مگر رفتہ رفتہ روشنی کا متلاشی ہوتا گیا اور منزل حق سے قریب تر ہوتا چلا گیا۔ ان کتابوں کے مطالعے سے دل و دماغ میں جاگزیں خود ساختہ باتوں کی نشاندھی ہوتی۔ اور پھر لمحہ بہ لمحہ استاذ محترم کی صحبت میں رہ کر اپنی ذات اور فکر کا محاسبہ کرنے کا موقع ملنے لگا۔ میں مروّجہ عقائد کا تجزیہ کرنے لگا، اور یہ سوچنے لگا کہ دین اسلام کا اصل پیغام کیا ہے اور ہم انفرادی و اجتماعی سطح پر بحیثیت فرد و قوم کہاں کھڑے ہیں؟

مجھے ابتداء میں آپ کی باتیں سمجھنے میں دشواری ہوئی۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ آپ کی مدلّل و پُر اثر اور قرآنی مفاہیم و مطالب کے مطابق باتیں قلب و ذہن میں نقش ہونے لگیں۔ استاذی المکرّم حضرت مولانا عبدالعزیزؒ اب اس دنیا میں نہیں۔ لیکن آپ کی یہ باتیں، آئندہ تمام زندگی میں میری رہنمائی کرتی رہیں گی۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے ہر معاملے میں میری رہنمائی فرمائی۔ اور سرپرستی کی۔ آپ میرے محسن

اور میرے استاذ تھے۔ آپ کی معیت میں رہ کر میں نے گفتگو کرنے اور نشست و برخاست کے آداب سیکھے۔ آپ کے انداز زندگی کا مشاہدہ کر کے مجھے اپنے اخلاق سنوارنے کا موقع ملا۔ آپ کے دروس میں بیٹھنے سے سوچ میں پختگی نصیب ہوئی۔ اکثر اوقات آپ کے در اقدس پر حاضری کا موقع ملتا۔ آپ کی ذاتی لائبریری میں ہزاروں کتابیں ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ تمام کتابیں پڑھی ہوئی ہیں۔ محض نمائش کے لئے نہیں سجا رکھیں۔ آپ کی ترغیب سے مجھے بھی چند کتابیں جمع کرنے کا موقع ملا۔ یہ کتابیں یا تو استاذ محترم نے خود لا کر دیں یا ان کی فہرست بنا کر دی۔ آج میرے پاس جو علمی و تحقیقی منتخب کتب کا ذخیرہ ہے، وہ سب آپ ہی کی بدولت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کو بے شمار صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں۔ آپ ایک صحیح العقیدہ مسلمان، ایک حق گو عالم دین، ایک مفسر قرآن، ایک محدث احادیث صحیحہ، ایک محقق، ایک وسیع المطالعہ، ایک وسیع البیان، ایک بہترین مدرس، ایک مایہ ناز خطاط، ایک صاف گو خطیب، ایک اعلیٰ منتظم، ایک متقی، سچے مؤمن، علم کا بحر بے کراں اور ایک نابغۂ روزگار شخصیت تھے، آپ بڑے بے خوف، بڑے نڈر، بڑے ثابت قدم، وسیع الظرف، بڑے متحمل اور بڑے معاملہ فہم تھے۔ آپ جرأت اور دلیری سے حق بات کہتے۔ اور پھر اس پر قائم بھی رہتے۔ عقائد اسلام اور احکام قرآن کے معاملے میں کبھی تملق و مصلحت کوشی کا شکار نہ ہوئے۔ زمانے کی سختیاں اور مخصوص گروہ سرمایہ داران کی سازشیں آپ کے قدم ڈگمگا نہ سکیں۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انساں نکلتا ہے

تقریباً نصف صدی پیشتر حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے والد گرامی حضرت مولانا فضل الٰہیؒ کی رحلت کے بعد، اس وقت کے علاقے کے مکینوں نے امامت و خطابت کے لئے آپ کا انتخاب کیا۔ آپ نے اس وقت سے زندگی کے آخری ایام تک اس عظیم ذمہ داری کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ نبھایا۔ اور کبھی کوئی کوتاہی نہیں برتی۔ آپ نصف صدی تک جامع مسجد الفاروقؓ میں بغیر کسی مالی منفعت اور دنیوی آسائش و آلائش کے امام و خطیب کے فرائض سر انجام دیتے رہے۔ آپ نے جلالۃ العالم خلیفۂ راشد حضرت عمر

Marfat.com

فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب مسجد کے منبر پر بیٹھ کر ہمیشہ بے خوفی کے ساتھ حق بات کہی۔ خالص توحید بیان کی۔ انبیاء کرام علیھم السلام کے مقام ومرتبہ کو بیان کیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پاکیزہ زندگیوں کو ایک مثال ونمونہ بنا کر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ اپنے خطبات میں بے ہنگم زندگی بسر کرنے والوں کو انسان کی تخلیق کے اصل مقصد سے آگاہ کیا۔ مسجد الفاروقؓ کے منبر ومحراب، اس کے در ودیوار، اس کے مینار اور اس علاقے کے رہنے والے گواہ ہیں کہ آپ نے اس منبر سے تعلیمات قرآن و سنت رسول اللہ کے خلاف، دین کے نام پر تراشے گئے ایسے خودساختہ ثوابات اور روایات کا رد کیا، کہ جو رفتہ رفتہ دین اسلام کا حصہ بن چکے تھے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے، مسجد الفاروقؓ کے منبر سے اسلام کے سچے فرزندوں کا دفاع کیا۔ بعض مؤرخوں نے اسلام کی جن مایۂ ناز عظیم ہستیوں کے کارناموں کو بازیچۂ اطفال بنا کر مطعون کیا، ان کی شان میں، روایات کے نام پر، گستاخانہ باتیں لکھیں، اور شعوری اور غیر شعوری طور پر ان کے متعلق غلط باتیں تاریخ کا حصہ بنا دیں۔ آپ نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے، اور کسی کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے، اپنی قوت ایمانی سے ان کا رد کیا۔ آپ نے تاریخ کی مظلوم شخصیات کی، اسلام کے لئے سنہری خدمات کو روشن و رخشاں کر دیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ ہمارا المیہ ہے کہ جس شخص نے اسلام کی جتنی زیادہ خدمت کی، اس کو اتنا ہی زیادہ بدنام کیا گیا۔ اور پھر اسلام دشمنوں نے اس ہستی کو اپنوں ہی کی نظروں میں نفرت کی علامت بنا دیا۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے اپنے دروس میں جہاں انبیاء کرامؑ کی عفت وعظمت، صحابہ کرامؓ کی شان و بزرگی، خلفاء راشدینؓ واموی حکمرانوں کے کارہائے نمایاں کو اجاگر کیا وہاں اسلام کے شیر دل جرنیلوں، مفکروں اور گمنام شہیدوں غازیوں کے حالات زندگی بھی بیان کئے۔ آپ کے پسندیدہ موضوعات میں اُن غلط فہمیوں کو بھی رد کرنا تھا کہ جو صحابۂ کرامؓ، اموی حکمرانوں، بالخصوص امیر حجاج بن یوسف ثقفیؒ، سلطان صلاح الدین ایوبیؒ، اورنگ زیب عالمگیرؒ، متاخر سامراج دشمن مسلمان حکمرانوں اور فرنگی کی غلامی قبول نہ کرنے والے علماء حق کے متعلق پھیلائی گئیں اور تاریخ کی روایات کے نام پر دین وایمان کا حصہ بنا دی

Marfat.com

گئیں۔الغرض آپ نے تمام اہل حق کا نہ صرف علمی دفاع کیا۔بلکہ ان کا صحیح مقام بھی بیان کیا۔

آج جب میں اپنے گرد و پیش نظر دوڑاتا ہوں۔تو مجھے اپنے محترم استاذ کی شخصیت، سب سے منفرد دکھائی دیتی ہے۔آپ نے مثالی زندگی بسر کی۔آپ بڑے ملنسار اور خوش گفتار تھے۔دوستوں کے سچے دوست تھے۔وہ دوستوں کی محفلوں میں کو تضیع اوقات کا ذریعہ بنانے کی بجائے علم وعرفان کے نور سے روشن کردیتے۔دوستوں کی محفلوں میں ایک ایک موضوع پر بہت دیر تک گفتگو فرمایا کرتے۔کبھی خوش طبعی کے طور پر مزاح بھی کیا کرتے تھے۔محفلوں کو ہر لمحہ سنجیدگی کو غالب رکھنے کے بجائے اپنی مرنجاں مرنج طبیعت سے زعفران زار بنادیتے۔انہوں نے اپنی حیات مستعار کے ایام بڑی خودداری، بردباری، سنجیدگی، عزت، وقار اور شان سے گزارے۔کبھی ناامید اور مایوس نہیں ہوئے۔مشکل حالات میں بھی پُر امید رہتے۔ہمیشہ مطمئن رہتے۔کبھی بھی اپنی کسی پریشانی یا حالات کا رونا نہیں رویا۔کبھی ناشکری کے کلمات زبان پر نہیں لائے۔وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر غیر متزلزل یقین رکھتے تھے۔فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑی امیدیں رکھنی چاہئیں۔وہ ضرور اسباب پیدا فرمائے گا۔

ہمارے استاذ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ قائدانہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ہمیشہ دوسروں کی حوصلہ افزائی کرتے۔زندہ رہنے کی باتیں کرتے۔انہوں نے کبھی کسی کی برتری کو قبول نہیں کیا۔کبھی کسی بااثر دولت مند یا جُبہ پوش سے مرعوب نہیں ہوئے۔کبھی کسی کی خوشامد نہیں کی۔وہ ہر انسان کی عزت نفس کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔انہوں نے کبھی کسی کا تمسخر نہیں اڑایا۔کسی کے ساتھ لایعنی مذاق نہیں کیا۔کسی کی تحقیر نہیں کی۔اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑا رعب اور دبدبہ عطا فرمایا تھا۔بڑے وقار اور متانت سے چلتے تھے۔محفلوں میں متانت سے تشریف فرما ہوتے۔بڑے مردم شناس تھے۔انسان کو پہلی نظر میں ہی بھانپ لیا کرتے تھے۔پڑھے لکھے اور باشعور لوگوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔زندگی کے متعلق ان کا فلسفہ تھا کہ جتنے دن اس دنیا میں رہو، عزت و وقار اور خودداری کے ساتھ رہو۔جیُو تو دلیروں کی طرح، مرو تو نیکوں کی طرح۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے ساری عمر رزق حلال کمایا۔اور دوسروں کو رزق حلال کی تلقین کی۔آپ نے دین کو ذریعۂ معاش نہیں بنایا۔اللہ تعالیٰ نے اُن کو کتابت کا ہنر وفن دیا تھا۔اپنے ہاتھ سے محنت کر کے

Marfat.com

اپنی اور اہل خانہ کی ضروریات پوری کرتے۔ کبھی کسی کے مال ودولت پر نگاہ نہیں رکھی۔ اپنے متعلق مرزا محمود سرحدی کے اشعار پڑھا کرتے تھے:

ہم نے اقبال کا کہا مانا
اور فاقوں کے ہاتھوں مرتے رہے
جھکنے والوں نے رفعتیں پائیں
ہم خودی کو بلند کرتے رہے

ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا عبدالعزیزؒ اگر چاہتے تو دولت کے انبار ان کے قدموں کی دھول بن سکتے تھے۔ کاریں، بنگلے، گودام اور بینک بیلنس بہ آسانی حاصل کر لیتے۔ دنیا کی آسائشیں خرید لیتے۔ اگر بعض ہم عصر علماء، ومشائخ کی روش اپنا لیتے، تعویز گنڈے اور جادو ٹونے ٹوٹکے کو ذریعہ معاش بنا لیتے، اور با اثر سرمایہ داروں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے، کتمانِ حق کرتے ہوئے اور خوشامد و کاسہ لیسی کو زندگی کا شعار بناتے ہوئے، پچاس برس محنت کرتے تو یقیناً مصائب وآلام ان کا مقدر نہ بنتے اور وہ تکفیر بازوں اور کافر گروں کے فتووں کا نشانہ بننے کے بجائے عوام کالانعام میں ایک زیادہ ہر دلعزیز شخصیت ہوتے۔ لیکن ہمارے استاذ محترم نے اپنے لئے اس فانی دنیا کے بجائے ابدی اور دائمی منفعت بخش زندگی کا سودا کیا۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ بڑے حقیقت پسند اور صاف گو تھے۔ انہوں نے کبھی کسی کے ساتھ لڑائی جھگڑا نہیں کیا۔ ایک بات فرمایا کرتے تھے کہ اس قوم کو تربیت کی ضرورت ہے۔ درگذر سے کام لیا کرو۔

آپ کو تاریخی مقامات دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اور ان مقامات کے حوالے سے مفصل واقعات فی البدیہہ، بلا تکان، سنایا کرتے تھے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ اپنی گفتگو میں بڑے لوگوں کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے حوالے سے ایک بات فرمایا کرتے تھے کہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ جس کسی سے کوئی بات سنی جائے اور وہ بات کسی اور کے سامنے بیان کرتے وقت اس کا حوالہ نہ دیا جائے۔ تو یہ خیانت ہوگی۔ ہمارے استاذ محترم عمر بھر اسی بات پر عمل پیرا رہے۔ آپ امیر شریعتؒ کے حوالے سے ہی مولانا رومیؒ کا ایک

شعر اکثر پڑھا کرتے تھے:

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
ہمہ آفتاب بینم ہمہ آفتاب گویم

یعنی نہ مَیں تاریکیٔ شب ہوں اور نہ اندھیروں کا پجاری۔ کہ خواب کی بات کروں۔ (بلکہ) مَیں سب آفتاب دیکھتا ہوں اور (روشنی بکھیرنے والے) آفتاب کی بات ہی کرتا ہوں۔

ہمارے استاذ محترم کی زندگی ایک حقیقت پسند انسان کی طرح اس شعر کی عمدہ تفسیر تھی۔

ہمارے استاذ، حضرت مولانا عبدالعزیزؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی شخصیت سے بہت متاثر تھے۔ اوران کے جیل وریل اور سفر وحضر کے واقعات بہت روانی کے ساتھ سنایا کرتے تھے۔ ان کی فرنگ دشمنی کے اقوال استاذ محترم کو ازبر تھے۔ اوراپنے خطبات و دروس میں اکثر بطور حوالہ پیش کیا کرتے تھے۔ امیر عزیمت چوہدری افضل حق مرحومؒ، علامہ شیخ حسام الدینؒ، علامہ تاج الدین انصاریؒ، آغا عبدالکریم شورش کاشمیریؒ اور حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کی فرنگ دشمنی کو موضوع سخن بناتے تو ایک سماں باندھ دیتے۔ حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کے حوالے سے ایک بات بیان فرمایا کرتے تھے۔ کہ قاضی صاحب مرحوم اکثر اپنے جلسوں میں دعا کرتے۔ کہ اے اللہ اکل حلال دے اور صدق مقال دے۔ استاذ محترم بھی اکثر یہی دعا کیا کرتے۔ استاذ محترم نے بڑے لوگوں کو دیکھا۔ ان کی باتیں سنیں اوران کا تذکرہ اپنے احباب تک پہنچایا۔ اوراس عمدہ انداز میں پہنچایا گویا اپنے اپنے عہد کے یہ عظیم لوگ مجسم ہمارے سامنے موجود ہوتے

ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا عبدالعزیزؒ اپنے دروس اور خطبات میں طاغوتی طاقتوں کی نشاندہی فرماتے۔ امت مسلمہ کے خلاف جب بھی دنیائے کفر نے اتحادی بن کر یلغار کی اور لوگ مایوس ہوئے، تو آپ نے لوگوں کو حوصلہ دیا۔ اصل حالات بتائے۔ تاریخ کی فراموش کردہ کڑیوں کو جوڑا۔ اور مستقبل کی خوفناک سازشوں سے قوم کو آگاہ کیا۔ آپ نے لوگوں کو بتایا کہ دنیائے کفر آج نہیں، ہمیشہ اسی طرح اتحادی بن کر مسلمانوں کے مقابلے میں آتی رہی ہے۔ آپ لوگوں کو بتاتے کہ اسلام، قرآن اور مسلمانوں کے اصل

Marfat.com

دشمن کون ہیں! دنیا میں شیطانی قوتیں کس طرح اپنا گھناؤنا کردار ادا کرتی ہیں!! جن شخصیات نے بھی اسلام، قرآن اور مسلمانوں کے اصلی دشمن یہود و نصاریٰ کے خلاف علمی و عملی طور پر مزاحمت کی اور جہاد کیا؛ آپ ان کو خراج تحسین پیش کرتے۔ آپ مصر کے مرحوم صدر جمال عبدالناصرؒ کے بہت مداح تھے۔ اور ان کے حوالے سے ایک بات کہا کرتے تھے۔ کہ جمال عبدالناصر مرحوم کا قول ہے کہ اگر سمندر کی عمیق تہہ میں دو مچھلیاں بھی آپس میں برسرپیکار ہوں۔ تو سمجھو کہ اس میں بھی سیاست افرنگ کارفرما ہے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کا، دین اسلام کی دیگر خدمات کے ساتھ ساتھ، ایک عظیم کارنامہ یہ بھی ہے کہ تقریباً آٹھ سال قبل آپ نے درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ اس مقصد کے لئے نہایت سہل، آسان اور عام فہم طریقہ اپنایا۔ آپ کی کوشش یہ رہی ہے کہ لوگوں کو قرآن سمجھ آجائے۔ اور امت مسلمہ ہر قسم کے توہمات اور موضوعات و روایات سے پیچھا چھڑا کر قرآن کریم کے ابدی پیغام کو سمجھ سکے۔ اور لاشعوری طور پر مسلمانوں نے اپنے اوپر جو خود ساختہ بے جا پابندیاں عائد کر رکھی ہیں، ان سے آزاد ہو سکے۔ آپ نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود درس قرآن کریم کو جاری رکھا اور تادم زیست اسے آگے بڑھاتے رہے۔ اس دوران آپ درس حدیث بھی دیتے رہے۔ یوں ہمیں قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی مفہوم سے آگاہی نصیب ہوئی۔ جمعۃ المبارک کو خواتین اور بچیوں کو بھی درس قرآن دیتے تھے۔ قرآن کریم کے حوالے سے، آپ گزشتہ صدی کے آخر میں فرمایا کرتے تھے کہ میری بصیرت یہ کہتی ہے۔ کہ آئندہ صدی قرآن کریم کی صدی ہوگی۔ دنیا اس کی حقانیت کو تسلیم کرے گی، اور باقی ہر فکر و نظریئے اور روایت و کہانی کو رد کر دے گی۔ بول بالا اللہ کے احکام کا ہی ہوگا نہ کہ بزرگوں کے فرمان کا۔ آپ اسلامی تعلیمات کو بیان کرتے ہوئے دیگر مذاہب باطلہ کا بھی خوب علمی محاسبہ کیا کرتے۔ اور دلائل سے ثابت کرتے کہ بے شک اصلی اور صحیح مذہب و دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ کیونکہ وہ فطرت سے قریب تر ہے۔

ہمارے استاذ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ اپنے دروس میں عقائد و ایمانیات پر بہت زور دیا کرتے تھے۔ ایمان مفصل اور ایمان مجمل بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کرتے تھے؛ اور اس انداز سے انہیں موضوع گفتگو

Marfat.com

بناتے کہ ایمان مفصل کے مفاہیم قرآن کی آیات کی روشنی میں نئے نئے گوشے لئے ظاہر ہوتے۔ درس قرآن کے حوالے سے آپ بہترین مبلغ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرح صدر کر دی تھی۔ آپ کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی کہ قرآن کریم کی آیات مبارکہ کی صحیح تشریح کی جائے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن کریم کو آسان نازل کیا ہے لیکن ''علماء'' کہتے ہیں کہ یہ مشکل ہے۔ اور بہت سے رازوں کے اندر لپٹا ہوا ہے۔ انہیں آشکارانہ کیا جائے۔ آپ نے کبھی بھی آیات مبارکہ کے حوالے سے کتمان نہیں کیا۔ ایسا کرنا جرم سمجھتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔ یوم القیامہ کے بارے میں بڑی صراحت کے ساتھ بیان کرتے اور اس موضوع پر بڑی فصیحانہ وبلیغانہ گفتگو فرماتے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ آٹھ برس تک صلوٰۃ عشاء کے بعد درس قرآن دیتے رہے۔ آپ روزانہ تختۂ سیاہ پر ایک یا دو آیات کتابت کرتے۔ مغرب سے عشاء تک خوب تیاری کر کے درس کے لئے تشریف لاتے۔ اور صلوٰۃ عشاء کی ادائیگی کے بعد تختۂ سیاہ کے سامنے کھڑے ہو کر قرآن کریم کا درس دیتے۔ قرآن کریم کے ایک ایک لفظ کو صرف ونحو کی تراکیب اور لغوی مطالب وتفسیری تشریحات کے ساتھ بیان کرتے۔ اور ایسی باریک بینی اور ایسی شفقت وخلوص سے سمجھاتے کہ اس کا اثر دل ودماغ میں محسوس ہوتا۔ درس میں مستقل بیٹھنے سے ہر دوست میں لفظی ترجمہ کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی۔

مارچ 1994ء میں آپ نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 28 پڑھائی۔ اور اس آیت کے حوالے سے زندگی اور موت کے فلسفے پر قرآنی نکتۂ نظر سے بیان کرتے ہوئے بتایا کہ قرآن کریم کی اس محکم آیت کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے۔ تو پھر وہ قیامت کے دن ہی اٹھایا جائے گا۔ مرنے سے قیامت قائم ہونے تک کوئی زندگی نہیں ہے۔ اور نہ ہی قبر میں مردے کو یا اس کی روح کو کسی بھی جگہ زندہ کیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جزاء وسزا کے لئے ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔ قیامت کا دن۔ اس دن کے قائم ہونے سے پہلے جزاء وسزا کا کوئی تصور نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی دن کو جزاء وسزا کا دن قرار دے دیا ہے۔ اس ضمن میں آپ نے سورۃ مؤمن کی آیت 11 کے مفہوم میں دو

Marfat.com

زندگیوں اور دو موتوں کا تذکرہ بھی کیا۔ اور پھر آپ نے قرآن کریم میں سے ہی اس حوالے سے مزید بہت سی آیات بھی پیش کیں۔ مگر ہُوا یہ کہ قرآن کریم کی ان آیات کے مقابلے میں ہر طرف سے روایات کا ایک زبردست طوفان کھڑا کر دیا گیا۔ ''جمہوری و جمودی علماء'' کی طرف سے ایک شور بلند بپا ہو گیا۔ جن سرمایہ داروں کو سرمائے سے محبت نہ کرنے کے لئے استاذ محترم وعظ فرمایا کرتے تھے، ان کی طرف سے طولانی منظم پروپیگنڈہ شروع ہو گیا۔ فتوے باز میدان میں آ گئے۔ علاقے کے سرمایہ دار اس ''اتحاد'' میں شامل ہو گئے۔ مروّجہ ''اہل تبلیغ'' نے اس محاذ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ شہر بھر کے مذہبی اجارہ داروں، سرمایہ داروں اور بااثر گروہوں نے ایک اکیلے عالم دین کے خلاف محاذ بنا لیا۔ ان لوگوں نے قرآن کی واضح آیات کے مقابل روایات کا سہارا لے کر ایک متقی، راسخ العقیدہ، بے لوث، حق گو عالم دین کو دیوبندیت، حنفیت، اہل سنت اور پھر اسلام سے خارج قرار دے دیا۔ کفر کے فتوے صادر کر دیئے۔ یہ لوگ، آپ کی اقتداء میں لوگوں کو عبادت سے روکنے لگے۔ مسجد میں چندہ دینے سے منع کرنے لگے۔ آپ کا معہ اہل خانہ مقاطعہ کر دیا۔ بائیکاٹ کر دیا۔ لوگوں کے گھروں میں جا کر آپ سے بدظن کیا۔ فتووں کی تشہیر کی۔ یہ سب ''پرہیز گار'' دیوبندیت کے نام پر غیر مقلدوں اور بریلوی مسلک کے لوگوں کے ساتھ مل کر ''سوادِ اعظم کی حفاظت'' کے لئے سرگرم عمل ہو گئے۔ دن بہ دن دباؤ بڑھانے لگے۔ قرآن کریم کی واضح آیات کے مقابل ''سوادِ اعظم کے فیصلے'' کو بنیاد بنا کر ان دنیا پرستوں نے انتہائی مخالفت کر کے اپنے نامۂ اعمال سیاہ کر لئے۔ لیکن اس مسئلے کو سمجھنے کی سعی نہیں کی۔ آپ کی پیش کی ہوئی آیات قرآن کریم پر تدبر کرنے کی کوشش نہیں کی۔ آپ نے ان لوگوں کو دعوت دی کہ آؤ، اس مسئلے پر، ایک ہفتہ کے اندر اندر گفتگو کرتے ہیں۔ وہ لوگ نہ آئے۔ انہیں مباہلہ کا بھی چیلنج کیا۔ مگر ان لوگوں نے نہ آنا تھا، نہ آئے۔

یہ سب لوگ حق دشمنی میں متحد تھے۔ ایک اکیلے عالم دین اور خادم قرآن کے مقابلے میں لوگوں کو منظم کر رہے تھے۔ معدودے چند لوگوں کے اکثریت ان اشعار کی مصداق ہو گئی:

تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد

تاویل کا پھندا کوئی صیّاد لگا دے
یہ شاخ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد

اہل دانش کہتے ہیں کہ مروجہ درسی نظام تعلیم کے فارغین کا علم و تحقیق سے بظاہر کوئی واسطہ نظر نہیں آتا۔ الا ماشاءاللہ۔ان لوگوں نے جو جمودی علم پڑھ لیا، اسی کے مبلغ بن گئے۔مشاہدات و تجربات اور اوراق تاریخ میں بکھرے علماء حق کے واقعات بتاتے ہیں کہ جب بھی کسی نے قرآن کریم کی روشنی میں کوئی سچی و صحیح بات بتائی۔انہوں نے ایکا کر کے اس کے خلاف فتووں کی جنگ چھیڑ دی۔ یہ ایک دوسرے کی تائید کر کے اپنے فتووں کا وزن بڑھاتے چلے گئے۔مگر قرآن و سنت صحیحہ کے سچے مبلغوں کے لئے زندگی اجیرن کرتے رہے۔فیاللعجب۔

سلام ہے اس شخص پر، کہ جس نے بڑے صبر اور بڑی استقامت کے ساتھ اس ماحول اور ان حالات کا مقابلہ کیا۔قرآن کریم کی واضح آیات کا کتمان نہیں کیا۔ چند سکوں کے عوض آیات نہیں بیچیں۔

آپؒ نے ایک قرآنی مسئلے کو واضح کر کے، علم و تحقیق کو، ایک نئی جہت دی۔ اور لوگوں کی اس سمت میں رہنمائی کی۔آپ اکثر جناب میر غلام نبی ناسک (احرار) مرحوم کی ایک بات کو بیان کیا کرتے تھے کہ مؤمن اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔وہ مخالفت کے طوفان بپا کرنے والوں سے الجھتا نہیں۔

ان کٹھن حالات میں ہمارے استاذ مکرم حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے پائے استقلال میں سرِ مُو لغزش نہیں آئی۔ہم حیران ہوتے اور سوچتے تھے کہ اس پیرانہ سالی میں، ذمہ داریوں میں گھرے شخص کے سامنے وہ کون سا جذبہ تھا اور وہ کون سی تڑپ تھی کہ جس نے اسے انتہائی مضبوط بنا دیا۔ یقیناً یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر یقین کامل کی ہی منزل تھی۔قرآن کریم کے ساتھ سچی محبت، ختم نبوت پر غیر متزلزل ایمان، اور یوم آخرت پر انمٹ یقین ہی تھا کہ آپ نے چند روزہ زندگی میں مخالفتیں، مشکلات اور مصائب تو برداشت کر لئے۔لیکن قرآن کریم کی واضح و روشن آیات پر کوئی مصلحت نہیں اپنائی۔ وہ غیر اللہ کے سامنے نہیں جھکے۔وہ اہل ثروت کے ہاتھوں نہیں بکے۔انہوں نے نظریات پر سمجھوتہ نہیں کیا۔انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی۔وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہو گئے۔

Marfat.com

ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے باوجود رکاوٹوں اور مشکل حالات کے درس قرآن کریم کا سلسلہ جاری رکھا۔ ہر روز درس قرآن میں تعلیمات قرآن کی نئی نئی جہتوں سے شناسائی ہوتی رہی۔ الحمدللہ ہمیں آپ کے درس میں شریک ہوکر اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کامل کی دولت نصیب ہوئی۔ توحید، نبوت اور آخرت سے متعلق صحیح طور پر معلومات حاصل ہوئیں۔ انبیاء کرام علیھم السلام کے مقام سے آگہی ہوئی۔ نبوت وولایت میں تمیز ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی آسمانی کتابوں اور آخری کتاب قرآن کریم کے لفظی مطالب اوران کی تعلیمات کی روشنی ملی۔

آٹھ سال کے درس قرآن میں ہم نے اٹھارہ پارے پڑھے۔ آپ اپنے دروس میں اکثر مولانا ابوالکلام آزادؒ، علامہ محمود درویش اور علامہ محمود صافی کی تفاسیر و قرآنی حروف کی تحقیق سے استفادہ فرماتے۔ آپ کا یہ طریقہ تھا کہ روزانہ درس کے اختتام پر آیت درس کی مناسبت سے کسی ایک تفسیر میں سے اقتباس سناتے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ کے حوالے سے ایک بات بیان کیا کرتے تھے۔ کہ مسلمانوں نے حقیقی اسلام کے برعکس خودتراشیدہ مذہب کی بے جاسختیوں میں اپنے آپ کو جکڑ رکھا ہے۔ اور بے جا تقلید کی بیڑیاں پہن رکھی ہیں۔

تقریباً دو برس پہلے آپ علیل ہو گئے۔ اور درس کا سلسلہ عارضی طور پر موقوف ہوگیا۔ آپ کے دو آپریشن ہوئے۔ لیکن صحت بحال نہ ہوئی۔ آپ مسلسل صاحب فراش ہو گئے۔ اس دوران اگر کچھ وقت کے لئے افاقہ ہوتا تو درس کے لئے تشریف لاتے۔ آخر میں جب تکلیف حد سے بڑھ گئی۔ تو آپ کے Dialysis شروع ہو گئے۔ اور آپ کو سات ماہ میں 42 مرتبہ اس تکلیف دہ عمل سے گزرنا پڑا۔ Dialysis کے اس عمل سے ہونے والی اذیت کو آپ نے بڑے صبر سے برداشت کیا۔ اور کبھی آہ و بکا نہیں کی۔ بیماری کے دوران میں آپ کے گھر والوں نے آپ کی بہت خدمت کی۔ جس کا آپ اکثر تذکرہ فرماتے تھے۔ ہمارے محترم دوست چوہدری ظہور احمد صاحب، علاج کے تمام عرصے کے دوران میں آپ کے ساتھ رہے۔ استاذ محترم چوہدری صاحب موصوف کی اس خدمت کو اپنے اوپر احسان سے تشبیہ دیا کرتے۔

Marfat.com

میں یہ الفاظ لکھتے ہوئے انتہائی مغموم ہوں۔ آخرش وہی ہوا، جس سے کسی کو بھی مفر نہیں۔ استاذ محترم 11۔ جنوری 2002ء بروز جمعۃ المبارک صبح دو بجے اپنے گھر والوں، اپنے شاگردوں اور چاہنے والوں کو دینی، علمی اور تحقیقی لحاظ سے بے سہارا چھوڑ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○ اس سے بھی زیادہ دکھ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ صرف دس منٹ بعد آپ کی وفا شعار اہلیہ محترمہ، کو استقامت، مشکلات میں ساتھ دینے والی اور وفا شعاری کی عظیم صفات رکھنے والی، قابل احترام خاتون بھی استاذ محترم کے ساتھ ہی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ آپ ان صفات سے متصف تھیں کہ جن کا ذکر قرآن کریم میں مؤمنات کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ جب مخالفین نے اپنے پروپیگنڈے میں شدت پیدا کر دی۔ اور چاروں طرف سے کفریہ فتووں کی بھر مار ہونے لگی اور آپ کے گھرانے کا مقاطعہ کر دیا گیا۔ تو ان عظیم مؤمنہ خاتون نے یہ کہہ کر اللہ کا شکر ادا کیا کہ ''ہم اللہ کی رضا پر راضی ہیں۔ آپ نے (استاذ محترم نے) قرآن بیان کیا ہے۔ جیسا کہ اس کے بیان کرنے کا حق ہے۔ آپ نے کوئی جرم نہیں کیا۔ آپ اپنے قرآنی مؤقف پر قائم رہئے۔ اور جہاں تک میرا اور میرے بچوں کا تعلق ہے، اس راہ میں تمام مقاطعوں اور تمام مصائب کو ہم خوشی سے قبول کریں گے۔''

ان عظیم خاتون کے بارے میں استاذ محترم فرمایا کرتے تھے کہ وہ بڑے حوصلے والی خاتون ہیں۔ اپنے اہل خانہ کی بڑی خدمت گزار، بڑی عبادت گزار، بڑی نیک سیرت اور اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والی ہیں۔ ان عظیم خاتون نے استاذ محترم کا زندگی بھر ساتھ نبھایا۔ اور آخری وقت بھی آپ کو اکیلے نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کرے۔ بڑی عظیم خاتون تھیں۔ ان کی رحلت سے ہمارے لئے بھی دعاؤں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

آپ ذرا چشم تصور سے ان لمحوں کا تصور کیجئے۔ کہ ایک گھر میں دو بزرگوں کی ایک ہی وقت میں رحلت سے اس گھر کے مکینوں پر کیا بیتی ہو گی!

مجھے، محترم جمعہ گل اور چوہدری عبدالغفور کے ہمراہ اپنے استاذ محترم کی میت کو غسل دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جو میرے لئے قابل فخر ہے۔ غسل کے بعد جب میتوں کو باہر لایا گیا۔ تو غم گساروں کا رنج و

Marfat.com

الم دیدنی تھا۔ وہاں پر موجود تمام خواتین زیارت کی خواہش مند تھیں۔ میں نے اپنی زندگی میں عقیدت و محبت کے اس طرح کے مناظر پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ سارا محلہ سوگوار تھا۔ سوگوار کیوں نہ ہوتا۔ ایک عالم دین کی موت کو عالم کی موت کہا گیا ہے۔ سلطانپورہ بالخصوص اور شہر راولپنڈی بالعموم ویران ہوگیا۔ لیکن اس موقع پر بھی دنیا پرستوں کا عجیب کردار رہا۔ یہ لوگ جنازے میں شریک نہیں ہوئے۔ یہ وہ لوگ تھے۔ جنہوں نے آپ کا مقاطعہ کیا تھا۔ پورے خاندان برادری میں آپ کو تنہا کر دیا تھا۔ آپ کے خلاف سازشیں کی تھیں۔ آپ کو اجڈ لوگوں سے مروانے کی دھمکیاں دی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ چشم فلک نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ یہ منظر آپ کو تنہا کرنے والوں نے بھی دیکھا۔ کہ راولپنڈی شہر کی تاریخ میں انسانوں کا ایک سیلاب تھا۔ کہ جو استاذ محترم اور آپ کی اہلیہ محترمہ کے جنازوں میں شریک تھا۔ یہ راولپنڈی کی تاریخ کا ایک بہت ہی بڑا جنازہ تھا۔ تاحد نظر انسانوں کے سر ہی سر نظر آرہے تھے۔ 47 سے زائد صفیں شمار کی گئیں۔ دور تلک انسان ہی انسان نظر آرہے تھے۔ آپؒ کے جنازے نے آپ۔ کے واضح قرآنی موقف کو سچ کر دکھایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں لوگوں کو ان کے سچا ہونے پر گواہ بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن سے سچی محبت رکھنے والے اپنے بندے کی لاج رکھ لی۔ کہ اسے اپنے خاص بندوں کا رسوا ہونا گوارا نہیں۔ وہ بندہ جس نے ساری عمر خالص توحید بیان کی۔ زیب داستان کے لئے اللہ کی صفات میں ملاوٹ نہیں کی۔ جس نے لوگوں کو بتایا کہ قرآن کریم کی آیات کا اصل مفہوم کیا ہے۔ جس نے آیات کلام اللہ المجید کو کھول کھول کر بیان کیا۔ جس نے انبیاء کرام علیہم السلام سے سچی محبت رکھی۔ جس نے صحابہ کرامؓ کے مناقب بیان کئے۔ مصائب کے طوفان اور مشکلات کی آندھیاں چلیں۔ لیکن راہ روحق نے صدق وصفا کا دیا روشن رکھا۔ اس کے سچے نظام کی سربلندی کے لئے 1977ء میں 33 دن راولپنڈی سنٹرل جیل میں سنت یوسفی بھی ادا کی۔ لیکن ظلم کے سامنے نہ جھکے اور نہ بکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سفر آخرت کو بھی ہزاروں مومنوں کی گواہی کے ساتھ پروقار اور قابل فخر مثال بنا دیا۔ کیا اس سے یہ بات واضح نہیں ہو جاتی کہ آپ اس دنیا سے کامیاب گئے؟

آپ کی زندگی واقعی ایک مومن کی زندگی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد بظاہر اس ماحول میں گھپ

Marfat.com

اندھیرا چھا چکا ہے۔اور ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اب تا دیر کوئی کرن نور قرآن پھیلانے کے لئے اس کے حقیقی حق کے ساتھ پھوٹ نہیں سکے گی۔لیکن اہل بصیرت کہتے ہیں کہ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کی روشن کی ہوئی علم وعرفان کی روشنی کے دیئے روشن ہیں۔انہی سے دلوں کی بھٹیاں دھکیں گی۔اورانہیں کی تمازت سے دلوں میں روشنی پھیلے گی۔

بلاشبہ آپ کی وفات سے تحقیق وعلم کی دنیا میں ایک خلا پیدا ہو گیا ہے۔اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہو گا کہ استاذ محترم حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کی وفات اس صدی کے آغاز میں ایک عظیم المیہ ہے۔لیکن رواں صدی میں ہی دیئے سے دیا جلے گا۔اور علوم قرآن کی روشنی پھیلتی چلی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ آپ کی آخرت میں مغفرت فرمائے۔آمین۔

استاذ محترم حضرت مولانا عبدالعزیزؒ اکثر ایک شعر پڑھا کرتے تھے۔یہ شعر آپ ہی کی نذر:

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لئے

☆

"جس تبلیغ میں جہاد کا تذکرہ اور یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی سے نفرت کا اظہار نہیں، وہ تبلیغ ناقِص ھے۔ جس تبلیغ میں مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم پر چشمِ مُسلم اشکبار نہیں، وہ تبلیغ ناقِص ھے۔ جو تبلیغ مُسلم نوجوانوں سے عُقابی روح چھین لے، اُنھیں عِلم سے دُور کردے، ماں باپ کا نافرمان بنا دے اور ماں باپ کی خدمت سے دُور کر دے، وہ تبلیغ ناقِص ھے۔"

(حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

اِبنِ مُقلہ ثانی

خامۂ اثر

جناب گلزار حسین ندیم (بہاولپور)
(محقق، خطاط و مصور)

"یہ بہت بڑے عالم دین ہیں۔ بے پناہ مطالعے کی وجہ سے بہت آگے کی بات سوچتے ہیں۔ خطاطی کے شہنشاہ ہیں۔ بلکہ خطاطی کا ایک پورا عہد اپنے جلو میں رکھتے ہیں۔ یہ نابغۂ روزگار شخصیت راولپنڈی میں اپنے علم وفن کا چراغ روشن رکھے ہوئے ہے۔"

آپ کے والدین کی وفات کا سن کر اتنا دکھ ہوا کہ الفاظ اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ آنکھوں سے بے ساختہ آنسو چھلک پڑے۔ اور یوں محسوس ہوا کہ حضرت مولانا عبدالعزیز خوشنویس کی وفات کے ساتھ ہی خطاطی کا ایک عہد ختم ہوگیا۔ سبحان اللہ، اتنی بڑی شخصیت جو ابن مقلہ، ابن البواب، یاقوت المستعصمی اور یوسف سدیدی کے ہم پلہ تھی، ہم سے یوں بچھڑ گئی۔ وہ شخصیت کہ جس کے حوالے سے فن خوش نویسی کے اساتذہ فخریہ طور پر تذکرے کیا کرتے تھے؛ میری بدقسمتی کہ میں ان کی زیارت سے محروم رہا۔

اس امر میں کیا شک ہے کہ ان کے حوالے سے سنے گئے تذکروں کے مطابق، وہ اتنی بڑی شخصیت تھے کہ ولی اللہ، لم یزلی فن کے مالک کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اور آپ کتنے خوش قسمت رہے کہ ان کی دعاؤں سے مستفیض ہوتے رہے۔ کاش میں بھی ان خوش نصیب لوگوں میں شامل ہوتا۔

ایک مرتبہ انجم رومانی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اور ایک دوست نے اس خواہش کا اظہار کیا۔ کہ

Marfat.com

کاش ہم نے ابن مقلّہ نہ سہی مگر یوسف سدیدی کو ہی دیکھا ہوتا۔ رحمانی صاحب نے انتہائی خوبصورت جواب دیا۔ کہ ان دونوں شخصیات کو ایک شکل میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اس ایک شخصیت میں فن خوشنویسی کے ان دونوں بزرگوں کے انداز، رنگ اور جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ بہت بڑے عالم دین ہیں۔ بے پناہ مطالعے کی وجہ سے بہت آگے کی بات سوچتے ہیں۔ خطّاطی کے شہنشاہ ہیں۔ بلکہ خطّاطی کا ایک پورا عہد اپنے جلو میں رکھتے ہیں۔ یہ نابغہ روزگار شخصیت راولپنڈی میں اپنے علم وفن کا چراغ روشن رکھے ہوئے ہے۔ انہوں نے فن خطاطی کو حصول رزق حلال کے طور پر اپنایا ہوا ہے۔ اوران کی زیارت کرنا بھی باعث تازگیٔ ایمان ہے۔ اس شخصیت کا نام ہے حضرت مولانا عبدالعزیز۔

عبدالحفیظ صاحب، میں نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم سے ملاقات کا شرف حاصل کروں۔ لیکن غم روزگار اور کاروبار حیات نے ایسا نہ ہونے دیا۔ اور حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم سے ملاقات کی تمنّا دل میں ہی رہ گئی اور وہ عمل کا روپ نہ دھار سکی۔ گزشتہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر آپ کی محنت ومقبولیت اور پروگرام کی کامیابی پر آپ کی ہمت کی داد دینے کے لئے ایک بینر بنا کر آپ کے لئے بھیجا۔ آپ نے اس کے جواب میں فن خطّاطی کی تاریخ اور پس منظر و پیش منظر کی روشنی میں اپنے والد محترم مولانا عبدالعزیز کا بھی ذکر کیا۔ نیاز حاصل کرنے کی خواہش شدید تر ہوتی گئی۔ مگر افسوس کہ اُن کی وفات کے ساتھ ہی اس خواہش کی مالا ٹوٹ کر بکھر گئی۔ اور ہم اتنی بڑی ہستی سے محروم ہو گئے۔

میں آپ کے اس جانکاہ صدمے میں برابر کا شریک ہوں۔ آپ کی والدہ محترمہ بھی ان کے ساتھ ہی ابدی سفر پر روانہ ہوگئیں۔ سبحان اللہ، ساری دنیا کہتی ہے کہ انسان کے لئے ایک بہت بڑی نعمت وہ ہستی ہے، جسے دنیا ماں کہتی ہے۔ مگر اب آپ دعاؤں کے اس سائبان سے محروم ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ دونوں عظیم سانحے برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ☆

> ”مَیں اکابر پرست ہوں نہ مقابر پرست“
>
> (حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

ایک عظیم علمبردارِ توحید

خامۂ اثر
جناب سردار خان اورکزئی
(مفسر و مصنف کتب کثیرہ)

"شیخ القرآن عبدالعزیز صاحب مرحوم کی فکر پر مبنی متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اس حوالے سے کتاب "حقیقت حیات و ممات" میں "عذاب قبر" کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے کہ قرآن کریم سے اس عذاب کی تائید نہیں ہوتی۔ اس بارے میں ان کے مخالفین نے ان کو ہر طرح سے پریشان کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ عدالت میں مقدمات بھی دائر کئے گئے اور ان کو مسجد الفاروقؓ کی پیشِ امامت سے معزول کرنے کیلئے سازشیں بھی کی گئیں؛ حالانکہ وہ گزشتہ ۴۹ سال سے یہ فریضہ انجام دے رہے تھے۔"

یوں تو دنیا میں توحید کے علمبردار اور بھی بہت سے ہونگے، لیکن جن علمی شخصیات سے راقم کی ملاقاتیں اور شناسائی رہی ہے، ان میں مجھے شیخ القرآن عبدالعزیز مرحوم چاہ سلطان والے ہی نہ صرف پکے موحّد بلکہ توحید کے علمبردار بھی نظر آئے۔ ان کی اور ان کی زوجہ محترمہ کی یکے بعد دیگرے وفات نے نہ صرف ان کے پسماندگان اور خلف الرشید بیٹے عبدالحفیظ کو ہلا کر رکھ دیا بلکہ علم دوست احباب کو بھی بہت سوگوار کیا۔ لیکن چونکہ ہماری زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کیلئے ہے، اس لئے قرآن حکیم کے فرمان کے مطابق ہمیں اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ہی کہنا چاہئے۔ اللہ ان دونوں کو غریق رحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

Marfat.com

راقم ایک ریٹائرڈ میجر ہے اور ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد قرآن دوست شخصیات سے فیض حاصل کرنے کا خواہاں رہا ہے۔ چنانچہ مرحوم سے میری پہلی ملاقات 20 سال قبل الحاج محمد اسحاق قلبی صاحب کی دکان پر ہوئی، جو چاہ سلطان میں سپئیر پارٹس کا کاروبار کرتے تھے۔اور اب وہ اپنے آبائی گاؤں سیالکوٹ چلے گئے ہیں۔ پہلی ہی ملاقات میں ہم دونوں نے ایک دوسرے کو بڑی اچھی طرح پہچان لیا تھا۔اس کے بعد مجھے جب کبھی کوہاٹ سے راولپنڈی آنا ہوا تو مرحوم سے گھنٹہ دو گھنٹہ کی ملاقات ضرور کرتا۔ ان ملاقاتوں میں روایتی اسلام کے وہ مسائل زیر بحث آتے جن کے لئے مغرب بجا طور پر مسلمانوں کو مطعون کرتا ہے۔ مثلاً روایتی غلامی اور اس کی قبیح فروعات کا مسئلہ۔ تعدد ازدواج کا غلط تصور۔ طلاق کا غلط طریقہ اور حلالہ کا غلط تصور۔ تخلیق انسان سے متعلق روایتی من گھڑت کہانی۔ تنسیخ آیات ربانی کا بے بنیاد نظریہ۔ کتابت قرآن اور جمع القرآن کا فرضی روایتی شاخسانہ اور حضرت عیسیٰؑ کی معجزانہ پیدائش کے بعض پہلو وغیرہ۔ بعد میں جب راقم نے ان موضوعات پر مبنی ایک کتاب بعنوان ''القسطاس المستقیم،، لکھی تو مرحوم نے اسے بہت سراہا۔ کتاب کو دوسرے متعدد اکابرین دین نے بھی سراہا ہے لیکن بوجوہ فکری تائید کی واضح حامی نہیں بھری ہے۔ شیخ القرآن عبدالعزیز صاحب مرحوم کی فکر پر مبنی متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں۔اس حوالے سے کتاب ''حقیقت حیات وممات،، میں ''عذاب قبر،، کو موضوع سخن بنایا گیا ہے کہ قرآن کریم سے اس عذاب کی تائید نہیں ہوتی۔ اس بارے میں ان کے مخالفین نے ان کو ہر طرح سے پریشان کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ عدالت میں مقدمات بھی دائر کئے گئے اور ان کو مسجد الفاروقؓ کی پیش امامت سے معزول کرنے کے لئے سازشیں بھی کی گئیں حالانکہ وہ گزشتہ ۴۹ سال سے یہ فریضہ انجام دے رہے تھے۔

عذاب قبر کے بارے میں انہوں نے ایک بار مجھ ناچیز سے اس حوالے سے تبادلۂ خیالات کیا کہ ان کے مخالفین جدل کے طور پر قرآن کریم کی وہ آیات مبارکہ پیش کرتے ہیں جن میں آل فرعون کا صبح شام آگ پر پیش کئے جانے کا ذکر ہے۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ خاکسار نے ان کی توجہ اس حقیقت کی طرف دلائی کہ ہمارے عجمی مترجمین اور مفسرین نے بیشتر آیات ربانی پر غلط ترجمے اور مفاہیم چسپاں کئے

Marfat.com

ہیں کیونکہ ان کو با محاورہ عربی پر عبور حاصل نہ تھا۔ انہوں نے زبان کے طور پر عربی کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ عام عربی بول چال سیکھنا تعلیم نہیں کہلاتا۔ چنانچہ راقم نے پہلے "عذاب قبر" کی نفی سے متعلقہ آیات کریمہ پیش کیں اور پھر مذکورہ بالا آیات کے متن کا جائزہ اس طرح پیش کیا۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَامَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۝ (المؤمن:۴۵)

ترجمہ: "غرض اللہ نے حضرت موسیٰ کو ان لوگوں کی بری تدبیروں سے محفوظ رکھا اور فرعون والوں کو (غرق) کے برے عذاب نے آگھیرا۔"

اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور مفہوم درست ہیں لیکن اس میں یہ بات تو نہیں پائی جاتی کہ تمام آل فرعون غرق ہو گئے تھے۔ البتہ فرعون کے وہ لشکر جنہوں نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا تھا، ڈوب کر مر گئے تھے۔

اب دوسری آیت مبارکہ ملاحظہ فرمائیں، جس سے "عذاب قبر" کا جواز اخذ کیا جاتا ہے۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ (سورہ المؤمن ۴۶)

ترجمہ: "جہنم کی ایک آگ ہے جس پر ان کو صبح شام پیش کیا جاتا ہے اور جس وقت قیامت برپا ہو گی تو (حکم ہو گا کہ) فرعون والوں کو سخت عذاب میں داخل کرو۔"

اس ترجمے سے یہ مفہوم لینا کہ یہ مرے ہوئے آل فرعون کے بارے میں ہے یا یہ عذاب قبر کی تصدیق کرتی ہے چار وجوہ کی بناء پر غلط ثابت ہوتا ہے۔

1:۔ لفظ يُعْرَضُوْنَ کا مطلب عذاب دینا ہرگز نہیں ہے۔ البتہ پیش کیا جانا ضرور ہے۔ جس کا نتیجہ خوف و ہراس ہو سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے والے لوگوں کیلئے بھی یہی لفظ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ استعمال ہوا ہے۔ سورہ ہود: ۱۸، جس کا نتیجہ بھی خوف و ہراس ہو گا۔

2:۔ بلاشبہ لفظ نار کا لغوی ترجمہ آگ ہے لیکن جب یہ اسم معرفہ میں اَلنَّارُ ہوتا ہے۔ تو اس کا مفہوم جہنم یا خاص نوعیت کی آگ ہوتی ہے۔ اور آیت زیر نظر میں تو، یہ جہنم کے معنوں میں وارد نہیں ہوا ہے، بلکہ خوف و ہراس اور جنگ کی آگ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ قرآن فرماتا ہے کہ: ہم نے کافروں

Marfat.com

میں قیامت تک کے لئے بغض اور عداوت ڈال دی ہے۔ چنانچہ جب کبھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اسے بجھا دیتا ہے (المآئدہ:۶۴)۔ اس آیت میں لفظ نَارًا تمثیلی معنوں میں نازل ہوا ہے۔ اور یہ عقیدہ بھی غلط ہے کہ جہنم کی آگ یونہی بھڑکتی چلی جارہی ہے یا وہ شعلوں اور انگاروں والی آگ ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ جو قلوب پر جا لپٹے گی۔ (نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ o الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَۃِ o (الھمزۃ:۶-۷) یعنی یہ ایسی آگ ہوگی جس کی حرارت قلوب پر اثر کریگی۔ اگر یہ شعلوں والی آگ ہو تو دوزخی کیونکر اس سے نکل جانے کی کوشش کرینگے، جب کہ وہ دوبارہ اس میں دھکیل دیئے جائینگے۔ (سورۃ السجدۃ:۲۰)

نیز آیت مذکورہ میں صبح اور شام (غُدُوًّا وَّعَشِیًّا) کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اب زمین پر مشرق اور مغرب کے شام و سحر بالکل مختلف اوقات میں ہوتے ہیں، تو آل فرعون کے لئے صبح اور شام کیسے متعین کئے جاسکتے ہیں لہٰذا یہ الفاظ محاورۃً استعمال ہوئے ہیں کہ وہ ہمہ وقت مخالف کی طرف سے جنگ کی آگ سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ اور یہ دنیا میں ہی جہنم میں رہنے کے مترادف ہے۔ اور قیامت میں تو آل فرعون کو سخت عذاب میں ڈالا جائے گا۔ اس مفہوم کی تصدیق اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے۔

وَاَتْبَعْنٰھُمْ فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا لَعْنَۃً ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ھُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ۔ (القصص:۴۲)۔

ترجمہ: ''اور ہم نے اس دنیا میں ان (آل فرعون) کے پیچھے لعنت لگا دی ہے اور قیامت کے روز تو وہ بدحالوں میں ہونگے۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آل فرعون تمام کے تمام غرق یا نیست و نابود نہیں ہوئے تھے بلکہ اب بھی کفر کے امام آل فرعون ہیں۔ لہٰذا آیت مذکورہ کا تعلق عذاب قبر سے نہیں ہے۔ کیونکہ قبر کے عذاب کی نفی متعدد آیات کریمہ کرتی ہیں۔ مثلاً قیامت میں پوچھا جائیگا:

كَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ o قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّیْنَ o (المؤمنون:۱۱۲-۱۱۳)

Marfat.com

ترجمہ: ''تم سالوں کی گنتی کے لحاظ سے زمین میں کتنا عرصہ (مردہ) پڑے رہے۔ وہ کہیں گے دن یا دن کا کچھ حصہ۔ تو پوچھ لے گنتی والوں سے۔''

البتہ اگر واقعی قبروں میں، صحراؤں یا جنگلوں میں پڑے صبح شام ان کی پٹائی ہوتی تو ان کا جواب یہ ہوتا کہ ہم ہزاروں سال سے پٹتے چلے آ رہے ہیں۔

3:۔ بہشت یا جہنم کا وجود اس وقت زمین پر نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کُن سے معرض وجود میں آئیں گے۔ اور اسی زمین پر ہوں گے۔ تَجْرِیْ فِیْهَا الْاَنْهٰر کا ترجمہ یہ ہے کہ جنت میں نہریں بہتی ہوں گی نہ کہ اب بہتی ہیں۔ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ غَیْرَ بَعِیْدٍ ٥ کا درست ترجمہ یہ ہے کہ کوئی دیر ہوئے بغیر جنت پرہیزگاروں کے قریب کر دی جائے گی۔ اسی طرح دوزخ کے بارے میں بھی فرمایا گیا ہے۔ (وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ اور اس دن دوزخ حاضر کی جائیگی۔ (الفجر:۲۳) ایک آیت سے ثابت یہ بھی ہوتا ہے کہ جنت ابھی موجود نہیں ہے۔ لیکن الرحمان نے اپنے بندوں کے ساتھ اس کا وعدہ کر رکھا ہے: جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِیًّا ٥ (مریم:٦١) حقیقت یہ ہے کہ تمام مردے صرف قیامت میں زندہ اٹھائے جائینگے تو قبروں میں مردوں کو عذاب کیا معنی رکھتا ہے۔ فرمایا ہے:

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ ٥ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۔۔۔ (یٰسین:۵۱-۵۲)

ترجمہ: ''جب صور میں پھونکا جائے گا تو وہ فوراً اپنی قبروں سے اٹھ کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ کہیں گے اے ہماری بدبختی، ہمیں اپنی خوابگاہوں سے کس نے جگا اٹھایا۔''

اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ ایسے ہونگے جیسے کوئی سویا ہوا ہو۔ تو ظاہر ہے کہ ان کو کوئی عذاب نہیں دیا جا رہا تھا۔

اپنے مخلص اور عزیز مرحوم دوست شیخ القرآن عبدالعزیزؒ کی یاد میں راقم نے ان سطور میں عذاب قبر کی نفی میں آیات کریمہ اس لئے شامل کی ہیں کہ یہ ان کا ایک بہت ہی سنجیدہ موضوع تھا۔ اور وہ حضرات جو

Marfat.com

عذاب قبر کے قائل ہیں جان لیں کہ یہ اور اس طرح کی بیشمار غلط فہمیاں دوسری صدی ہجری کے عجمی مترجمین اور مفسرین کی پیدا کردہ ہیں۔ کیونکہ ان کو ادبی عربی پر عبور حاصل نہ تھا۔ اس کی تصدیق کیلئے ایک چھوٹی سے مثال ملاحظہ فرمائیں: قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ○ (سبا:۵۰) اب عجمی مترجمین حضرات لفظ ضلال کا صرف ایک معنی (گمراہی) جانتے ہونگے۔ لہٰذا انہوں نے اس آیت کریمہ کا ایسا ترجمہ کر دیا جو نہ صرف غلط ہے بلکہ پیغمبری کو بھی بحیثیت مجموعی مشتبہ بنا رہا ہے۔ فتح الحمید کا ترجمہ ملاحظہ ہو: کہہ دو کہ اگر میں گمراہ ہوں تو میری گمراہی کا ضرر مجھی کو ہے اور اگر ہدایت پر ہوں تو یہ اس کی طفیل ہے جو میرا پروردگار میری طرف وحی بھیجتا ہے۔ بیشک وہ سننے والا (اور) نزدیک ہے۔

دیکھا آپ نے کیا رسالت مآبؐ خود کو گمراہ کہنے کا کبھی تصور بھی کر سکتے تھے۔ اور یہ کہ گمراہی کا وبال انہی پر ہوگا کیونکہ اگر ایسی بات ہوتی بھی تو آپؐ کے پیروکاروں یعنی مؤمنین کا کیا بنتا؟

بات درحقیقت یہ ہے کہ ادبی عربی جاننے کے بغیر آج بھی کوئی عالم اس آیت مبارکہ کا درست ترجمہ کر ہی نہیں سکتا۔ لفظ ضلال کے گمراہی کے علاوہ کم از کم دو معانی اور بھی ہیں اور وہ معانی قرآن سے ہی ثابت ہیں۔ ایک معنی بھول جانا اور دوسرا غلطی کرنا ہے۔ بھول جانے کا معنیٰ تو دو خواتین کی گواہی کے سلسلے میں ایک خاتون کا بھول جانا (اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا) کے الفاظ کے ساتھ سورۃ البقرۃ:۲۸۲ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور غلطی کے معنوں میں یہ برادران یوسف کا قول ہے کہ ''اس معاملہ میں ہمارے ابا جان صریح غلطی پر ہیں'': اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ○ (یوسف:۸) لہٰذا آیت کریمہ کے پہلے حصے کا درست ترجمہ یہ ہے کہ ''آپ کہہ دیں کہ میں اگر کوئی غلطی کرتا ہوں تو میرا غلطی کرنا میرے نفس کی ترغیب سے ہے؛ دوسرے حصے کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ''اور اگر سیدھی اور درست راہ پر ہوتا ہوں تو یہ اس وحی کی وجہ سے ہے جو میرا پروردگار میری طرف بھیجتا ہے۔ بے شک وہ سننے والا ہے قریب ہے۔''

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ خود ''فتح الحمید'' اور دوسرے نسخوں میں ترجمہ ملاحظہ کر لیں اور سوچیں کہ اس ترجمے سے نفس رسالت پر کس قدر آنچ آتی ہے۔ حالانکہ آیت مذکورہ کی منشاء نفس کی ترغیب اور وحی

Marfat.com

کی ہدایت میں فرق کو واضح کرنا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے بھی فرمایا تھا کہ میں اپنے نفس کو بری الذمہ قرار نہیں دیتا کیونکہ نفس تو ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے مگر یہ کہ جس پر میرا رب رحم فرمائے۔ (یوسف:۵۳)

اسی تسلسل کے ترجمے کی ایک اور غلطی بھی ملاحظہ کریں۔ ایک جگہ فرمایا ہے:

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۔ (بنی اسرائیل:۷۳)

اس کا قطعی غلط ترجمہ یوں کیا گیا ہے کہ

''اور قریب تھا کہ (اے پیغمبر) یہ لوگ آپ کو اس سے بچلا دیں جو ہم نے تیری طرف وحی کی ہے تا کہ آپ ہم پر اس کے سوا باتیں بنا لیں۔''

افسوس کہ عجمی مترجمین کو لفظ کَادُوْا کا مناسب معنی بھی معلوم نہ تھا۔ ایک ناخواندہ عرب بھی یہ جانتا ہے کہ لفظ اِنْ کا مطلب (اگر) ہے اور کَادُوْا کا ترجمہ (کر سکنا) ہے۔ اور لَيَفْتِنُوْنَكَ میں ل تاکیدی ہے۔ جس سے ترجمہ ''تجھ کو ضرور بچلا دیتے'' بنتا ہے۔ اور پورا ترجمہ یہ بنتا ہے کہ (اگر ان سے ہو سکتا تو وہ ضرور تجھ کو اس سے بچلا دیتے جو ہم نے تیری طرف وحی کی ہے تا کہ آپ ہم پر اس وحی کے علاوہ کچھ باتیں بنائیں تو ایسی صورت میں وہ آپ کو دوست بنا لیں، حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ وَاِنْ كَادُوْا کا ترجمہ کس گرائمر اور لغت سے (قریب تھا) بنتا ہے۔ لفظ کَادُوْا تو فعل کا صیغہ ہے۔ اس کا سہ حرفی مادہ (ک و د) ہے۔ جس سے کدت ۔ کادت ۔ اکاد ۔ یکاد ۔تکاد اور یکادون کے الفاظ بنے ہیں اور یہ سب قرآن میں استعمال ہوئے ہیں۔ ان سب الفاظ کے معنوں میں ''چاہنے'' کا بنیادی عنصر پایا جاتا ہے۔ مثلاً ''يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ '' کا درست ترجمہ یہ ہے کہ ''بجلی کی چمک ان کی بصارت کو اچکے لئے جانا چاہتی ہے۔'' لیکن اچکتی نہیں۔ اس کا یہ ترجمہ غلط ہے کہ ''قریب ہے کہ بجلی کی چمک ان کی آنکھوں (کی بصارت) کو اچک لیجائے۔'' کیونکہ قریب ہے کا وقوع پذیر ہونا بھی متوقع ہوتا ہے۔ سورۃ الاسراء کی آیت نمبر ۷۶ بھی میرے ترجمے کی تائید کرتی ہے: وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (الاسراء:۷۶) اس کا

Marfat.com

بھی درست ترجمہ یہ ہے کہ ''اور اگر ان سے ہوسکتا تو وہ ضرور تجھے سرزمین (مکہ) سے پھسلا دیتے یعنی تجھے اس سے نکال دیتے۔ اور ایسی صورت میں وہ بھی تیرے بعد وہاں تھوڑا بھی نہ رہ سکتے۔ آیت نمبر ۷۴ میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ''اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ نے بھی ان کی طرف تھوڑا سا مائل ہونا چاہا ہوتا۔ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا ۔ (الاسراء: ۷۴) لیکن چونکہ ہم نے آپ کو ثابت قدم رکھا ہے، لہٰذا قریب تھا یا مائل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ آپ کو بچلا یا پھسلا سکے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کی والدہ محترمہ کے بارے میں بھی یہی الفاظ (اِنْ كَادَتْ) استعمال ہوئے ہیں کہ اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کرتے تو اس نے چاہا ہوتا کہ اپنے غم کا اظہار کردے (القصص: ۱۰)

عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ عجمی تراجم اور تفاسیر نے ہمارے سماجی، معاشی اور تواریخی امور کو ایک عجیب وغریب رنگ دے رکھا ہے۔ راقم نے اپنی کتاب ''اَلْقِسْطَاسُ الْمُسْتَقِيْم '' میں ایسے تقریباً ایک سو امور اور شریعتی احکامات کی نشاندھی کی ہے جو غلط ترجموں کی وجہ سے مکمل طور پر تبدیل ہو چکے ہیں اور وقت کے ساتھ ''مستند'' بھی ہو چکے ہیں۔ اب راقم کتاب کا دوسرا حصہ لکھ رہا ہے جس میں سورۃ البقرۃ کا مکمل درست ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے کیونکہ یہ سورۃ تقریباً تمام دینی امور کا احاطہ کرتی ہے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

میرے نزدیک حضرت شیخ القرآن عبدالعزیز مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرنے کا سب سے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا عمیق نظروں سے مطالعہ کیا جائے اور تفکر وتدبر کی روشنی میں مفاہیم قرآن کا ادراک حاصل کیا جائے۔

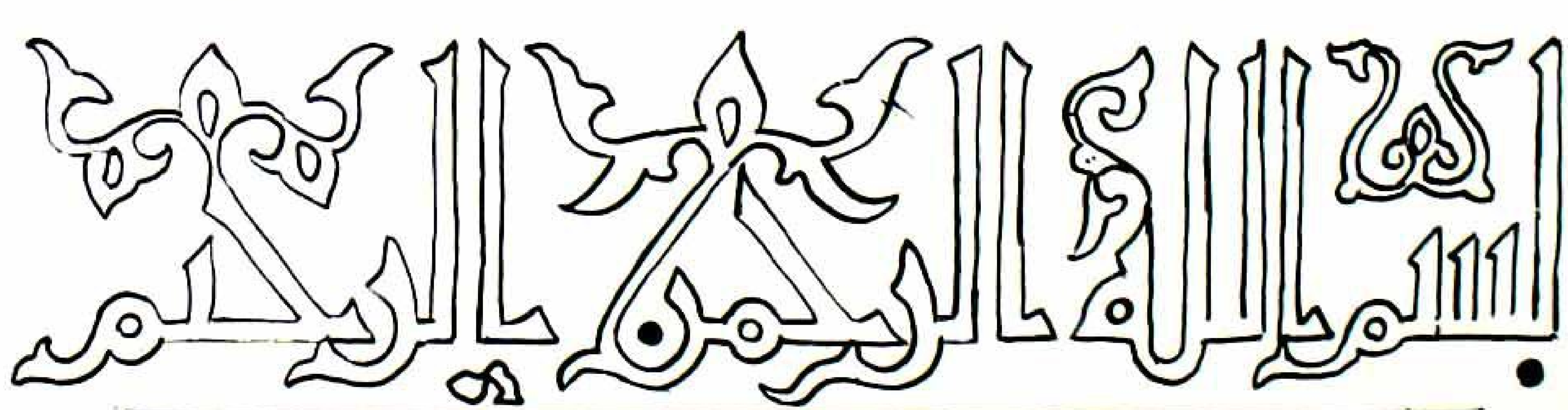

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا Trace کیا ہوا تسمیہ شریفہ

Marfat.com

مولانا عبدالعزیزؒ......اور......مسئلۂ عذابِ قبر

خامۂ اثر
جناب زبیر اعوان
(کالم نگار)

نوجوان قلمکار زبیر اعوان ،حضرت مولانا عبدالعزیز مرحوم کے ساتھ اپنی پہلی ملاقات کا احوال بیان کرتے ہیں۔اور مسئلۂ عذاب قبر کے حوالے سے مرحوم کی فکر کو افادۂ عام کے لئے پیش کرتے ہیں۔

''قومی ترانے میں عروضی لحاظ سے کئی مصرعے بے وزن، بے بحر اور متفرق القافیہ ہیں۔قومی ترانہ مسمط کی قسم مخمس میں لکھا گیا ہے لیکن یہ مخمس کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔'' ان خیالات کا اظہار ایک نوجوان شاعر اقبال ناز نے روزنامہ''عوام'' فیصل آباد میں شائع ہونے والے ایک مضمون میں کیا۔جس میں ایک جدول کے ذریعہ قومی ترانے میں تضمین/ترتیب نو (بہ قواعد عروض مسمط) تجویز کی گئی ہے۔ادبی حلقوں نے اقبال ناز کے اس دعوے کو باطل قرار دیا ہے،لیکن اقبال ناز نے اپنے مخالفین کو مشورہ دیا ہے کہ وہ پہلی فرصت میں بحرالفصاحت ، حدائق البلاغت،الشافی فی العروض والقوافی اور دیگر دبستان عروض کا بنظر غائر مطالعہ فرمائیں۔اس خبر کو ادبی ہفت روزہ''سلسلہ'' نے جنوری ۱۹۹۸ء میں روزنامہ''عوام'' فیصل آباد کے حوالہ سے شائع کیا۔

ایک ریاست کے شہری کے لئے ضروری ہے کہ جتنی محبت اسے اپنے ملک سے ہونی چاہئے اسے اتنا ہی احترام اپنے ملک کے قومی ترانہ کا بھی کرنا چاہئے۔مندرجہ بالا خبر کے حوالے سے شاعر قومی ترانہ اور اس کے

Marfat.com

خالق کی توہین کا مرتکب نظر آتا ہے۔ دوم، شاعر جانتا ہے کہ وہ قومی ترانہ اور ''شاہنامہ اسلام'' کے خالق ابوالاثر حفیظ جالندھری کی شخصیت اور کارناموں کے مقابلہ میں عشر عشیر حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ سوم، شاعر کو یہ بھی معلوم ہے کہ قومی ترانہ پر اعتراض کی جسارت اسے پورے پاکستان کے ادبی وغیرادبی حلقوں کا دشمن بنادے گی۔ لیکن اس کا اختلاف اصولی ہے کیونکہ خالق قومی ترانہ کے مطابق انھوں نے قومی ترانہ کو ''مخمس'' (غزل، نظم، مسدس وغیرہ کی طرح شاعری کی ایک صنف) میں لکھا ہے۔ مگر بقول مذکورہ شاعر، قومی ترانہ مخمس کے معیار کے مطابق نہیں ہے، اگر قومی ترانہ بقول مذکورہ شاعر مخمس کے معیار کے مطابق نہیں تو خالق قومی ترانہ کو چاہئے تھا کہ وہ ترانہ کی تخلیق مخمس کے مطابق کرتے یا رائج قومی ترانہ کو کسی نئی اصطلاحی صنف کے ذریعے متعارف کراتے۔

اس طویل تمہیدی بحث سے راقم الحروف کا مقصد صرف اتنا ہے کہ کسی بھی شے کو اس کے معیار کے مطابق ہی جانچنا چاہئے۔ فاصلے کلوگرامز اور آلو پیاز کلومیٹر کے پیانوں سے ماپے تولے نہیں جاسکتے۔ ایسا کرنے والا عقلمند نہیں، جاہل کہلاتا ہے۔

شاعر والی مثال میں قومی ترانہ کو مخمس کے پیمانے سے ماپا گیا ہے کیوں کہ خالق قومی ترانہ کے مطابق قومی ترانہ مخمس میں لکھا گیا ہے۔ جس طرح نوجوان شاعر اقبال ناز نے نتائج کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کھری کو کھرے انداز میں پیش کردیا ہے، اسی طرح حق وصداقت کا ہر مبلغ اور سلام کا سچا داعی اسلامی عقائد و نظریات کو اس کے اصل پیمانے قرآن سے ہی ماپتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔

اگر ایک نوجوان شاعر اپنے اصولی مؤقف کی ترجمانی میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک ایسا عالم جس نے قریباً نصف صدی تک حق کا علم بلند کیا ہو، اس کی صدا قرآن کی صدا ہو، اور قرآن کا پیغام ہر خاص و عام تک پہچانے کو وہ اپنی زندگی کا اہم ترین مشن سمجھتا ہو۔ وہ بھلا ''اجماع'' اور موضوعات ''شریف'' کا سہارا لے کر اغماضِ حق کا کس طرح مرتکب ہوگا؟

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے راقم کو صرف دو تفصیلی ملاقاتوں کا شرف حاصل ہوا۔ لیکن ان دونوں ملاقاتوں نے احقر کی زندگی میں جو انقلاب برپا کیا وہ تمام عمر پر بھاری ہے۔ جب ''مسئلۂ عذاب

Marfat.com

قبر" کے حوالے سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت سنی تو میں ایک عام دیوبندی کی طرح: "طیش" میں آ گیا، حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، تعارف پیش کیا۔ آپ نے نہایت محبت وشفقت سے مصافحہ کیا، بیٹھنے کے لئے کہا اور ملاقات بارے استفسار فرمایا۔

احقر نے عرض کیا: مولانا صاحب! آپ نے اس مسئلۂ عذاب قبر کو کیوں چھیڑا، جب کہ اس کی بظاہر کوئی ضرورت نظر نہیں آتی؟

آپ فرمانے لگے: بیٹا! آپ نے اپنے تعارف میں کہا ہے کہ آپ دیوبندی ہیں اور حضرت علامہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاریؒ اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کی شخصیات سے متاثر ہیں، گویا آپ اہل دیوبند کے "مماتی گروہ" میں سے ہیں۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ مماتی کیوں ہیں، حیاتی کیوں نہیں؟

میں نے اس بارے اپنے علم کے مطابق وضاحت کی۔

آپ مسکراتے ہوئے بولے: اب آپ بتائیں کہ بقول آپ کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی قبر مبارک کے اندر حیات نہیں تو پھر عام مردے اپنی قبور میں کیوں کر زندہ ہو سکتے ہیں؟ ظاہر ہے انھیں زندہ کر کے ہی عذاب دیا جاتا ہوگا۔

میں بھی Typical دیوبندی تھا۔ پھر بولا: اگر "عذاب قبر" مان لیا جائے تو کیا نقصان ہے؟

آپ پھر مسکرائے اور نہایت مشفقانہ لہجے میں فرمانے لگے: آپ مجھے بتائیں کہ آپ اللہ کو اسی طرح مانتے ہیں جیسا ماننا چاہیے؟

میں نے فوراً کہا الحمد للہ! میں اللہ کو اسی طرح مانتا ہوں جیسا ماننا چاہیے۔

آپ فرمانے لگے، اللہ کو اس کی تمام صفات کے ساتھ مانتے ہو؟

جی بالکل۔ میں نے وثوق سے کہا۔

آپ نے فرمایا۔ کیا مانتے ہو وہی خالق وہی مالک وہی رازق وہی مختار ہے؟

Marfat.com

کیوں نہیں، بلاشک! وہ ان تمام خصوصیات کا مالک ہے۔ میں نے جواب دیا۔

کیا عدل کے معاملے میں کوئی اللہ کی برابری کر سکتا ہے؟ آپ نے پوچھا۔

قطعاً نہیں، میں نے جواب دیا۔

پھر آپ نے آیت کریمہ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ تلاوت کی اور فرمایا: جس مالک کا یہ فرمان ہو نعوذ باللہ یہ شائبہ تک باقی رہتا ہے کہ وہ خود ناانصافی کرے گا؟

بالکل نہیں! میں نے کہا۔

کیا حساب کتاب کے لئے قیامت کا دن مقرر کیا گیا ہے؟ آپ نے پوچھا۔

جی ہاں، میں نے جواب دیا۔

اس دن یعنی یوم آخرت کے علاوہ جزاء وسزا کے لئے کسی اور یوم الحساب کا یا مرنے کے بعد قیامت قائم ہونے سے پہلے کے کسی عذاب کا قرآن کریم میں ذکر موجود ہے؟ آپ نے استفسار کیا۔

جی نہیں۔ میں نے کہا۔

اگر یوم آخرت کے علاوہ مرنے کے بعد یوم آخرت قائم ہونے سے پہلے، اللہ تعالیٰ کوئی اور عذاب دے تو وہ انصاف ہوگا یا ناانصافی؟ آپ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔

اور میں خلاؤں میں گھورنے لگا۔

پھر آپ بولتے گئے اور میں سنتا رہا۔ آپ کی گفتگو اپنے خالق و مالک کی حمد وثنا تھی، باوفا اور پرخلوص موحد کی اپنے رب سے سچی محبت کا والہانہ اظہار تھی۔ الفاظ کی تاثیر کا اندازہ سوائے ایک موحد کے اور کسے ہو سکتا تھا!

میرے ذہن کے تمام دریچے کھلنا شروع ہو گئے۔ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مقصد عظیم سمجھ چکا تھا، جو روز جزاوسزا قائم ہونے سے پہلے عذابِ قبر نہ ماننے میں پنہاں تھا۔ آپ کہہ رہے تھے: اللہ بزرگ وبرتر ہی عادل ہیں۔ کائنات کی ہر جاندار اور بے جان شے اس بات کی گواہی دے رہی ہے۔ روزِ قیامت کسی کی کوئی برائی پوشیدہ نہیں رہے گی۔ عادل عظیم کا دامن پکڑ کر رکھنا چاہیے۔ تم شدائد ومصائب کا صبر واستقلال سے

مقابلہ کرو، ہر تکلیف اس کی رضا کے لئے برداشت کرو، تاکہ آخرت میں نجات حاصل کرسکو۔ آپ کے دل کی یہی تڑپ توحید باری تعالیٰ کے لئے موجزن تھی اور یہ آپ کی وفا کا اعلیٰ ثبوت تھی۔

میں نے حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی۔ کہ آپ اس موضوع پر مزید روشنی ڈالیں لیکن صرف قرآنِ حکیم کی روشنی میں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کوئی ایسا مشکل و پیچیدہ مسئلہ نہیں کہ جسے بعض علماء نے ایمان وکفر کی بنیاد بنادیا ہے۔ کہ جو اُن کے وضعی مؤقف کو نہ مانے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہوجائے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خود ان لوگوں کے مزعومہ دلائل کی نفی فرماتے ہیں۔ قرآن کریم میں دو زندگیوں اور دو موتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ سورۃ مؤمن کی آیت 11 تو بہت ہی واضح ہے۔ جس میں مجرموں کی زبانی یہ اقرار موجود ہے۔ کہ کہیں گے، اے ہمارے رب! تو نے ہمیں مردہ رکھا دو بار اور ہمیں زندگی بخشی دو بار۔ پس ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا۔ پس کیا (اب یہاں سے) نکلنے کی کوئی سبیل ہے؟ اس آیت میں نہایت صراحت کے ساتھ دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر کر کے قبر میں تیسری زندگی ثابت کرنے والوں کے باطل عقیدے کی نفی کردی گئی ہے۔ اسی طرح سورۃ البقرہ کی آیت 28 بھی بہت روشن ہے۔ جس میں فرمایا گیا کہ تم کس طرح کفر کرتے ہو اللہ کا۔ اور تم بے جان تھے۔ سو اس نے تمہیں زندگی بخشی۔ پھر وہ تمہیں مارے گا۔ پھر تمہیں جلائے گا۔ پھر اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ مزید یہ کہ سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات، جو کہ 12 تا 16 پر مشتمل ہیں، ان میں بھی انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل کو بیان کیا گیا ہے۔ پھر انسان کے مرنے کا اور آخر میں روزِ قیامت اٹھائے جانے کا واضح ذکر موجود ہے۔ یہاں پر نام نہاد مفتیوں کے عقیدۂ ایمان وکفر یعنی عذابِ قبر کا کوئی ذکر نہیں۔ روز قیامت کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ لوگ روزِ قیامت کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے قبر کو موضوع بناتے ہیں۔ اور اسے دین کی اساس بتلاتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم میں جابجا روزِ آخرت یعنی یومِ حساب کی ہی اہمیت موجود ہے۔ آپ نماز میں جو دعا پڑھتے ہیں۔ سورۃ ابراہیم کی ایک آیت ہے کہ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ۔ تو اس میں اس دن کی بخشش کا ذکر کیا گیا ہے۔ جب حساب کا دن قائم ہوگا۔ اگر قبر کے عذاب سے نجات ہی مومن کی معراج ہوتی۔ تو قرآن کریم میں 70 کے قریب دعائیں موجود ہیں۔ جن

Marfat.com

میں سے بعض انبیاء کرام کی زبانی ہیں، مگران میں بھی قبر کے عذاب کے حوالے سے کوئی دعا موجود نہیں۔ آپ قرآن کریم کا بغور مطالعہ کیجئے، آپ کو دو ہی جہانوں کا تذکرہ ملے گا۔ دنیا اور آخرت۔ بہت سی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اسی طرح اجر دیئے جانے کا ذکر بھی قیامت کے دن سے ہی متعلق ہے۔ سورۃ آلِ عمران کی آیت 185 تو اس ضمن میں واضح ہے، جس کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے کہ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور قیامت کے دن تم کو تمھارے اجر پورے پورے ملیں گے۔ پھر جو کوئی دوزخ سے دور کیا گیا اور جنّت میں داخل کیا گیا۔ پس وہ مراد کو پہنچا۔ اور (رہی) دنیا کی زندگی (تو وہ) کچھ بھی نہیں۔ ایک دھوکہ کے سودے کے سوا۔۔۔۔ غرض حضرت رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم کی آیات کے ترجمے پیش کرتے رہے اور میں مبہوت ہو کر ان کی طرف دیکھتا رہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ آخر قرآن کریم کی ان واضح آیات کی موجودگی میں ہمارے علماء کی اکثریت کی فکر اور سوچ کے دھارے کس رخ بہہ رہے ہیں؟

چند لمحوں کے بعد مَیں نے حضرتؒ سے پوچھا کہ اس سلسلے میں جو احادیث پیش کی جاتی ہیں، ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ حضرتؒ چند ثانیئے خاموش رہے۔ پھر فرمایا کہ ان قرآنی نصوصِ قطعیہ کے بعد مزید کس تائید و تردید کی ضرورت ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات، استغفر اللہ معاذ اللہ، قرآن کریم کے خلاف بھی فرما سکتے تھے؟ آپ کا تو ہر عمل قرآن کے احکامات کی تفسیر ہوتا تھا۔ قرآن کے مطابق ہوتا تھا۔ قرآن کی تائید میں ہوتا تھا۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہو کہ دو موتیں اور دو زندگیاں ہیں۔ مگر آپ کی طرف کوئی ایسا قول منسوب کر دیا جائے کہ دو موتیں اور تین زندگیاں جس سے ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں آپ کے دوستوں مصاحبوں صحابہ کرامؓ کو رَاشِدُوْنَ فرمائیں۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ فرمائیں۔ مگر ''حدیث شریف'' کے مطابق انہیں قبر میں ضغطہ کے مراحل سے گزرنا پڑے۔ قرآن صحابہ کرامؓ کو جنتی کہے۔ مگر ''حدیث شریف'' انہیں عذاب قبر میں مبتلا کر دے۔ استغفر اللہ۔ یہاں پر ہمیں حدیث شریف کا جائزہ لینا پڑے گا۔ آیات قرآن کو اپنی سوچ کے مطابق نہیں ڈھالا جائے گا۔ کیا ایک سُنی دیوبندی مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ قرآنی احکامات سے ٹکرانے والی ''احادیث'' کی من مانی تاویلیں پیش کی جائیں؟ اور ایک بات کی میں

Marfat.com

وضاحت کر دوں کہ میں احادیث رسول اللہ ﷺ کا منکر نہیں ہوں۔ میرا ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ بھی فرمایا۔ وہ میرے ایمان کا حصہ ہے۔ لیکن وہ باتیں کہ جو مختلف زمانوں میں مختلف لوگوں نے وضع کر کے آپ کی طرف منسوب کر دیں۔ ایسی ''موضوعات'' پر میرا ایمان نہیں۔ اس حوالے سے خواہ وہ لوگ تقدس کے جس درجے پر بھی فائز ہوں۔ قرآن کریم کے مقابل ان کی موضوعات کی ضرور چھان پھٹک کی جائے گی۔ یہ تو الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والی بات ہوئی۔ یعنی یہ لوگ نصِ قرآن سے ٹکرانے والی وضعی باتوں کو ''حدیث رسول'' ﷺ کا عنوان دے کر، ان سے احتیاط کرنے والوں کو تو ''منکر حدیث'' قرار دیتے ہوئے معاشرے میں انتشار وافتراق پھیلانے سے بھی نہیں چوکتے۔ لیکن خود وضعی حدیثوں کو ایمان کا جزو مان کر بھی پکے اور سچے مسلمان بنے ہوئے ہیں! کیا خوب انصاف ہے ان عصری محدثوں کا!! ان بیس پچیس پچیس سال کے نوآموز مفتیوں اور محدثوں کو دوسروں پر ''منکر حدیث'' کی پھبتیاں کستے ہوئے اللہ کا خوف ہونا چاہیے کہ وہ روزِ آخرت اللہ کے حضور کیا جواب دیں گے؟

میں نے عرض کیا: حضرت! یہ تو فرمائیے کہ عذاب قبر کے حوالے سے جو فتوے جاری کئے گئے ہیں ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ان فتووں کے بارے میں میں اپنی کیا رائے دوں! میں اپنی فکر کی تائید میں آیات قرآن کریم پیش کرتا ہوں۔ یہ ان آیات کے رد میں موضوع احادیث پیش کرتے ہیں۔ یہ شامی اور قاضی خان کے احکامات پیش کرتے ہیں۔ ان کے فتووں کی کیا اہمیت ہے! یہ لوگ کتنی آسانی سے بڑے بڑے مسلمانوں کو کافر بنا دیتے ہیں۔ انہوں نے کافر گری کا ایک میدان سجا رکھا ہے۔ انہوں نے کافر گری کی ٹکسال قائم کر رکھی ہے۔ ان کے کفریہ فتووں کی زد سے کون بچ سکا ہے۔ حضرت امام حسنؓ سے لیکر امام ابوحنیفہؒ تک۔ اور ابن تیمیہؒ سے لیکر امام عبدالوہابؒ تک۔ سرسید احمد خان، علامہ اقبال اور قائداعظم تک، یہ سب لوگ ان کے کفریہ فتووں کے مطابق مسلمانوں کی صفوں سے نکلتے گئے۔ یہ فتوے ہی تو تھے علماء کے، جن کے مطابق حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ دائرۂ اسلام سے نکل گئے۔ یہ علماء ہی تو تھے، مفتی ہی تو تھے، مکہ کے مفتی، جنہوں نے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کو دائرۂ اسلام

Marfat.com

سے خارج کیا۔ دیو بند کے علماء نے بریلوی علماء کو بدعتی قرار دے کر ضال و مغضوب کے درجے پر پہنچا دیا۔ اہلحدیث ان کے ہمنوا ہو گئے۔ اور ان دونوں کو بریلوی علماء نے کیا کچھ نہ کہا۔ کیا تاریخ ایسے تکفیری فتووں سے بھری ہوئی نہیں؟ آپ نے وہ واقعہ تو پڑھا ہوگا کہ امام ابوحنیفہؒ سے یوسف بن خالد نے وتر کا مسئلہ پوچھا۔ امام نے فرمایا کہ واجب ہے۔ اس فقیہہ نے کہا: ''کفرت یا ابا حنیفه۔ '' کہ اے ابوحنیفہؒ تم کافر ہو گئے۔ اس کے جواب میں امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا تھا۔ کہ کیا تیرے کافر کہنے نے مجھے ڈرا دیا۔ حالانکہ میں واجب اور فرض کا فرق جانتا ہوں۔ تو میں یہ کہتا ہوں کہ ذرا ذرا سی فروعی بات پر کفر کے فتوے میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ یہ ان لوگوں کا شغل ہے۔ یہ ان کا پیشہ ہے۔ یہ ان کی گذر اوقات ہے۔ یہ ایک ماحول بنا کر سچے مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں۔ یہ ان لوگوں نے اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا ہے۔ میرے ساتھ قرآن کی آیات کی تائید ہے۔ مجھے کسی کا خوف نہیں۔ مجھے ان فتووں کی کوئی پرواہ نہیں۔ ان کے فتوے کسی بھی مسلمان کے ایمان و کفر کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ مَیں پوچھتا ہوں، کیا میں نے توحید چھوڑ کر بت پرستی شروع کر دی ہے؟ کیا میں نے ختم نبوت کا انکار کر دیا ہے؟ کیا میں نے رسالتِ محمدی ﷺ سے، استغفر اللہ، انکار کر دیا ہے؟ کیا میں نے احادیث صحیحہ کا انکار کر دیا ہے؟ کیا میں درس حدیث نہیں دے رہا؟ کیا میں نے نماز کسی اور طریقے سے پڑھانی شروع کر دی ہے؟ کیا میں نے زکوٰۃ کے بنیادی اسلامی رکن سے انکار کر دیا ہے؟ کیا میں نے روزے ترک کر دیئے ہیں؟ کیا میں نے حقوق اللہ کے خلاف تقاریر کرنی شروع کر دی ہیں؟ کیا میں نے لوگوں کو حقوق العباد سے روگرداں کرنے کے لئے وعظ شروع کر دیا ہے؟ کیا میں جہاد کا منکر ہو گیا ہوں؟ کیا میں نے جھوٹی اور وضعی باتوں کو دین کا درجہ دے دیا ہے؟ کیا مجھ میں کوئی اخلاقی برائی پیدا ہو گئی ہے؟ اگر نہیں۔ اور یقیناً نہیں۔ تو پھر ان نام نہاد مفتیوں نے میرے خلاف فتووں کی ایک مہم کیوں شروع کر رکھی ہے؟ اس علاقے کے سرمایہ داروں نے میرے خلاف کیوں اکٹھ کر لیا ہے؟ ان خود ساختہ بزعم خود مفتیوں کے گروہ نے کیوں لوگوں کو مجھ سے بدظن کیا ہے؟ وہ لوگ کہ جو قرآن کریم کی چار آیات نہیں پڑھ سکتے۔ وہ میرے ایمان کا فیصلہ کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ ان لوگوں نے مجھے بے سروسامان دیکھا تو انہوں نے محاذ بنا لیا۔ لگائیں ناں کفر کا فتویٰ شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

کے مفسر و محدث صاحبزادے مولانا قمر احمد عثمانی پر بھی۔ انہوں نے ''عذاب قبر'' کے عنوان سے قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں ہی ایک کتاب لکھی ہے۔ اور واضح طور پر عذاب قبر کی نفی کی ہے۔ یہ لگائیں کفر کا فتویٰ ماہنامہ الحق حیدر آباد دکن کے مدیر جناب محمد فاضل پر۔ انہوں نے بھی عذاب قبر کا انکار کیا ہے۔ یہ لگائیں کفر کا فتویٰ ان دیوبندی علماء پر۔ جو قبر میں ایک عام انسان تو کیا رسول اکرم ﷺ کی حیات کے بھی قائل نہیں ہیں۔ اصل میں یہ ان لوگوں کا بھی قصور نہیں ہے۔ یہ بے چارے تو تحقیق و جستجو کے اس دور میں بھی جمود کا شکار ہیں۔ اور تحقیق کی دنیا سے کوسوں دور ہیں۔ دوسروں کے ایمان پر شک کرنے والے ان ''عالموں'' کا اپنا ایمان ناقص ہے۔ مگر یہ سادہ لوح اپنے آپ کو دوسروں کے ایمان کا مالک سمجھ رہے ہیں۔ کیا اختیار ہے ان کے پاس کہ مسلمانوں کو کافر بناتے پھریں۔ ان بے چاروں کو کیا پتہ کہ ان کے گرد و پیش کیا ہو رہا ہے؟ ان کے بارے میں دنیا میں کیا فیصلے ہو چکے ہیں؟ اور عالمِ کفر انہیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے کیا کچھ کر رہا ہے؟ فلسطین و کشمیر میں کیا ہو رہا ہے۔ چیچنیا اور بوسنیا میں کیا ہوا؟ افغانستان کے بارے میں مغرب کی کیا پالیسی ہے؟ عراق، سوڈان اور لبیا کے خلاف وہ کیا کچھ کر چکے ہیں؟ کیا ان لوگوں کو مسلمانوں کی بقاء کے مسئلے کا بھی کچھ ادراک ہے؟ مگر یہ تو ''عذاب قبر'' کے مسئلے پر مسلمانوں کے خلاف ہی کفر کی توپیں داغنے میں مصروف ہیں۔ میرے نزدیک یہ لوگ قابل توجہ نہیں۔ میرا ''جرم'' صرف یہ ہے کہ میں لوگوں کو قرآن عظیم کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ اے کاش، مسلمانوں میں ایک بار پھر قرآن فہمی کا شعور پیدا ہو۔ اور وہ تارکِ قرآن نہ بنیں۔

میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں سنتا رہا۔ میں حیران رہ گیا کہ ہمارا معاشرہ اور مذہبی اجارہ دار کس طرح ایک سچے مسلمان کی بے قدری کر رہے ہیں۔ اس کی کردار کشی میں مصروف ہیں اور اس کے قرآنی مؤقف کو سنے بغیر محض حسد اور بغض کی بناء پر اسے رد کر کے، اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں۔ میں گھر پہنچا۔ تو یہ ساری گفتگو کاغذ پر منتقل کی۔ تا کہ محفوظ رہے۔

بعد ازاں میں نے حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودات کی روشنی میں ''عذاب قبر'' کے بارے میں غور کرنا شروع کیا اور اس سلسلے میں اپنے والد گرامی جناب دلبر حسین مدظلہ العالی سے بات ہوئی۔

Marfat.com

دیگر دیوبندی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کے بارے میں دریافت کیا۔ کہ ان کا ''عذاب قبر'' کے بارے کیا خیال ہے؟ تو والد گرامی نے فرمایا: حیاتی دیوبندی تو عذاب قبر کو اپنے ایمان کا حصہ سمجھتے ہیں، مگر تعجب ہے مماتی دیوبندی علماء پر جن کے ایک ''علامہ صاحب'' عذاب قبر نہ ماننے والے کو ''کافر'' بھی قرار دیتے ہیں، کچھ علماء عذاب کو قبر سے نکال کر برزخ تک لے گئے ہیں۔ انھوں نے ہر حال میں مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے ہی مسلمانوں کو خالق حقیقی سے عذاب دلوانے کا تہیہ کر رکھا ہے۔

گو آج حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہم میں موجود نہیں لیکن ان کی باتیں اب بھی مجھے یاد ہیں۔ ان کا متبسم چہرہ اور سمجھانے کا مشفقانہ انداز بھی مجھے یاد ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں ان کے در دولت پر موجود ہوں۔ اور وہ استفسار کر رہے ہیں کہ اے فانی دنیا کے مکینو! کیا تم نے قیامت تک باقی رہنے والے دستور حیات کو اپنی شب و روز میں اپنے ذوق و شوق اور تحقیق و جستجو کا محور بنایا ہے یا نہیں؟ اور کیا مسانید رشد و ہدایت پر جلوہ افروز بزعم خود ''فرمانرواؤں'' نے اپنی ''رعایا'' یعنی اللہ کی مخلوق کے لئے زندگی کی کسی روشنی، کسی خوشبو کی نوید سنائی ہے یا نہیں؟ کیا مسلمانوں کے ایمان کے ان بزعم خویش ''محافظوں'' نے قرآنی تصور روزِ حساب کے قائم ہونے سے پہلے کے خود ساختہ تصورِ جزاء و سزا کے نظریئے پر نظر ثانی کی ہے یا نہیں؟ یا پھر ابھی تک یہ بے چارے دو رکعت کے امام ''عذاب قبر'' کے اندھیروں میں ہی بھٹک رہے ہیں!

اے کاش! میراث انبیاء کے وارث ہونے کے دعویدار نفرتیں بانٹنے کے بجائے محبت و اخوت کی جہانگیری کے لئے اپنے آپ کو وقف کر سکیں۔ ☆

> ''ہندو کھڑے بت کی پوجا کرتے ہیں تو آج کے مسلمان لیٹے ہوئے ''بت'' کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ ہندو اپنے خود تراشیدہ بتوں کے وسیلے سے رام تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ جبکہ آج کے بعض مسلمان اپنے ہی ہاتھوں سے دفن کئے ہوئے مُردوں کے ذریعے اللہ سے حاجات طلب کرتے ہیں۔''
>
> (حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

Marfat.com

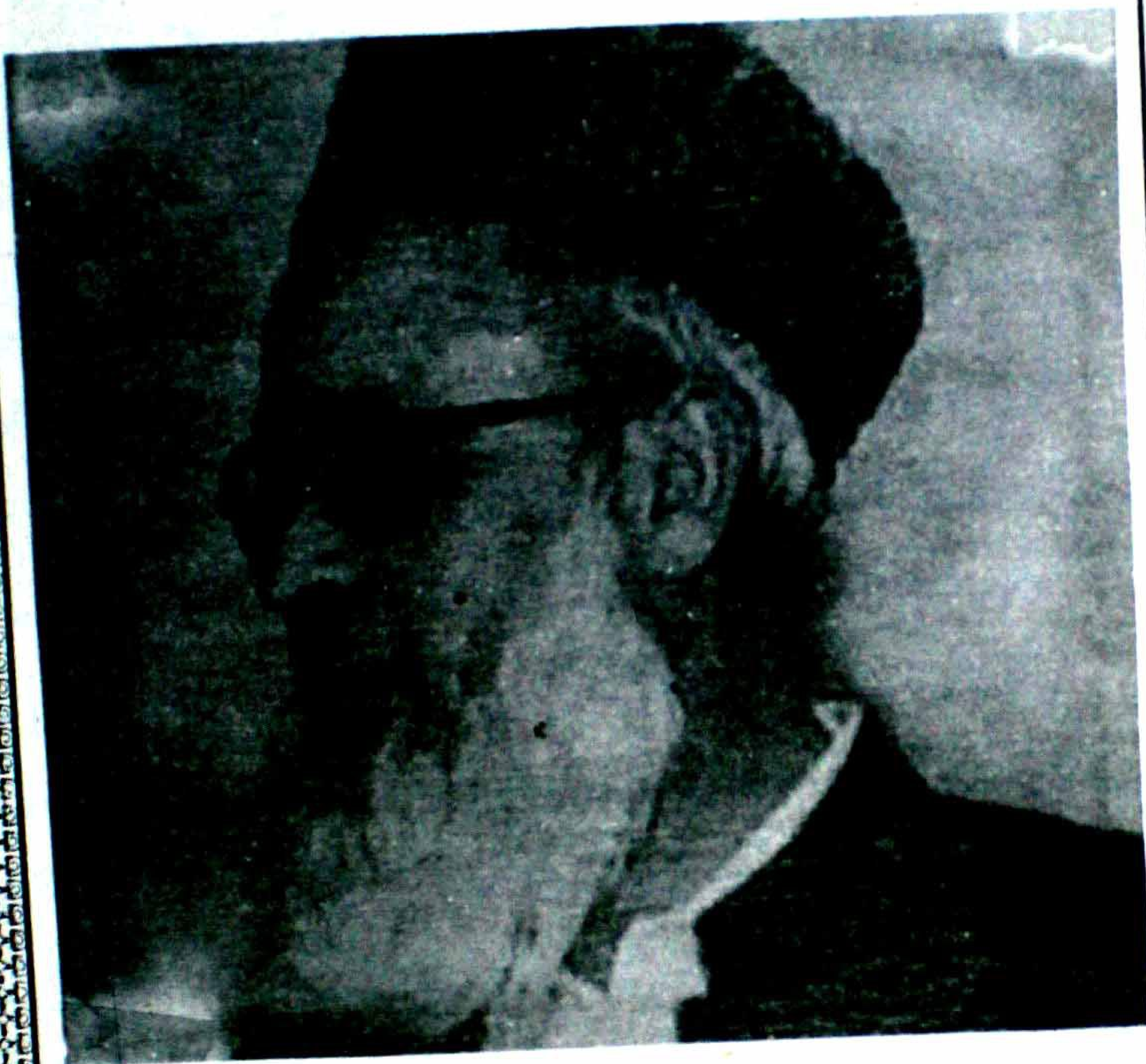

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

فرمایا کرتے تھے:

''ہمیشہ سچی بات کہو اور سچوں کا ساتھ دو۔ اگر کسی سچی بات کہنے کی پاداش میں، مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑ جائے۔ تو صبر و استقامت کا مظاہرہ کرو۔ ان شاء اللہ، کامیابی و کامرانی تمہارا مقدر بنے گی۔''

Marfat.com

ایک عظیم مسلمان

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ

کے سانحۂ ارتحال پر

مجلّات میں شائع ہونے والے اور

عبدالحفیظ بن عبدالعزیز

کے نام ارسال کیے جانے والے

چند تعزیت نامے

Marfat.com

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

جن کی پہچان .... سنجیدگی، متانت اور وقار جیسے اوصاف تھے ....

وہ حق کے لئے جیئے .... اور حق کی خاطر اپنی جان جانِ آفرین کے حوالے کر دی

مولوی عبدالعزیز خوش نویس درگذشت

دانش: فصلنامهٔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ؛اسلام آباد
فوریه ۲۰۰۲ء م ؛ ص: ۲۶۸

خامۂ اثر: دکتر محمد حسین تسبیحی (ایرانی دانشور، محقق، شاعر، ماہرلسانیات، کتاب شناس ومصنف کتب کثیرہ)

باکمال تأسف آگاه شدیم که آقای مولوی عبدالعزیز خوش نویس درگذشت و پس از از درگذشت وی همسرش نیز دارفانی را وداع گفت. جناب آقای دکتر سعید بزرگ بیگدلی به مناسبت سی سال، خدمات فرهنگی و خوشنویسی که آن مرحوم برای مرکز ارائه داده است، مناسب دیدند برای عرض تسلیت و فاتحه خوانی از یگانه پسرش و خانواده اش دیدن کنیم. به همین جهت صبح روز ۱۳۸۰/۱۱/۳= ۲۰۰۲/۱/۲۳ میلادی = ۹ ذی‌قعده ۱۴۲۲ هق برای ادای تسلیت و تعزیت به خانوادهٔ آن مرحوم رفتیم. مولوی عبدالعزیز پیش امام (= امام جماعت «مسجد الفاروق») در محلهٔ سلطان پوره راولپندی بود. وی شهرتی ویژه در مسجد ومحله خود داشت. هم امام جماعت بود و هم مدرس فرزندان محلهٔ خود بود. همکاری او با مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان در خوشنویسی رسائل و مجلات وکتابها و حتی دفترها و سرورق ها و مهرها و پرده نویس ها و تابلوها و آگهی ها و عناوین کتابها وغیر هم بود. وی در کار خود، صداقت و امانت بسیار به خرج می داد و علاوه بر کارش، مشاورت و معاونت و راهنمایی هم می‌کرد. وی در ۶۶ سالگی در ماه جنوری۲۰۰۲ میلادی برابر با دی ماه ۱۳۸۰ه ش / شوال المکرم ۱۴۲۲ هق از این دنیای فانی به سوی دار باقی شتافت «انا لله و انا الیه راجعون». پسرش آقای عبدالحفیظ که خود دانش آموخته و فرهنگ دوست است، در بخش اردو و عربی رادیو پاکستان کار می‌کند و فرزندان دیگرش که همه از طبقهٔ اناث هستند هریک به کاری مشغول می‌باشند. این دیدار یک تسلی قلب و یک آرامش روحی برای بازماندگان آن مرحوم داشت. خدایش رحمت کناد! (م.ح.ت)

مولوی عبدالعزیز خوشنویس چل بسے

ترجمہ

ڈاکٹر رشیدہ حسن، پی۔ایچ۔ڈی (ایران)
(ماہر لسانیات شرقیہ)

''وہ اپنے کام میں انتہائی صداقت اور امانت سے کام لیتے۔اسی طرح اپنے مفوضہ فرائض کے ساتھ ساتھ کارکنان کے لئے مشاورت و معاونت کرتے اور مختلف امور میں ان کی رہنمائی بھی کرتے۔''

انتہائی افسوسناک اطلاع ملی کہ جناب مولوی عبدالعزیز خوشنویس چل بسے۔اوران کے انتقال کے صرف دس ہی منٹ بعد ان کی شریک حیات بھی اس دارِفانی سے کوچ کر گئیں۔ جناب آقائی دکتر سعید بزرگ بیگد لی (ڈائریکٹر مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان) نے مرکز کے لئے ان کی تیس سالہ ثقافتی اور خوشنویسی کے حوالے سے خدمات کے سلسلے میں ضروری سمجھا کہ ان کے اکلوتے بیٹے اوران کے خاندان سے تسلیت وتعزیت کی جائے۔اور اس مقصد کے لئے انہوں نے 3-11-1380ھ ش (بمطابق 23 جنوری 2002ء/9 ذی قعد 1422ھ ق) مرحوم کے اہل خاندان سے تعزیت کی۔

مولوی عبدالعزیز سلطان پورہ راولپنڈی میں ''مسجد الفاروق'' میں پیش امام (یعنی امام جماعت) تھے۔وہ اس مسجد میں اور اپنے محلے میں خصوصی شہرت کے حامل تھے۔آپ امام جماعت بھی تھے اور اپنے محلے میں درس وتدریس کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے۔آپ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کے ساتھ منسلک تھے۔آپ نے مرکز تحقیقات کے مجلات، رسائل، کتب حتیٰ کہ ڈائریوں، سرورق، مہروں، بینرز،

Marfat.com

جدول، اشتہارات اور خصوصاً عنوانات کتب وغیرہ کی) خوشنویسی کی۔ اس حوالے سے وہ اپنے کام میں انتہائی صداقت اور امانت سے کام لیتے۔ اسی طرح اپنے (مفوضہ) فرائض کے ساتھ ساتھ باقی کارکنان کے لئے مشاورت و معاونت کرتے اور مختلف امور میں ان کی رہنمائی بھی کرتے۔

آپ 66 سال کی عمر میں جنوری 2002ء بمطابق بادی ماہ 1380ھ ش/شوال المکرم 1422ھ ق کو اس دارِ فانی سے دارِ بقا (عالم بقا) کی جانب کوچ کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ان کے صاحبزادے آقای عبدالحفیظ بذات خود اہل علم اور ثقافت دوست ہیں اور ریڈیو پاکستان کے عربی اور اردو شعبوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں اور ان کے علاوہ مرحوم کی بیٹیاں بھی عملی طور پر مصروفِ خدمت ہیں۔ یہ (تعزیتی) ملاقات ان کے لواحقین کے قلب وروح کی تسلی کا باعث بنی۔

خدا مرحوم کو غریق رحمت کرے۔ آمین۔ (دکتور محمد حسین تسبیحی)

اسیر تحریک نظام مصطفیؐ، حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کا والا نامہ

"آج تمہارا رقعہ نہ ملنے کی وجہ سے طبیعت میں کسی ایک چیز کی کمی محسوس ہوتی رہی۔ ہمارے لئے تمہاری کوششیں بڑی گراں قدر ہیں۔ اور یہ تمہارے لئے زندگی کا ایک انوکھا تجربہ ہے۔ اور ہمارے لئے جیل کے اندر رہ کر اس کے گرد و پیش کا تجربہ بھی ایک انوکھا ہے۔ زندگی میں یہ تجربے انسان کے لئے بڑے سبق ہوا کرتے ہیں۔ ان تجربات سے انسان کو گزر کر ہی کچھ حاصل ہوتا ہے۔ تم ہر روز ہمارے گھر آنے کے منتظر رہتے ہو گے۔ اور ہم ہر روز گھر جانے کے منتظر۔ مگر اللہ کو جو منظور ہوتا ہے۔ وہ ہی ہو کر رہتا ہے۔ اور اس میں انسان کی بہتری ہوتی ہے۔"

ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی

۲۷۔ اپریل ۱۹۷۷ء

بوقت دس بجے رات

Marfat.com

غوّاص بحرِ علوم قرآن

(ماہنامہ فیض الاسلام راولپنڈی کا تعزیت نامہ از جناب قمر یعنی مدیر مجلہ)

''مولانا عبدالعزیزؒ قرآن فہمی کے اعتبار سے مجتہدین کے گروہ میں شامل تھے۔ عربی کے متبحر عالم، خالص توحید کے مبلغ اور غوّاصِ بحرِ علوم قرآن تھے۔''

11۔جنوری 2002ء بروز جمعۃ المبارک، صبح پونے نو بجے، ریڈیو پاکستان کے معروف اور ذی علم پروڈیوسر محترم عبدالحفیظ صاحب کا فون موصول ہوا کہ رات دو بجے ابا جی (حضرت مولانا عبدالعزیز) فوت ہوگئے۔ میں نے کہا' اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ انہوں نے کہا: اور ٹھیک دس منٹ بعد یعنی دو بج کر دس منٹ پر امی جی بھی.......... یہ سنتے ہی مجھ پر جیسے سکتہ طاری ہوگیا۔ بہر حال میں نے ان سے اظہار ہمدردی کیا۔ معلوم ہوا کہ تدفین کا وقت چار بجے مقرر کیا گیا ہے۔

مولانا عبدالعزیزؒ قرآن فہمی کے اعتبار سے مجتہدین کے گروہ میں شامل تھے' عربی کے متبحر عالم' خالص توحید کے مبلغ اور غوّاص بحرِ علوم قرآن تھے۔ انہوں نے مسجد الفاروقؓ میں خطابت و امامت کی مفت خدمت انجام دی۔ اور اپنے علمی مواعظ سے لوگوں کو فیض پہنچایا۔ ان کے اجتہادی خطبات و مواعظ کی بنا پر انہیں شدائد و مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ تکفیری فتوے بھی لگائے گئے۔ مگر ان کے پائے استقلال میں جنبش نہیں ہوئی۔

وہ علم خطاطی کے ماہر تھے۔ ان کے لکھے ہوئے طغرے اور اقوال و اشعار دیکھنے کے لائق ہیں۔ ان

Marfat.com

کے ساتھ راقم الحروف کی نیاز مندی کا دور تقریباً نصف صدی پر محیط ہے۔

ان کی اہلیہ (والدۂ عبدالحفیظ) نے بھی بقول عبدالحفیظ: فروغ صدق وصفا کی تمام آزمائشوں میں صبر و استقامت کے ساتھ ان کا ساتھ دیا۔ دنیاوی زندگی میں ساتھ دیا اور دوسری زندگی میں بھی۔

یہ عبدالحفیظ وہی ہیں جو مشہور تصنیف ''حقیقت حیات وممات'' کے مصنف ہیں۔ اس کتاب میں قرآن کریم کی روشنی میں ٹھوس دلائل کے ساتھ نظریۂ عذاب قبر کی نفی کی گئی ہے۔

جب ایک ہی گھر سے ایک ہی وقت میں دو جنازے اٹھے تو پورے محلے میں ایک کہرام برپا تھا۔ جنازے میں مرحوم کے عقیدت مندوں ان کے اوران کے فرزند عبدالحفیظ کے احباب' رشتے داروں' دفتر کے ساتھیوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

اللہ تعالیٰ مرحومین پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے۔ ان کی روح کو اعلیٰ مقام ومراتب عطا فرمائے۔ اور عبدالحفیظ کو' جو بے سایہ وسائبان ہو گئے ہیں' صبر وسکون عطا فرمائے کہ موت سے مفر نہیں ہے۔ ☆

"امریکی حکمرانوں کو خون مسلم کی چاٹ لگ گئی ہے۔ انہیں مسلمانوں کا لہو بہانے میں بہت مزہ آتا ہے۔ برطانوی حکمران لومڑی کے مماثل ہیں۔ اپنی عیاری اور چالاکی سے مسلمانوں کے لئے تباہی کی سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ صلیبی جنگوں میں بھی برطانیہ ہی کے رچرڈ نے صلیبیوں کی قیادت کی تھی۔ آج بھی برطانیہ کے حکمران ہی ہر اسلام دشمن جنگ میں امریکہ کے غیر مشروط حامی و مدد گار ہوتے ہیں۔"

(حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

Marfat.com

محبت وشفقت کے انمول خزانے

خامہ اثر
جناب ضیاء محمد ضیاء
ممتاز ادیب، شاعر، ماہر تعلیم اور مصنف کتب کثیرہ کا پسرور سے تعزیت نامہ

''افسوس کہ ملاقات کا باب ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا''

مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد کے مجلّہ ''دانش'' میں آپ کے والدِ بزرگوار اور والدہ محترمہ کے انتقال کی روح فرسا خبر اچانک نظر سے گذری، تفصیل پڑھی تو دل تھام کر رہ گیا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ قیامت کئی مہینے پہلے ایک نہیں دو بار آپ پر گزر چکی ہے۔ اور آپ دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کی دو عظیم اور بے بدل نعمتوں اور محبت وشفقت کے انمول خزانوں سے محروم ہو گئے ہیں، اپنی نوعیت کے لحاظ سے بلاشبہ یہ ایک انتہائی دلگداز سانحہ ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم اور مرحومہ دونوں کو اعلیٰ علیین میں مقام بلند عطا فرمائے اور آپ کو اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

یہ خط لکھتے وقت مولوی صاحب مرحوم ومغفور کا نورانی چہرہ بار بار میری آنکھوں کے سامنے آرہا ہے، ان کا وہ گرامی نامہ بھی سامنے ہے جو انہوں نے میرے نعتیہ مجموعے ''موجِ زمزم'' موصول ہونے پر لکھا تھا اور ملاقات کا اشتیاق ظاہر فرمایا تھا۔ مگر افسوس کہ ملاقات کا باب ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

Marfat.com

ان کی آنکھوں میں اسلام کی چمک تھی

خامہ اثر
جناب ارشد محمود (چکوال)

"وہ سچے عالم دین اور مبلغ تھے۔ ان کی باتوں سے رہنمائی اور اپنائیت کا احساس ہوا۔"

میں اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ مجھے حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے ساتھ مل بیٹھ کر باتیں کرنے اور کھانا کھانے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ تین چار گھنٹے میری زندگی کے یادگار لمحات تھے۔ جو میرے ذہن سے محو نہیں ہو سکتے۔ میں نے ان کی آنکھوں میں اسلام کی چمک اور دل میں تڑپ محسوس کی۔ وہ ایک سچے عالم دین اور مبلغ تھے۔ ان کی باتوں سے راہنمائی اور اپنائیت کا احساس ہوا۔ ان کی باتیں ہمیشہ یاد رہیں گی۔ محترم عبدالحفیظ صاحب آپ کے والد اور والدہ کا بیک وقت جدا ہو جانا آپ کے لئے ایک کڑی آزمائش ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ ☆

"میری زندگی کی بڑی خواہشوں میں سے ایک بڑی خواہش یہ بھی ہے کہ مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑنے والی سلطنتوں کو بکھرتا ہوا دیکھوں۔"

(حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

Marfat.com

وہ یقیناً جنتی ہیں

خامۂ از
جناب نظام الدین نظامی
(ممتاز شاعر)

''انسان گزر جاتے ہیں اور اپنے پیچھے نہ بھلائی جانے والی یادیں چھوڑ جاتے ہیں۔''

پرسوں میں چکوال میں ارشد محمود صاحب کے ہاں گیا تو انہوں نے مجھے یہ خبر سنا کر غمگین کر دیا کہ آپ کے والدین ایک ہی دن میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ مجھے آپ کے وہ الفاظ یاد آ رہے ہیں کہ جو آپ نے پہلی ملاقات میں اپنے والد محترم کے تذکرے پر کہے تھے کہ تمہاری ملاقات ابا جان سے کراؤں گا، وہ بھی تمہاری طرح کی ہی موحدانہ اور انقلابی باتیں کرتے ہیں۔ ایک دو دفعہ پروگرام بنایا مگر ہر بار کوئی نہ کوئی کام رکاوٹ بن گیا۔ یقیناً انسان اس بارے میں بڑا ہی لاچار ہے۔ وہ صرف جانے والوں کیلئے دعا کر سکتا ہے۔ اور پسماندگان سے ہمدردی ہی جتا سکتا ہے۔ ہم آپ کے غم میں شریک ہونے کے سوا کیا کر سکتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے بارے میں جس طرح کی معلومات ہم تک پہنچی ہیں۔ وہ یقیناً جنتی ہیں۔ ان کی وفات کی خبر سن کر یہی خیال ہوا کہ ان سے ملاقات میرے مقدر میں نہ تھی۔ انسان گزر جاتے ہیں اور اپنے پیچھے نہ بھلائی جانے والی یادیں چھوڑ جاتے ہیں۔

وہ میٹھی باتیں، لذت گیر جن سے گوش ہوتے تھے
وہ سب کیا بھول جائیں گی پرانی داستاں ہو کر!

لکھنے کے لئے تو بہت کچھ ہے مگر یہی خلاصہ ہے کہ اس دنیا کا نظام اسی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔

☆

Marfat.com

وہ بہت حسّاس تھے

خامۂ اثر

جناب عبدالعزیز شکوہ (چکوال)
(صاحبِ طرز ادیب)

''وہ دھیمے دھیمے لہجے اور میٹھی میٹھی باتوں سے ہماری معلومات میں اضافہ فرماتے رہے''

''یہ جان کر دلی دکھ اور بے پایاں افسوس ہوا کہ آپ کے عظیم والد بزرگوار حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب اور آپ کی والدہ ماجدہ، دونوں اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ یہ خبر سن کر مجھ پر سکتہ کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں نے اطلاع نامہ بار بار پڑھا۔ اطلاع نامہ پڑھتے پڑھتے میں سیڑھیاں چڑھنے لگا اور چھت پر چلا گیا۔ اچانک اہلیہ نے آواز دی کہ نیچے آئیں کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ مجھ پر کیا بیت چکی ہے۔ مجھے تو وہ کھانا یاد آ رہا تھا جو 26 اکتوبر 2001ء بروز جمعۃ المبارک سہ پہر 3 بجے حضرت جی کی محبت بھری رفاقت میں ان کے دولت کدہ پر کھایا تھا۔ آہ، کتنی محبت اور خلوص کے ساتھ انہوں نے ہمیں کھانا کھلایا تھا۔ اور خود بھی چند نوالے ہمارے ساتھ تناول فرمائے تھے۔ حالانکہ ڈاکٹرز نے انہیں پرہیزی کھانا کھانے کی تاکید فرمائی تھی۔ مگر انہوں نے ہماری دعوت کو رد نہیں کیا تھا۔ کھانے کے دوران وہ دھیمے دھیمے لہجے اور میٹھی میٹھی باتوں سے ہماری معلومات میں اضافہ فرماتے رہے اور ساتھ ساتھ اپنے نور چشم عبدالحفیظ صاحب کو میزبانی کے فرائض بخوبی سرانجام دینے کی بھی تاکید فرماتے رہے۔ ان کے ساتھ یہ ہماری پہلی ملاقات تھی، مگر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ہم ایک دوسرے کو عرصے سے

جانتے ہوں۔ ہم پہلے بھی مل چکے ہوں۔ ایک ساتھ رہے ہوں۔ مجھے یاد ہے باتوں باتوں میں وہ اپنے ایک مرحوم دوست کی یاد میں کسی طفل معصوم کی طرح رو دیئے تھے۔ وہ بہت حساس تھے اور اپنے دوستوں سے بہت محبت کرتے تھے۔

میں آپ کے دکھ میں دکھی ہوں اور آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں۔ یہ قانونِ قدرت ہے کہ ہم سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اس میں کسی کا زور نہیں اور نہ ہی موت سے رُستگاری ہے۔

دعا ہے دانائے راز مرحومین کو جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ اور ہم سب کو اس مشکل گھڑی میں صبر اور ہمت عطا فرمائے۔ ارشد صاحب کو میں نے اطلاع کر دی تھی وہ بھی بہت رنجیدہ ہیں اور آپ کے غم میں برابر کے شریک۔ ارشد ہوں، مَیں ہوں، یا پھر آپ۔ غم سب کا ایک ہی ہے۔ ☆

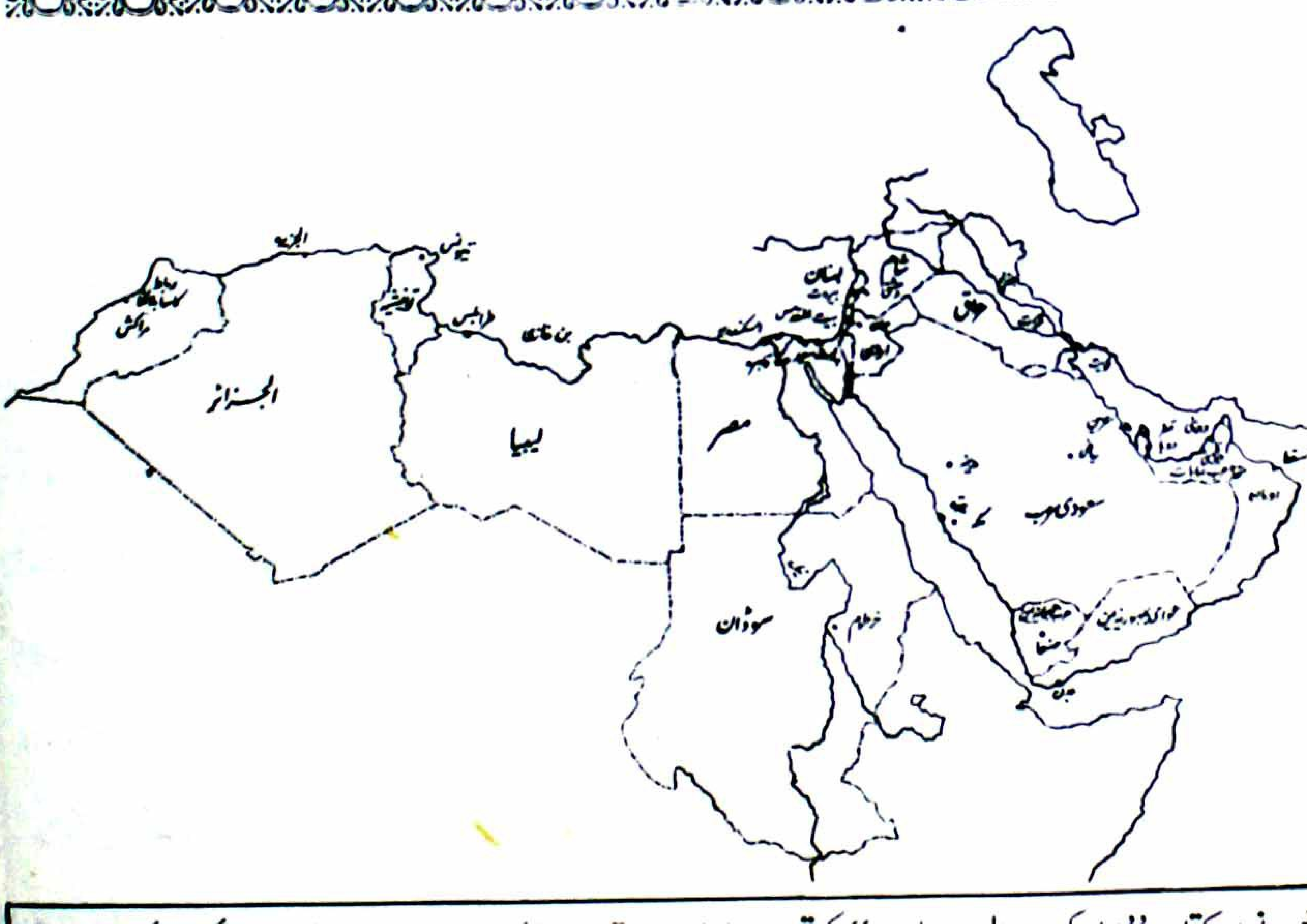

جن دنوں کتاب ''مجاہد کبیر جمال عبدالناصر'' کی تصنیف کا کام اختتامی مراحل میں تھا۔ اور اس کے ابتدائی حصے کی کتابت کا آغاز ہو چکا تھا۔ تو ان ہی دنوں میں حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مشرق وسطیٰ کا ایک نقشہ **Trace** کیا تھا۔ عکس ملاحظہ ہو۔

وہ دین کے سچے شیدائی تھے

خامہ اثر
حافظ عطاء الرحمٰن (سہگل آباد)

''انہوں نے دین کو سمجھنے اور سمجھانے کا بیڑا عمر بھر اٹھائے رکھا، یقیناً یہ کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہے''

آپ کے والد محترم حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی والدہ محترمہ کی رحلت کا سن کر دلی صدمہ ہوا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

کتاب ''حقیقت حیات وممات'' کے مطالعہ کے بعد یہ عیاں ہوا کہ آپ کے والد محترم حضرت مولانا عبدالعزیزؒ دین کے سچے شیدائی تھے اور انہوں نے دین کو سمجھنے اور سمجھانے کا بیڑا عمر بھر اٹھائے رکھا۔ یقیناً یہ کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔ کیوں کہ لوگوں کے قول وفعل میں تضاد ہوتا ہے اور آپ کے والد محترم حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے قول وفعل میں تضاد نہیں تھا اور انہوں نے ساری زندگی دین کی جو خدمت کی وہ آپ کے لئے اور ہم سب مسلمانوں کیلئے مشعل راہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ☆

تمام انبیاء کرامؑ دینی پیشوائی کے عوض کوئی تنخواہ یا صلہ یا اجرت نہیں لیا کرتے تھے۔ بلکہ اُن کا امتیاز ہی یہ تھا کہ انہوں نے دین کو پیشہ بنانے کے بجائے، اپنے ہاتھ سے محنت مزدوری کر کے حق بات لوگوں تک پہنچائی۔ (حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

مولانا عبدالعزیز صاحب

یقیناً ایک بڑے آدمی تھے

جناب مخلص وجدانی (ممتاز شاعر) کا مظفر آباد سے تعزیت نامہ

''وہ یقیناً ایک بڑے آدمی تھے' عالم تھے' خطاط تھے' اللہ تعالیٰ نے سارے اوصاف عطا کر رکھے تھے''

برادر مکرم ڈاکٹر صابر آفاقی صاحب نے پریشان کن خبر سنائی کہ مولانا عبدالعزیز کا انتقال (صعود) ہو گیا ہے۔ بے حد افسوس ہوا۔ مولانا صاحب یقیناً ایک بڑے آدمی تھے۔ عالم تھے۔ خطاط تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سارے اوصاف عطا کر رکھے تھے۔

ان کی بیماری کا مجھے قطعاً علم نہیں تھا۔ خیال تھا کہ جب بھی راولپنڈی جانا ہوا تو ملاقات ہوگی، اور وہ ہنستے ہوئے ملیں گے۔ پھر بیٹھیں گے۔ اپنی خطاطی کے نمونے دکھائیں گے۔ خوبصورت باتیں کریں گے' مگر افسوس اب تو یادیں ہی رہ گئی ہیں۔ ان کیلئے دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ انہیں جوارِ رحمت میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین۔

چند اشعار بطور قطعۂ تاریخِ وفات میرا نذرانۂ عقیدت ہیں۔ آپ کو بھیج رہا ہوں۔ ☆

''بہت سے مؤرخ حاطب اللّیل تھے۔ اور انہوں نے اپنے اپنے عہد کی سیاسی مصلحتوں اور مالی منفعتوں کے پیشِ نظر تاریخ کے اصل روپ کو سامنے نہیں آنے دیا۔

(حضرت مولانا عبدالعزیزؒ)

اسیرِ تحریکِ نظامِ مصطفیٰ ؐ

حضرت مولانا عبدالعزیز ؒ

کے ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی سے

عبدالحفیظ بن عبدالعزیز

کے نام

چند والا نامے

گلشن کے لئے خونِ جگر ہم نے دیا
ہر شام کو عنوانِ سحر ہم نے دیا
ہم پھر بھی بہاروں کے سزا وار نہیں
اپنوں کی نگاہوں میں وفادار نہیں

Marfat.com

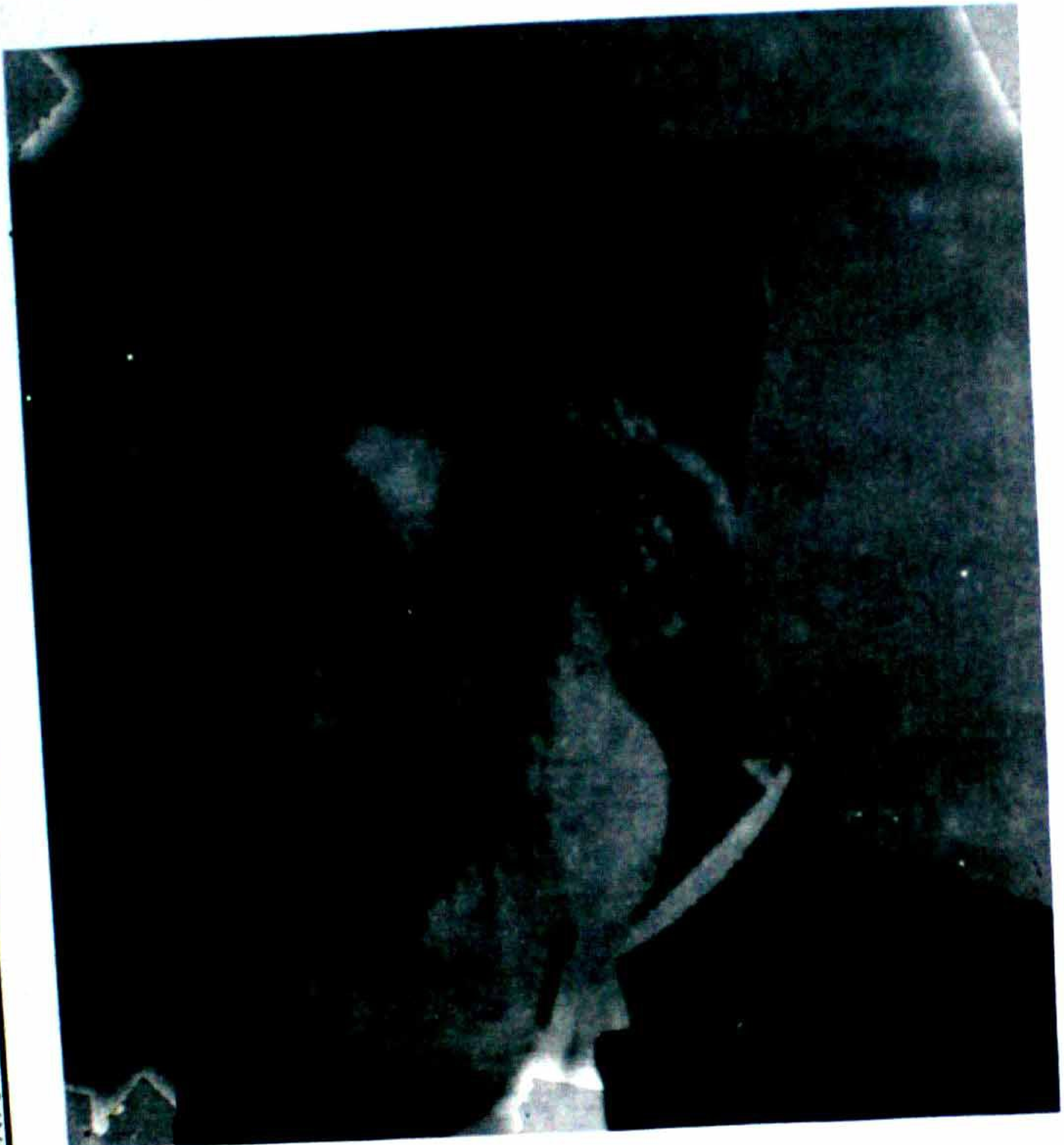

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

نے اپنے افکار و اعمال سے، اسلاف کے ان کارناموں کی یاد تازہ کردی کہ جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تاریخ حریت کے ماتھے کا جھومر بن گئے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے

میں نے قرآن پاک کا مطالعہ، انبیاء کے واقعات، صحابہؓ کی قربانیاں، اسلاف کے مصائب بھرے واقعات کا مطالعہ کیا ہوا ہے۔
اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کے نقش قدم پر چلنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔ اور میرے پاؤں میں
اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے کوئی لغزش آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور تمہارے پائے استقامت میں ثبات
اور تمہاری بہنوں کی ثابت قدمی اور تمہاری امی کی استقامت کا سن کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ جو خوشی دل
میں محسوس ہوتی ہے ان کا لفظوں میں اظہار مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور تم سب کو ہمیشہ دین اسلام
اور حق اور حق گوئی پر ثابت قدم رکھے اور ہمارے اسلاف کے کارنامے ہمارے لئے ایک سبق کا کام دیتے ہیں۔ اور ان کے نقش
منزل ہمارے لئے راہ منزل ہیں۔

اسیر تحریک نظامِ مصطفیٰ، حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی جذبۂ ایمان اور عزم واستقامت سے آراستہ ایک تحریر

باسمہ تعالیٰ

برخوردار عبد الحفیظ سلمہ اللہ تعالیٰ، السلام علیکم طالب خیریت بخیریت! آج تین بجے تک تمہارا رقعہ ..... کے ذریعہ موصول نہیں ہوا
معلوم وہ کیوں نہیں آئے۔ یہاں باہر کی خبریں مسلسل پہنچ رہی ہیں۔ لوگوں کی ملاقاتیں آتی ہیں تو ان سے باہر کے
حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔ لاڑکانہ مارچ ۹ کا بہت ہی چرچا ہے۔ اسیران بہت ہی خوش و خرم ہیں جن کے حوصلے نہایت
ہی بلند اور قابل داد ہیں۔ اور قابل دید ہیں۔ لیکن ہمیں افسوس یہ ہے کہ ہم باہر کے لوگوں کی جدوجہد میں شریک نہیں
ہیں۔ کاش کہ ہم سب اسیران باہر کے "قید خانے" میں رہنے والے لوگوں کا ہاتھ بٹا کر خوش نصیب ہونے کا شرف حاصل
کرتے۔ مگر جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ میں اور [illegible] اور دیگر تمام نظر بند اسیران بیٹھے ہوئے
خوش طبعی اور ملکی سیاست پر تبصرے کر رہے ہیں اور دن بھر یہی مشغلہ رہتا ہے۔ نئی نئی خبروں کے منتظر رہتے
ہیں۔ جب کوئی ملاقات کر کے آتا ہے تو اس پر سوالات کی بوچھاڑ شروع ہو جاتی ہے۔

جیل کی سلاخوں کے پیچھے پابند، اسیر تحریک نظام مصطفیٰ کے قلم سے اس عزم کا اظہار کہ: "ہمیں افسوس یہ ہے کہ ہم باہر کے لوگوں کی جدوجہد میں شریک نہیں ہیں۔ کاش! کہ ہم سب اسیران باہر کے "قید خانے" میں رہنے والے لوگوں کا ہاتھ بٹا کر خوش نصیب ہونے کا شرف حاصل کرتے۔"

Marfat.com

دراصل ہمیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے، تکلیف اور پریشانی تو آپ لوگوں کو ہے
درحقیقت آپ کو بھی پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ تکالیف اور پریشانی ہمارے اور آپ لوگوں کے لئے ایک اعزاز اور شرف ہے یہ مصائب کسی اخلاقی جرم کی پاداش میں نہیں ہیں، یہ تو حق اور حق گوئی کے لئے ہیں۔ ایسے مصائب تو انبیاءؑ اور حضرت یوسفؑ، صحابہ کرامؓ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام احمد حنبلؒ، امام مالکؒ، مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہؒ اور ان کا خانوادہ، شیخ الہندؒ اور حضرت مدنیؒ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے دیگر علمائے حق پر بھی آئے (ہم تو ان کے مصائب کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اور ہم ان جیسے مصائب برداشت کرنا کا عشر عشیر بھی نہیں ہے) ہم تو انگلی میں خون لگا کر شہیدوں میں شامل ہونے والوں میں سے ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسلام کی حکمرانی ہو اور صحیح اسلام لانے والے اوپر آئیں۔ اور ظلم کا اللہ تعالیٰ خاتمہ فرمائے۔ بفضلہ تعالیٰ ہمارا ضمیر مطمئن ہے اور ہمارے حوصلوں میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ کل تقریباً شہر کے سرکردہ لوگ بھی یہاں پہنچ چکے ہیں۔ ہماری کچہری میں پانچ تاریخ ہے اس دن تم ضرور کچہری آجانا۔ ہمارے معاملے میں کسی سیاسی پارٹی کے آدمی سے کسی قسم کی ذرا سی بھی سفارش نہ کرانا۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی رہا ہوں گے اور بفضلِ تعالیٰ باعزت آئیں گے اور اس وقت ظلم کی کالی گھٹائیں بھی چھٹ چکی ہوں گی۔ ظلم کا دور دورہ بھی اپنے انجام کو پہنچ چکا ہوگا۔

راہِ حق میں مصائب برداشت کرنے والے قافلۂ اہل حق کے حُدی خوانوں کا تذکرہ اور سربلندئ اسلام کے لئے دعا

حفیظ سلمہ اللہ تعالیٰ و مسلمان کو سلام علیکم۔ [illegible] دو رقعے ارسال کئے تھے جو کہ تمہیں مل گئے ہوں گے۔ ایک تو تمہیں پرسوں اور ایک آج ملا ہوگا۔ یہ رقعہ جو بھائی صاحب تمہیں
ملے ہیں یہ ہمارے محلے ہی میں رہتے ہیں۔ ان کو اپنی خیریت تفصیل سے [illegible] دینا یہ مجھے پہنچا دیں گے۔ ان کا نام [illegible] حسینی [illegible] ہے اور [illegible] تمام حالات ان کی
طبیعت کا حال اور [illegible] تمہیں اور [illegible] اور [illegible] اور دیگر تمام حالات تحریر کر کے ان بھائی صاحب (حسینی) کے ہاتھ دے دینا۔ امی کو
کہنا وہ ہرگز پریشان نہ ہوں اور بہنوں کو بھی پریشان نہ ہونے کی تاکید کرنا۔
ہمیں بی کلاس مل ہوئی ہے (جون 29 [illegible])
گیا۔ یہاں ہمیں بہت سی سہولتیں ہیں۔ کھانا بہت اچھا [illegible] ہے۔ تمہیں کوئی فکر نہیں کرنا چاہئے تم بالکل اطمینان رکھو۔ آج ہم نے
جمعہ [illegible] خطبہ اور [illegible] تقریر بھی ہو گئی۔ [illegible] درس بھی دیا۔ تمام [illegible] اور دیگر قیدی [illegible] بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ [illegible] پڑھاتا ہوں
[illegible] انشاء اللہ تعالیٰ۔ امی کو فکر [illegible]
[illegible] ہر [illegible] سب کو سلام دینا۔ [illegible] کو سلام دینا۔ عبدالعزیز [illegible] بجے شام)
15/6/77

سنتِ یوسفیؑ ادا کرنے والے اسیرِ تحریکِ نظامِ مصطفیٰ کے خامۂ اثر سے جیل کے اندر کے حالات کا تذکرہ...... جیل کے اندر درسِ قرآن اور امامتِ صلوٰۃ کا اعزاز......

Marfat.com

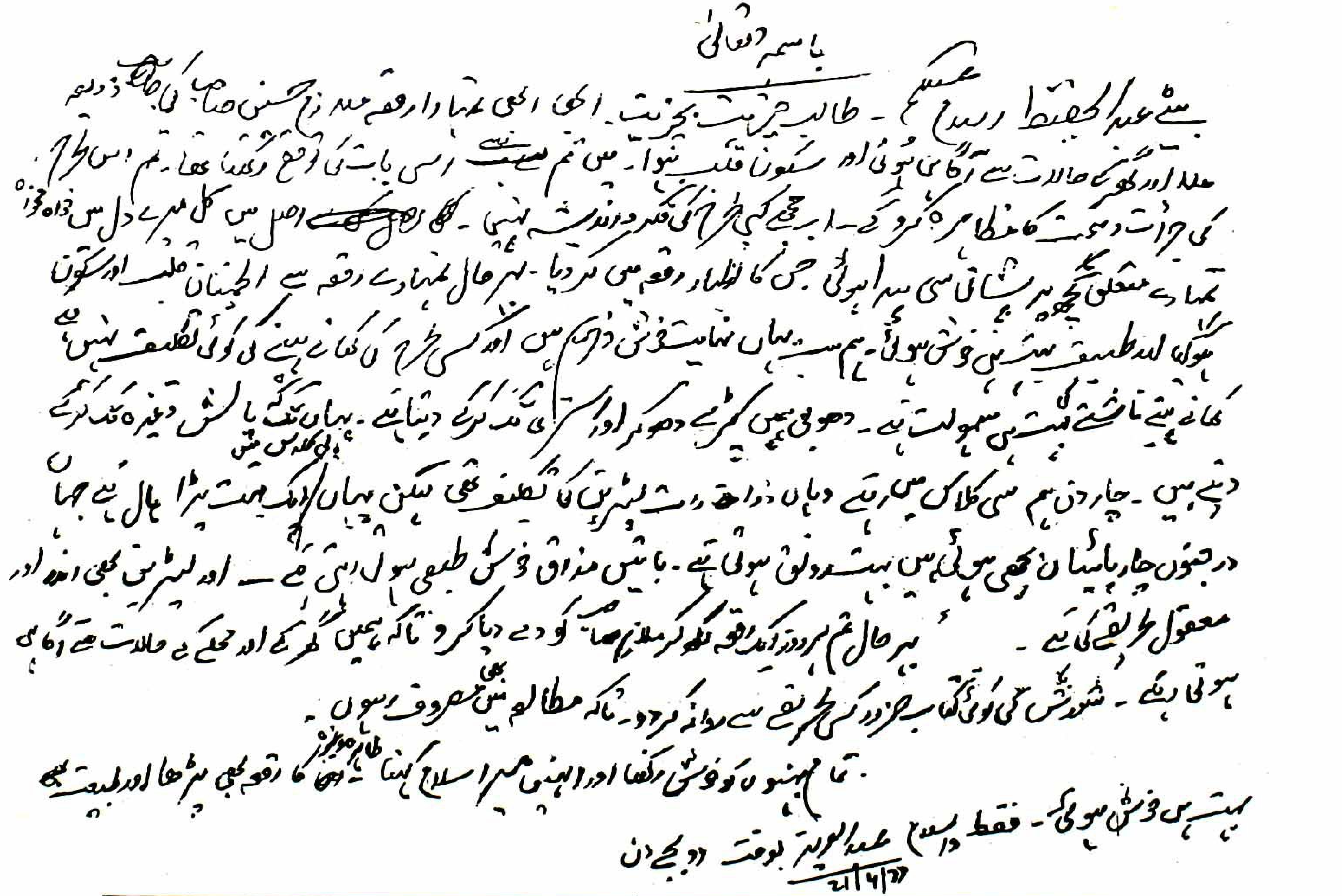
باسمہ تعالیٰ

بیٹے عبدالحفیظ سلمہ السلام علیکم۔ طالب خیریت بخیریت۔ ابھی ابھی تمہارا رقعہ ملا۔ زاہد حسن صاحب کی جانب سے ذریعہ ملا اور گھر کے حالات سے آگاہی ہوئی اور سکون قلب ہوا۔ میں تم سے یہی اسی بات کی توقع رکھتا تھا۔ تم اس طرح کی جرأت و ہمت کا مظاہرہ کرو گے۔ اب مجھے کسی طرح کی فکر و اندیشہ نہیں۔ اصل میں کل میرے دل میں ذرا خوف تمہارے متعلق کچھ پریشانی سی پیدا ہوئی جس کا اظہار رقعہ میں کر دیا۔ بہرحال تمہارے رقعہ سے اطمینان قلب اور سکون ہو گیا۔ الحمد للہ طبیعت بہت ہی خوش ہوئی۔ ہم سب یہاں نہایت خوشی و آرام میں ہیں اور کسی طرح کی کھانے پینے کی کوئی تکلیف نہیں ہے کھانے پینے ناشتے کی بہت ہی سہولت ہے۔ دھوبی ہمیں کپڑے دھو کر اور استری کر کے دیتا ہے۔ یہاں تک کہ پالش وغیرہ تک کر کے دیتے ہیں۔ چار دن ہم بی کلاس میں رہے وہاں ذرا حفاظت اور لیٹرین کی تکلیف تھی لیکن یہاں ایک بہت بڑا ہال ہے جہاں درجنوں چارپائیاں بچھی ہوئی ہیں بہت بارونق ہوتی ہے۔ باتیں مذاق خوش طبعی ہوتی رہتی ہے۔ اور لیٹرین بھی اچھا اور معقول بخوبی ہے۔ بہرحال تم ہر دوسرے تیسرے دن رقعہ لکھ کر ملازم صاحب کو دے دیا کرو تاکہ ہمیں گھر کے اور محلے کے حالات سے آگاہی ہوتی رہے۔ شورش کی کوئی کتاب ضرور کسی طریقے سے روانہ کر دو۔ تاکہ مطالعہ میں بھی مصروف رہوں۔

تمام بہنوں کو خوشی رکھنا اور اپنی ہمشیرہ اسلام بانو کا رقعہ بھی پڑھا اور طبیعت بہت بہت ہی خوش ہوئی۔ فقط والسلام عبدالعزیز بوقت دو بجے دن
21/6/77

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو جب جیل کے اندر اہل خانہ کی استقامت کی اطلاع ملی تو بہت مسرت کا اظہار فرمایا۔

باسمہ تعالیٰ

برخوردار عبدالحفیظ سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم۔ طالب خیریت بخیریت۔ رقعہ ابھی تمہارا تفصیلی رقم ملا
جس کو پڑھ کر حالات سے آگاہی ہوئی۔ اور میری صحت سے متعلق بھی تمہیں اطمینان ہوا۔ میں بحمد اللہ بالکل
خیریت سے ہوں۔ کوئی فکر نہ کریں۔ صغرا، باجی، زہرہ، سلمٰی، رابعہ، مونا، طاہرہ ان کی یاد ہر وقت
ذہن میں رہتی ہے۔ اور تمہارے رقعے سے ان کے متعلق مطمئن ہو جاتا ہوں۔ ان کے خوش ہونے سے مجھے خوشی ہوتی
ہے۔ دوسری بات تمہاری امی کی صحت کے متعلق فکر کسی وقت لاحق ہوتی رہتی ہے۔ اور تمہارے رقعے سے
اس کے متعلق بھی اطمینان نصیب ہو جاتا ہے۔ باقی میرا تمہیں کوئی فکر نہ کرنا چاہیئے۔ تمہاری ارسال کردہ اشیاء
تمام کی تمام موصول ہو چکی ہیں۔ نیز یہ کہ یہاں یہ بات عام ہے بلکہ مشہور ہے کہ ہماری رٹ ہائی کورٹ میں
سماعت کے لئے منظور ہو چکی ہے۔ اور آج کل میں رہائی کا امکان ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر کریں گے۔ ہم تو
اللہ کی رضا پر راضی ہیں۔ ہمارا ضمیر مطمئن ہے۔ اسلاف کے مصائب جھیلنے کے واقعات ہمارے لئے صبر و استقامت
کا درس ہیں۔ اور ہمارے لئے مسرت کا مقام ہے کہ ہم جیسے
گنہگاروں اور کمزوروں نے بھی ان کے نقش قدم پر چل کر ایک بہت ہی تھوڑا اور خفیف سا عمل کیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ
کی مہربانی اور عنایت ہے۔ جیل کے مشاہدات اور بھی ہیں وہ گھر میں آ کر بتاؤں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور ان دو رقعات

Marfat.com

سے ایک باورچی مرتب ہو سکتی ہے۔ یہاں تو بالکل ہی کوئی تکلیف نہیں ہے لیکن دیگر قیدیوں کی حالت (اخلاقی قیدی) قابل رحم ہے۔ اور انسانیت سوز۔ بالکل ہم اتحاد والوں کے آنے سے ان کی مشقت اور غرباء کی سلوک میں بہت حد تک کمی واقع ہوئی ہے۔ جو کہ گھر آکر (انشاء اللہ تعالیٰ) سناؤں گا۔ یہاں آکر بہت سے تجربات ہوئے ہیں جو قابل بیان ہیں۔ ہم سب وقت ایک وسیع اور مخصوص لان میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔

کسی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کو بھی نظر انداز نہ کرنا۔ بہنوں کو کسی طرح کی کمی اور پریشانی محسوس نہ ہونے دینا۔ ملازم صاحب اگر گھر آئیں تو ان کی خوب آؤ بھگت کرنا کیونکہ ان کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ ملنے جلنے والوں کو سلام کہنا۔ حافظ منیر خان کا بھی شکریہ ادا کرنا۔ یہاں رقعہ لکھنے اور قلم و کاغذ کی پابندی ہے اور اس لئے سب کو سلام وغیرہ نام لکھنے کا وقت ملنا دشوار ہے یہ بھی بس جلدی میں ہی لکھا ہے۔ اگرچہ وقت کی کمی نہیں ہے۔

ہم عنقریب ہی انشاء اللہ تعالیٰ رہا ہو جائیں گے یہ گھر سے علیحدگی کا ایک مختصر سا وقت جلد چھٹ جائے گا۔ اور گھر کے اور محلہ کے مزید حالات لکھ کر ہر روز حسب معمول لکھا کرو۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو تحریر کروں گا۔ میری صحت سے متعلق تمہیں ملازم صاحب نے مطمئن کر دیا ہوگا کیونکہ انہوں نے مجھے خود دیکھا ہے۔ فقط والسلام عبدالعزیز ۲۶/۶/۷۵ بوقت ۱۰ بجے رات

جیل کے احوال، استقامت وثبات کا اظہار اور روشن مستقبل کی امید۔

Marfat.com

باسمہ تعالیٰ

بیٹے عبدالحفیظ سلمہ اللہ تعالیٰ، السلام علیکم۔ طالب خیریت بخیریت۔ آج صبح بھی اور شام بھی معذور جسم
سے ملاقات ہوئی تھی۔ ان سے تمہاری خیریت کا دریافت کیا تھا اور خیریت معلوم ہوئی تھی۔ ہم سمجھتا ہے
سب اور تمہاری امی صبر کی وجہ سے پریشان ہوں۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ تم بالکل پریشان و فکر مند نہ
تمہاری پریشانی کا خیال مجھے بھی پریشان کر دیتا ہے۔ گھر کے مکمل حالات ہر روز لکھ کر مجھ
کو بھیج دیا کرو۔ مزید تسلی و رقعات لکھنے کے لیے وقت کا صرف نہ کیا کرو۔ البتہ امی کی طبیعت
اور بہنوں کی خیریت ضرور لکھا کرو۔ کیا صغرا، طاہرہ، مونہ وغیرہ سب خوش بھی
کھیلتی کودتی ہیں؟ آج ان کا خیال مجھے کچھ پریشان کر رہا تھا۔ خالہ امی کی طبیعت
کا حال تفصیل ضرور لکھو۔ وہ کچھ زیادہ پریشان تو نہیں ہیں؟ کیونکہ مجھے اس کی طبیعت
کا ہر وقت فکر رہتا ہے۔ ہمیں بالکل یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے البتہ گھر سے جدائی
ضرور ہے۔ تمہیں کوئی فکر و اندیشہ بالکل نہ کرنا چاہیے۔ یہ سمجھنا کہ میں کسی بہت ہی
ضروری کام کے سلسلے میں گھر سے باہر گیا ہوا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم ہمارے لئے انتہائی
کوشش کر رہے ہو۔ ملاقات سے معلوم ہوا تھا کہ تم آج ڈی سی سے
ملاقات کرنے کی کوشش کر رہے ہو کیا ہوا؟

گھر کے مکمل حالات ضرور لکھنا۔ سب ملنے والوں کو سلام کہنا۔

عبدالرشید
بوقت ساڑھے چار بجے 7/6/71

''یہ سمجھنا کہ میں کسی بہت ہی ضروری کام کے سلسلے میں گھر سے باہر گیا ہوا ہوں''......اہلِ خانہ کے لئے تسلی و تشفی

Marfat.com

ہیں یہاں گھومنے پھرنے کی مکمل آزادی ہے۔ ان لانوں میں گلاب کے دو قسم کے بوٹے بہت زیادہ ہیں اور
سری قسم کے بھی۔ مگر یہ لان بہت اونچی اونچی دیواروں کے درمیان میں واقع ہیں سوائے آسمان اور
ل کے مخصوص حصہ ان نظر آتے ہیں۔ جہاں ہر ایک کمپوڈر سے لے کر ایک جمعدار تک سب کے سب قیدی
ہیں جن کی حالت قابلِ رحم ہے جس کی تفصیل گھر آ کر بتاؤں گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) ہم جو سیاسی قیدی
ہر طرح سے آرام میں ہیں جیل کا انچارج تک ہم سب کی عزت کرتا ہے۔ ہفتہ میں دو بار پوری جیل کا معائنہ
جاتا ہے اور ہمیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ دریافت کرتا ہے۔ اگر کسی تکلیف کے متعلق بتایا جائے
زالہ کی کوشش کی جاتی ہے۔ اتحاد کے لوگوں کی وجہ سے جیل میں ایک میلے کی سی کیفیت ہے۔ ہمارے چلے
کے بعد جیل میں (جو بذاتِ خود ایک نحوست کی جگہ ہے) ایک ویرانی کا عالم ہوگا۔ اگرچہ وہاں ہر قسم
قیدی ہیں۔ یہ تو مختصر طور پر میں نے یہاں کے واقعات لکھے ہیں۔

”ظلم کی نگری“ جیل کے اندر کے احوال

ہر روز شام کو گوشت اور دن کو سبزی یا دال اور صبح کا ناشتہ
انڈے توس اور دن کے وقت کئی دفعہ چائے کی مجھے عادت ہوگئی ہے اور خصوصاً نکما رہنے کی۔
اگر یہ شرطیں منظور ہیں تو پھر میں آجاتا ہوں ورنہ یہ جیل اور دوسری چیزیں کون چھوڑ کر آتا ہے
کا دوست
.... صاحب
محمد حسین بھی آج ان کے ساتھ آ ہوتا تو وہ بھی خوب کھاتا۔ اس سے
ی پوچھو کہ تم بھی یہاں آنے کے لئے تیار ہو؟ صوفی تاج صاحب کو بھی ان کھانے پینے کی اشیاء کی خوشخبری
ناؤ اگر تم وہ بھی یہاں تشریف لانا چاہیں تو یہاں بڑی گنجائش ہے۔ باقی خواجہ صاحب کا بھی دل
کرنے کو نہیں چاہتا تھا ان کو بھی مشورہ دیتا ہے کہ وہ بھی تشریف لے آئیں جیل کے حکام ان کا خیر مقدم
یں گے اور جیل میں سی کلاس کی روٹی اور دال اور چائے بہت ہی لذیذ ہے۔ یہ سب باتیں
ش طبعی کے طور پر لکھ دی ہیں۔ یہ تحریر بروز بدھ بوقت ۱۰ بجے رات کی ہے۔

اہل جنوں کب ہراساں ہوتے ہیں پسِ دیوارِ زنداں؛ زمانۂ اسارت اور خوش طبعی

Marfat.com

باسمہ تعالیٰ

برخوردار بیٹے عبدالحفیظ سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم۔ طالب خیریت بخیریت آج مورخہ ۲۷ اپریل بروز بدھ
تمہارا رقعہ بذریعہ ..... نہیں ملا کیونکہ وہ اس دن یہاں آئے ہی نہیں۔ ان کا انتظار بڑی شدت
سے کرتا ہوں ... وہ تقریباً دو دفعہ یہاں آتے ہیں لیکن آج تو بالکل ہی نہیں آئے ہوسکتا ہے کہ
ان کو کوئی ضروری کام پڑ گیا ہو۔ امید ہے کہ تم ان کے گھر بھی گئے ہوگے یا وہ تمہارے گھر آئے ہوں اور
تمہیں خبر ہوگئی ہو۔ مگر مجھے ان کے یہاں نہ آنے کی خبر نہیں ہوسکے گی۔ نیز آج تمہارا رقعہ نہ ملنے
کی وجہ سے طبیعت میں کسی ایک چیز کی کمی محسوس ہوتی رہی۔ ہمارے لئے تمہاری کوششیں بڑی
گرانقدر ہیں۔ اور یہ تمہارے لئے زندگی کا ایک انوکھا تجربہ ہے اور ہمارے لئے جیل کے اندر رہ کر ایک
گردوپیش کا تجربہ بھی ایک انوکھا ہے۔ زندگی میں یہ تجربے انسان کے لئے بڑے سبق ہوا
کرتے ہیں۔ ان تجربات سے انسان کو گزر کر ہی کچھ حاصل ہوتا ہے —— تم ہر روز ہمارے گھر آنے کے
منتظر رہتے ہوگے اور ہم ہر روز گھر جانے کے منتظر۔ مگر اللہ کو جو منظور ہوتا ہے وہ ہی ہو کر رہتا ہے۔ اور
اس میں انسان کی بہتری ہوتی ہے۔ تم جو ہماری رہائی کی کوشش باہر جاری رکھے ہوئے ہو وہ تو
ہوتی رہے۔ اگر ممکن نہ ہوسکے تو بالفرض محال ہمیں ایک مہینہ ہی اندر رہنا پڑے (اللہ کے فضل سے
ایسا نہیں ہوگا) تو پھر تم ہماری ملاقات کے لئے ڈی سی کو شاید درخواست دینا پڑتی ہے وہ دیکھو
اس کا طریقہ تمہیں بابو سے معلوم ہوسکے گا۔ اور یہ معلوم کرلو کہ کتنے آدمی بیک وقت ملاقات کر سکتے ہیں تو اپنے
آدھا لیے آنا ٹھیک وقت پر تم ہو جانا اگر چھوٹے بچوں کو لانے کی اجازت ہو تو پھر طاہرہ کو لے آنا اور ایک عبدالشکور
اور لیاقت نہیں تو تم دو ہی کافی ہو۔
نیز ہماری ۱۶ ایم پی او ۱۸۸ کی تاریخ عدالت
پیشی کی ۵ مئی ہے اس دن بھی ملاقات کچہری میں ہوسکے گی۔ اس دن بھی تم طاہرہ یا میمونہ کو ساتھ لے
آنا۔ اگر تم مناسب سمجھو ورنہ نہیں۔ ملاقات کے وقت میلے کپڑے بھی تمہارے حوالے کروں گا
اور جو یہ کپڑے جو میں کہوں گا وہ تم اسی دن شام پہنچا دینا۔ باقی ہم سب جو اس بڑے ہال میں رہتے ہیں
۴۰ آدمی ہیں اور ساتھ ہی ایک بارک ہے جسے لوہا بارک کہتے ہیں اس میں بھی ۲۵ آدمی ہیں جب کہ ہماری بارک
بی کلاس کہلاتی ہے اور دوسری سی کلاس۔ ہم سب دن بھر دو لانوں (میدان) میں دن بھر گھومتے رہتے ہیں

باقی میری طبیعت بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ ملازم صاحب نے مجھے دیکھا تھا میں خوش بشاش
وخرم ہوں۔ ان سے ہی میری بشاشت طبیعت کے متعلق دریافت فرما لینا
میرے گلوکوز مانگنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں بیمار ہوں۔ از بیشتر ایک رقعہ صبح
میں نے لکھ کر ملازم صاحب کو دیا تھا یہ آج ہی دوسرا رقعہ تھا۔ مزید کوئی اور بات نہیں
ہے جو کہ لکھوں۔ امی کو بھی بتا دینا جو ملازم صاحب میری طبیعت سے متعلق
بتا نہیں گئے۔ تاکہ اس کو بھی پریشانی نہ ہو۔ یہ کوئی بات نہیں کہ چند یوم
دکھ میں آ جائیں۔ سالہا سال انسان گھر ہی میں گزار دیتا ہے اور چند یوم باہر آ جانا
تو کوئی بات نہیں ہوتی۔ یہ سمجھنا کہ میں گھر سے سفر پر گیا ہوا ہوں اور جلد ہی واپس آ
جاؤں گا۔ فقط والسلام عبدالعزیز

22/9/77

بوقت ساڑھے پانچ بجے شام

جیل کی زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہوتی بلکہ یہاں بے گناہوں کو کانٹوں کے ہار پہننے پڑتے ہیں۔ اللہ کے نیک مقبول بندے جیل کی سختیوں کو، اس کی رضا سمجھ کر صبر واستقلال کے ساتھ برداشت کرتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے اپنے 33 دنوں کے زمانۂ اسارت میں ذات باری تعالیٰ پر کامل یقین اور صبر و رضا کا بے مثل مظاہرہ کیا۔ اس دوران میں اپنے اہل خانہ کے احوال سے بھی غافل نہ رہے۔ اور اپنے خطوط میں انہیں ہمت وحوصلہ اور ثابت قدمی کی تلقین کرتے رہے۔

باسمہ تعالیٰ

برخوردار عبدالحفیظ سلمہ اللہ تعالیٰ، السلام علیکم طالب خیریت بخیریت۔ ابھی دس منٹ پہلے ایک تفصیلی رقعہ ایک نوجوان کے ہاتھ روانہ کیا اور وہ تمہیں تھوڑی دیر پہلے ملا ہوگا۔ اگر نہیں ملا تو مل جائے گا۔ ملازم صاحب کل تشریف نہیں لائے تھے اور آج بھی امید نہیں تھی تو وہ رقعہ میں نے اس رہا ہونے والے نوجوان کے سپرد کیا۔ بالکل خیر و عافیت ہے۔ ہماری رہائی کے متعلق جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا وہی ہوگا تم بالکل مطمئن رہو۔ دوسری کوئی بات نہیں ہے۔

کتاب "بوئے گل" مل گئی ہے۔ حافظ صاحب کا رقعہ بھی مل گیا ہے۔

فقط والسلام

2/6/77 بوقت ساڑھے چار بجے شام

جیل کے اندر ذوقِ مطالعہ، آغا شورش کاشمیری کی کتاب ''بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل'' کا تذکرہ

چوہدری خورشید صاحب، بابو یعقوب لودھی اور دیگر تمام دوستوں اور احباب کی خدمت میں سلام کہنا۔ دیگر تمام اہل محلہ جو ہمیں پوچھنے کے لئے آتے ہیں ان کی خدمت میں سلام کہنا۔ دیگر کوئی بات ہو تو تحریر کر کے ملازم حسین صاحب کو دے دینا۔ امی کو میری طرف سے تسلی دینا اور کہنا کہ ہم جلد ہی آ رہے ہیں انشاء اللہ اور انہیں کہنا کہ وہ بالکل فکرمند اور پریشان نہ ہوں۔

گزرا ہوا وقت خواب معلوم ہوتا ہے اگرچہ آنے والا وقت ذرا طویل معلوم ہوتا ہے اور گزرنے کے بعد خواب۔ قاری عبدالمالک صاحب، الطاف پرویز اور دیگر کئی ہمارے اور تمہارے جاننے والے یہاں اکٹھے ہی ہیں۔ فقط والسلام

قاری عبدالمالک صاحب اور دیگر کی خواتین تمہیں سلام کہتے ہیں۔

عبدالوہاب

18/6/77

بوقت ساڑھے تین بجے دن

زمانے کی سختیاں وقت کی دھول بن کر خواب ہو جاتی ہیں، گھبرانا نہیں چاہئے: اسی مفہوم کے ایک خط کا عکس

Marfat.com

بیٹے عبدالحفیظ سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم

میں اور چوہدری صاحب بالکل خیریت سے ہیں
ہمیں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے۔ اور ہمیں شاید
کچھ دن اور یہاں ہی رہنا پڑے۔ یہاں بڑی
رونق ہے۔ ہم ایک ہی بڑے کمرے میں کئی پچاس
آدمی ہیں۔ سارا دن باتیں ہوتی رہتی ہیں۔
ہم سے ملاقات پر فی الحال پابندی ہے۔ تمہیں
اس بات سے بالکل پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔
ہم کو یہاں پر باقاعدہ اخبارات ملتے ہیں۔ باہر کے
حالات سے آگاہی ہوتی رہتی ہے۔ یہاں بیٹھ کر لوگوں
جو کہ تمہارے ساتھ خوش نظر آتے ہیں۔ تمہیں امی کو کہنا
کہ بالکل پریشان نہ ہوں۔

عبدالعزیز ولد فضل الٰہی
دری فیکٹری

سیاسی قیدیوں کو جیل میں کچھ مراعات حاصل ہوتی ہیں، ان سے عموماً مشقت نہیں لی جاتی۔ بعض اوقات وہ ایک جگہ بیٹھ کر تبادلہ خیالات کر سکتے ہیں۔ 1977ء کے زمانہ اسارت کے ان ہی لمحوں کو حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی کی دری فیکٹری میں بیٹھ کر قلم وقرطاس کی زینت بنایا۔

Marfat.com

ابھی ابھی ساڑھے چار بجے تمہارا رقعہ ملا ہے ..... ملا اور ہماری رہائی کا لکھا ہوا تھا
مگر ابھی تک تو کوئی آرڈر نہیں آیا ہو سکتا ہے کہ کسی وقت آرڈر آجائے۔ تم نے بہت ہی کوشش کی
ہے جس کا ہمیں احساس ہے ہم تو یہاں آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں۔
اور تم سب ہماری وجہ سے مصیبت میں پڑے ہوئے ہو۔
یہاں ہماری سب لوگ عزت کرتے ہیں اور چارپائی پر ہی بیٹھ کر چائے وغیرہ پیتے ہیں۔
اور خصوصی طور پر ہماری کبیر علی واسطی صاحب، علی افضل خان جدون صاحب ہمارا خصوصی
خیال رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہاں کھانا وغیرہ پکوانے کا انتظام انہی کے سپرد ہے اور ساتھ ہی
ایک خاکسار لیڈر محمد حسن صفیر بھی خاص خیال رکھتے ہیں۔ یہاں بہت ہی دلچسپ
باتیں ہوتی رہتی ہیں جن کو سن کر تم بھی ہنسو گے اور ہمارے محلے میں رہنے والے کئی لوگ جو
مختلف جرائم میں محبوس ہیں ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ ان کی حالت قابل رحم ہے۔
اگر آج ہماری رہائی کے آرڈر نہ ہوئے تو کل اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہو جائیں گے قاری عبدالمالک صاحب
الطاف پرویز صاحب، علی افضل جدون صاحب، کبیر علی واسطی صاحب اور تمام اسیران کی جانب سے سلام علیکم
اور اگر کوئی خاص بات ہو تو تحریر کرنا۔
میرا یہ خط پڑھ کر تمہاری امی اور تمہاری بہنیں خوش ہو گئی ہوں گی
بس پر ختم کرتا ہوں۔ فقط والسلام

عبدالعزیز
26/6/77 بوقت پانچ بجے شام

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ جو بھی ایک دفعہ آپ سے ملاقات کرتا، آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ آپ کی عزت واحترام کرتا۔ ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی میں بڑے بڑے سیاستدان آپ کو آسائشات بہم پہنچانے کی کوشش کرتے۔ احباب کے ان ہی جذبات کو حضرت مولانا مرحوم نے قلمبند کیا۔

Marfat.com

عبدالحمید سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم۔ تمہارا ارسال کردہ رقعہ ملا جس سے گھر کے حالات معلوم ہوئے اور طبیعت میں اطمینان ہوگیا۔

اگر کوئی خاص بات ہو تو ملازم حسین صاحب کو رقعہ لکھ کر دے دینا۔ وہ ہمیں پہنچا دیں گے۔ نیز کپڑے وغیرہ کا بھی ہمیں دھو کر دھوبی دے جاتا ہے جو کہ جیل کی حفاظتی والوں کو یہ سہولت حاصل ہے۔ ہمارے کپڑوں کی کچھ بھی فکر نہ کرنا۔

نیز ایک خط چوہدری اشرف صاحب اور ڈاکٹر اسرار صدیقی صاحب کو لکھنا اور ہماری گرفتاری کا لکھنا کہ تمہارے کام میں اس لئے مزید تاخیر اس لئے ہو گئی ہے۔ تاکہ ان کو اپنے کام کے سلسلہ میں کچھ تسلی ہو جائے۔ کاغذ قلم وغیرہ قانونی طور پر ہم رکھنے کے حقدار نہیں ہیں اس لئے احتیاط کے طور پر رقعہ وغیرہ کا لکھنا پڑتا ہے۔

بہرحال مزار روڈ ہو سکتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔ اور بفضلہ تعالیٰ مطمئن ہیں۔ امی کو بہت ہی تسلی دیتے رہنا۔ اور سب بہنوں کو بھی ہر طرح خوش رکھنا۔

یہ رقعہ جلدی میں تحریر کر رہا ہوں۔
سب کو سلام علیکم۔ گھر کے حالات نشست میں جلد تحریر کرتے رہیں۔ حالات سے آگاہی ہوتی رہتی ہے۔ فقط والسلام عبدالعزیز
۱۸/۶/۷۷ بوقت ۵ بجے شام

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ذریعۂ معاش خطاطی تھا۔ گرفتار ہو جانے کی وجہ سے کچھ احباب کی کتابوں کی خطاطی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اپنے ایک والا نامہ میں ان کرم فرماؤں کو خط لکھنے کی ہدایت فرمائی۔

Marfat.com

باسمہ تعالیٰ

برخوردار بیٹے عبدالحفیظ سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم۔ طالب خیریت بخیریت! ابھی ابھی تمہارا رقعہ ملا حالات سے آگاہی ہوئی۔ میری طبیعت کے متعلق تمہیں تشویش ہوئی جو رقعہ سے عیاں ہے حالانکہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ میری کچھ طبیعت جمعرات کے دن معمولی سی خراب ہوئی تھی مگر پھر جلد ہی ٹھیک ہو گئی تھی۔ یہ دوائیں (یعنی شربت اور گلوکوز) حفظ ماتقدم کے طور پر طلب کی ہیں کہ اگر کسی وقت کچھ معمولی بھی طبیعت خراب ہو تو اس کو استعمال کیا جائے ورنہ کوئی اور بات نہیں ہے۔ یہ چیزیں تو میں گھر میں بھی وقتاً فوقتاً استعمال کرتا ہی رہتا تھا۔ تمہیں بالکل کسی قسم کی کوئی تشویش نہیں کرنی چاہیے۔ میں اللہ کی مہربانی سے بالکل تندرست ہوں۔ تم جو گرانقدر کوشش کر رہے ہو میں اس سے بہت ہی خوش ہوں۔

تم میری وجہ سے بالکل پریشان نہ ہونا۔ کیونکہ میں یہاں بالکل آرام سے بیٹھا ہوا ہوں۔ مجھے اگر کوئی پریشانی ہوتی ہے تو تمہاری۔ جب تمہاری خیریت بذریعہ رقعہ معلوم ہوتی ہے تو طبیعت میں سکون اور اطمینان ہو جاتا ہے۔ میں نے بسکٹوں کے ڈبوں کے متعلق لکھا تھا۔ وہ ڈبے جیل میں ہی کینٹین سے منگوا لئے ہیں۔ ان کے بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ کپڑوں کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ آج ہم رہا ہو جائیں تو پھر ان کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اپنی خیریت، امی کی خیریت اور طبیعت اور تمام بہنوں کی خیریت سے ضرور مطلع رکھو۔ باقی تمام ملنے جلنے والوں کو سلام کہنا۔

اور زیادہ کیا لکھوں۔ جیل میں اسیر دفعہ ۱۴۴ والے بھی عنقریب باہر آ رہے ہیں۔ اور ملک کی کل کی حالت سے متعلق نہایت ہی پریشان ہو گئے ہیں مگر ان کے حوصلے اتنے بلند ہیں جس کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جن لوگوں نے تمہیں سلام دیئے تھے ان کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ فقط والسلام

عبدالعزیز

23/6/77

بوقت دس بجے صبح

ایک ذمہ دار سربراہِ خاندان کی حیثیت سے اہلِ خانہ کے لئے ایک تسلی آمیز خط

Marfat.com

عکس

پیارے عبدالحفیظ سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ السلام علیکم

کل تمہیں ایک رقعہ [illegible] ہماری خیریت کی اطلاع ملی ہوگی ۔ آج ایک رقعہ
[illegible] ہم یہاں بالکل خوش ہیں ۔ اور تم سب کی خوشی رہنا [illegible]
[illegible] ہم عنقریب کوئی درس [illegible] کی کوشش ہو رہی ہے ۔ یہاں [illegible]
کوئی تکلیف نہیں ہے ۔ کھانا وغیرہ بھی ٹھیک ملتا ہے ۔ [illegible]
[illegible] لگے ہیں
[illegible] اگر [illegible] رہتے ہیں [illegible]
بیشمار لوگ [illegible] ہمارے لئے باعث افتخار ہے ۔ ہم کو دین اسلام کے نفاذ کے لئے
[illegible] گرفتار ہیں ۔ [illegible] کوئی فکر کی بات نہیں ۔ یہاں ہماری موجودگی سے حکومت کافی پریشان ہے
لیکن ہم ان کے احسانات پر مسرور نظر آتے ہیں ۔

[illegible] کا انتظام کر دیا ۔ اللہ تعالیٰ سب بہتر
کرے گا ۔ تم خود کام پر جایا کرو ۔ [illegible] ہمارا پیغام کہہ دینا
تاکہ اگر [illegible] مطمئن رہنا ۔ [illegible] بالکل بے فکر
اور مطمئن رہو ۔ ہم کوئی جرم کر کے یہاں نہیں لائے گئے بلکہ ایک اعلیٰ مقصد کے لئے یہاں
لائے گئے ہیں ۔ جو کہ ہمارا اعزاز ہے ۔
باہر کی [illegible] تمام خبریں ہمیں ملتی رہتی ہیں اخبارات آتے ہیں ۔ کوئی دقت نہیں ۔ [illegible]
بیشمار لوگ گرفتار ہو کر آ رہے ہیں ۔ تمام جیل بھر چکی ہے اور اب مزید لوگوں کو رکھنے کی جگہ
نہیں ہے ۔

[illegible]

عبدالعزیز
13/6/77

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے اعلیٰ مقصد کے لئے اسیر کئے جانے کو باعثِ اعزاز سمجھا

Marfat.com

آج 7 بروز جمعرات ہے اور دن کا ڈیڑھ بج چکا ہے ابھی تک تو ... تشریف نہیں لائے ـــ آج تو ان ہم لوگوں میں سے
بھی کچھ لوگوں کو پھر پکڑ کر لے آئے ہیں۔ اور ہمارے حوصلے بفضلہ تعالیٰ بہت ہی بلند ہیں کسی قسم کی فکر و پریشانی نہیں ہے
اور تم بھی اور خصوصاً تمہاری آپی کو بھی فکر و اندیشہ نہ کرنا چاہیے۔ صغرا، یاسمین، زہرہ، سلمیٰ، روبینہ، جمو اور طاہرہ
کو بھی خوش رکھنا۔ کیا خرچ کے لئے کچھ تنگی تو نہیں ہے مزید گھر میں کسی قسم کی کوئی تکلیف تو نہیں ہے مجھے بلا جھجک لکھنا۔

گھوگھا خود یا تبقہ آٹا ڈپو سے بھی ضرور لے آیا کرو اور ایک دو تھیلے آٹے کے بھی ضرور لے آؤ۔ اور دیگر ضروریات
میں بھی کسی قسم کی کمی نہ ہونے دینا۔ ہم تمام اسیران
زندان کا تمام ملنے جلنے والوں کو سلام کہنا۔ مسجد کے مولوی صاحب کو تنخواہ ۲۵۰/- دے دینا۔ احمد جی کا
کیا حال ہے مسجد کا جو جمعہ کے دن ہوتا ہے (چندہ) اس میں سے احمد جی کو تنخواہ دے دینا۔

مزید وقت نہیں ہے کچھ اور تحریر کر دوں

عبدالعزیز
28/4/77

"ہمارے حوصلے بفضلہ تعالیٰ بہت ہی بلند ہیں۔ کسی قسم کی فکر و پریشانی نہیں ہے۔" سنت یوسفیؑ پر عمل پیرا ہونے والے مبلغِ اسلام کا عزم و حوصلہ

کل ...... یہاں تشریف نہیں لائے۔ ابھی ابھی ... تشریف لائے ہیں۔ رقعے سے حالات معلوم ہوئے اور خوشی ہوئی کہ ملکی حالات عنقریب بدلنا ہی چاہتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ تم جو باہر کوشش جاری رکھے ہوئے ہو۔ وہ قابل قدر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر فرمائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم جلد ہی باہر باعزت آ جائیں گے۔ سنا ہے کہ ہمارا ... منظور ہو گئی ہے جو کسی مصلحت کے تحت یہاں پیش نہیں ہو گی کیوں کہ کل ... لوگ گرفتار کر کے یہاں لائے گئے ہیں اگر بڑے بڑے لوگ

ہو گئی ... کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ یہ "پس دیوار زنداں" بھیج دو۔ انسائیکلوپیڈیا کی تمام قسطیں خرید لیا کرو۔ جلد ساز اور پریس والے مجید صاحب کا کیا حال ہے۔ ساتھ ہی ہمارا پوچھنے والوں کو سلام کہہ دیا کرو۔ حافظ ظہور الحق کا رقعہ بھی پڑھ کر خوشی ہوئی۔ ان کی خدمت میں بھی سلام عرض ہے۔ دن کے تو قریباً دس بج رہے ہیں اور تمام اسیران جمع ہو گئے ہیں اور ہم مصروف ہیں اخبار رات کی خبروں پر تبصرے ختم ہو چکے ہیں اور اکثر لوگ چہل قدمی کر رہے ہیں۔ جن کے چہرے آزادی کے جذبات سے پھول کی طرح کھلے ہوئے ہیں۔ خصوصاً جماعت آزادی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے چہرے اور جذبہ قابل دید ہے۔ ان کے چہروں پر حزن و ملال کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ تمام مصائب کو خندہ پیشانی سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ تمہارے رقعے میں کچھ معقول لوگوں کو پڑھواتا ہوں جو تمہیں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ میں نے تمہارے رقعے ... کسی مصلحت کے تحت پھاڑ دیئے ہیں

"ہم ظلم کے خلاف جہاد کرنے کا عزم کئے ہوئے ہیں اور ظلم کے خاتمہ کا وقت قریب آ چکا ہے"

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خط میں ان وفا کیش محبان وطن کا تذکرہ ...... کہ جو زمانہ اسارت میں بھی عزم وحوصلے کے ساتھ ہنستے مسکراتے رہے۔

Marfat.com

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

وہ ایک شخص جسے حوصلہ چٹان ملا
وہ ایک شخص جسے عزم بھی جوان ملا
وہ ایک شخص جسے روشنی سے پیار ہوا
وہ ایک شخص جسے ہر کسی سے پیار ہوا

ایک عظیم مسلمان

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

کی

صاحبزادیوں، بہو اور نواسی

کے

چند تاثراتی مضامین

Marfat.com

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

ایک ذہین و فطین، حلیم و بردبار اور وضعدار و ہمہ جہت شخصیت

Marfat.com

میرے ابّا جی

خامۂ اثر

طاہرہ عزیز

ایم۔اے،بی ایڈ

"اباجی بہت ملنسار تھے، ہر ایک کی عزت کرتے تھے۔تعلقات میں انہوں نے کبھی امیر غریب میں کوئی تمیز و تفریق نہیں کی۔سب کے ساتھ یکساں خوشی سے ملتے۔اگر کوئی ایک دفعہ مل لیتا تو دوبارہ ملنے کی خواہش کرتا۔"

کیسے انہیں تلاش کیا جائے عمر بھر
وہ لوگ جو ہواؤں میں آثار ہو گئے

میرے اباجی اور میری امی جی، دونوں، ایک ہی دن، صرف دس منٹ کے وقفے سے، ہم سے ہر قسم کا رشتہ ناطہ توڑ کر، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے۔اس روز جمعۃ المبارک تھا۔اور نئے دن کا آغاز ہوئے ابھی صرف دو گھنٹے ہی گزرے تھے۔1422 ہجری قمری کے شوال المکرّم کی 26 اور سنہ دو ہزار دو عیسوی میلادی کے جنوری کی 11۔تاریخ تھی۔صبح ہونے میں ابھی تقریباً چار گھنٹے باقی تھے۔شب کی تاریکی کے ان ہی لمحوں میں دونور ہم سب سے الگ ہو کر افلاک کی وسعتوں میں گم ہو گئے۔ہمارے لئے شب کی تاریکی اور گہری ہوگئی۔یہ دنیا بے نور ہوگئی۔اور اس کی بے ثباتی پر ہمارا ایمان مزید پختہ ہوگیا۔

Marfat.com

اب جبکہ ابا جی اور امی جی کو ہم سے جدا ہوئے کئی ماہ ہو گئے ہیں؛ ان کے حوالے سے کچھ یادوں کو، قرطاس کی زینت بناتے ہوئے میں ایک عجیب سا سرور محسوس کر رہی ہوں۔ یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے امید کی جھلملاتی مشعلوں کی تیز روشنی میرے چاروں طرف بکھری ہوئی ہے۔ اور ان میں جا بجا یادوں کے روشن چراغ چمک دمک رہے ہیں۔ درحقیقت ماں باپ اور اولاد کا رشتہ نہایت سچا، سُچا اور پیارا ہوتا ہے۔ اس رشتے میں کوئی ملاوٹ، کھوٹ، تصنع اور مفاد پرستی کی آلائشیں شامل نہیں ہوتیں۔ ان رشتوں کا کوئی نعم البدل نہیں ہوتا۔ یہی مضبوط و پائیدار رشتہ، میرا بھی اپنے والدین سے تھا۔

ایک عمومی تاثر یہ ہے کہ بیٹیوں کو ہمیشہ زیادہ attachment اپنی والدہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے دکھ سکھ آپس میں زیادہ بہتر طور پر share کر سکتی ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے اباجی بھی ہمارے ساتھ بہت friendly تھے۔ انہوں نے ہمارے ساتھ اور ہمارے درمیان ہمیشہ اس انداز میں اپنائیت کا اظہار کیا کہ ہم نے ہر لمحے اپنے آپ کو ان کے زیادہ قریب محسوس کیا۔ انہوں نے بھی ہر معاملے میں ہم سے مشورہ چاہا۔ اور ہم میں سے جس کی بھی رائے میں زیادہ وزن ہُوا، اسے اہمیت دی اور اس کو عملی جامہ پہنایا۔ اور جب ہماری بعض سہیلیاں ہمیں یہ بتاتیں کہ ان کے والد بہت غصے والے اور سخت ہیں۔ اور جب وہ گھر میں داخل ہوتے ہیں تو ہم لوگ اپنے کمروں میں چلے جاتے ہیں۔ تو ہمیں تعجب ہوتا۔ کیونکہ ہمارے اباجی ہمیشہ گھر میں داخل ہوتے تو ایک خوبصورت مسکراہٹ ان کے لبوں پر سجی ہوئی ہوتی اور گھر میں زندگی کے سارے رنگ دھنک کی طرح بکھر جاتے۔

میرے اباجی بہت سی منفرد خصوصیات کے حامل تھے۔ اور ان کا شمار دنیا کے ان بڑے لوگوں میں ہوتا ہے کہ جو خواتین اور بچیوں کے حقوق کے علمبردار تھے۔ وہ اکثر اس خیال کا اظہار کرتے کہ بچوں کی طرح، ساری دنیا کی بچیاں بھی زیور تعلیم سے آراستہ ہونی چاہئیں۔ اور یہ بچیوں کا حق ہے کہ ان کے لبوں پر نقرئی قہقہوں کی جھنکار ہو، اور حسرت و یاس کا جھلسا دینے والا کوئی جھونکا بھی ان کے پاس سے نہ گزرے۔

میرے اباجی نے ہم سب بہنوں اور بھائی کے درمیان کبھی کوئی تفریق نہ کی۔ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بیٹیاں زیادہ اچھی لگتی ہیں۔ وہ ہم سب کو نہایت شیریں لہجے اور میٹھی آواز میں پیار سے بلاتے۔ وہ

Marfat.com

فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اب تک یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ سب بیٹیوں میں کون سی بیٹی زیادہ اچھی لگتی ہے۔ مجھے سب ایک سے بڑھ کر ایک اچھی لگتی ہے۔

میرے ابا جی ایک روشن خیال عالم دین تھے۔ معاشرتی کرب میں مقید صنف نازک کے ساتھ ہونے والی بعض نا انصافیوں اور زیادتیوں پر وہ ہمیشہ صدائے احتجاج بلند کیا کرتے تھے۔ وہ ان حقوق کو Highlight کرتے جو اسلام نے صنف نازک کو عطا کئے۔ وہ اکثر اس بات کا اظہار فرمایا کرتے تھے کہ بچیوں کو ضرور زیور تعلیم سے آراستہ ہونا چاہئے۔ بچوں اور بچیوں کو یکساں طور پر تعلیم دی جانی چاہئے۔ بلکہ بیٹوں کی نسبت، بیٹیوں کے لئے تعلیم زیادہ ضروری ہے۔ اگر ایک بیٹی زیور تعلیم سے آراستہ ہوگی تو آئندہ اس کی گود میں پلنے والی نسلیں بھی روشن قلب و ذہن کی مالک ہوں گی۔ اور ان کے دل کے نور سے علم کی ضیاء پاشیاں دور تلک پھیلتی چلی جائیں گی۔ ابا جی اس معاملے میں عملی انسان تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹیوں کو زیادہ سے زیادہ تعلیم دلوائی۔ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آخر لوگ صرف بیٹوں کو ہی زیادہ اہمیت کیوں دیتے ہیں۔ آخر بیٹیاں بھی تو اللہ تعالیٰ کی ہی بھیجی ہوئی مخلوق ہیں۔ ان کے بغیر گھر گھر نہیں لگتا۔ بلکہ جس گھر میں بچیاں نہ ہوں وہ گھر نہیں لڑکوں کا ہوسٹل معلوم ہوتا ہے۔

ابا جی بہت ملنسار تھے۔ ہر ایک کی عزت کرتے تھے۔ تعلقات میں انہوں نے کبھی امیر و غریب میں کوئی تمیز و تفریق نہیں کی۔ سب کے ساتھ یکساں خوشی سے ملتے۔ اگر کوئی ایک دفعہ مل لیتا تو دوبارہ ملنے کی خواہش کرتا۔ ہماری سہیلیاں آتیں تو ان کے ساتھ شفقت سے ملتے۔ حال احوال پوچھتے۔ اور آئندہ آنے کے لئے کہتے۔ ان کے لہجے میں ایسی مٹھاس ہوتی کہ ہماری سہیلیاں ان کی اپنائیت میں اپنے باپ جیسی شفقت محسوس کرتیں۔ بھائی جان کے دوست آتے تو بھائی جان کو بھول جاتے۔ ابا جی کے دوست بن جاتے۔ ابا جی اُن سے اتنی اچھی باتیں کرتے کہ وہ رخصت ہوتے وقت محسوس کرتے کہ اپنے کسی بزرگ، مہربان اور دوست سے مل کر جا رہے ہیں۔ اُن کے دل میں ایک تشنگی سی رہتی اور وہ دوبارہ ملاقات کے مواقع کی تلاش میں رہتے۔ وہ جہاں کہیں جاتے؛ ابا جی کے احباب سے ان کے حوالے سے ضرور خیر خیریت دریافت کرتے۔ بھائی جان دفتر سے واپس آتے۔ تو اُن سے اُن کے دفتر کے ساتھیوں کے بارے

Marfat.com

میں فرداً فرداً پوچھتے اور فرماتے کہ کل میری طرف سے انہیں سلام کہنا۔

ابا جی بہت مہمان نواز تھے۔ جو بھی ہمارے غریب خانے پر آتا۔ اس کی موسم کی مناسبت سے چائے و مشروبات سے تواضع کرتے۔ اگر کھانے کا وقت ہوتا۔ تو بھائی جان سے فرماتے۔ کہ گھر میں جو کچھ بھی ہے، بلا تکلف لے آؤ۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہر مہمان اپنی قسمت خود لے کر آتا ہے۔ بلکہ ہر فرد کے لئے اس کے نصیب کا ماحضر اللہ تعالیٰ پہلے ہی ہمارے پاس محفوظ کر دیتے ہیں۔ ہم کون ہوتے ہیں کسی کو کچھ دینے والے! جس کی قسمت میں جو کچھ بھی ہوگا وہ کھا کر ہی جائے گا!!

ابا جی کو اچھا کھانے اور اچھا کھلانے کا بہت شوق تھا۔ جب بھی جیب میں کچھ رقم آتی، بازار تشریف لے جاتے۔ کئی کئی شاپنگ بیگ بھر کر لاتے۔ قصاب کی دکان پر جاتے تو کئی کلو گوشت اور کئی کلو مرغ لے کر آتے۔ اور کہتے کہ پیکٹ بنا کر فریج میں رکھ دو۔ کوئی نہ کوئی آ جاتا ہے۔ اور خود بھی کھایا کرو۔ آپ لوگ کھاتے ہیں تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔ اسی طرح آپ کا یہ معمول تھا کہ مہینے میں ایک مرتبہ گھر کی ضرورت کی تمام اشیاء، مرچ مصالحے سے لے کر چینی چاول صابن تک بازار سے لے کر آتے۔ اور فرمایا کرتے کہ اکٹھا سامان لے کر آنے سے گھر میں برکت رہتی ہے۔

ابا جی کسی کو تکلیف و مصیبت میں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ان کے سینے میں نہایت حساس دل دھڑکتا تھا۔ دوسروں کو پریشان دیکھ کر اداس ہو جاتے۔ بے چین ہو جاتے۔ اور حتی المقدور اس کی مصیبت رفع کرنے کی کوشش کرتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دن ابا جی اپنے کمرے میں بیٹھے کتابت کر رہے تھے۔ گرمیوں کے دن تھے۔ برابر والے گھر سے ایک بچے کے رونے کی آواز آئی۔ بچے کو شدید کھانسی بھی تھی۔ ابا جی کچھ دیر بچے کی آواز سنتے رہے۔ پھر امی جی کو آواز دی۔ اور فرمانے لگے کہ دیکھو برابر والے گھر میں سے، کافی دیر سے بچے کے رونے کی آواز آ رہی ہے۔ جا کر معلوم کرو۔ بچے کو کیا تکلیف ہے! امی جی وہاں گئیں۔ بچے کی والدہ نے بتایا۔ کہ بچہ بیمار ہے۔ شام کو اس کے ابو آئیں گے، تو ان سے رقم لے کر دوا منگوائیں گے۔ امی جی نے گھر آ کر ابا جی کو ساری بات بتائی۔ زہرہ باجی نے امی جی کو بتایا کہ گھر میں بچوں کے لئے اس بیماری کی دوا موجود ہے۔ ابا جی فرمانے لگے۔ یہ دوا فوراً ہمسایوں کو دے آئیں۔ اس خاتون

Marfat.com

نے بچے کو دوا پلائی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس بچے کے رونے کی آواز آنا بند ہو گئی۔ ابا جی خوش ہو گئے۔ اور فرمانے لگے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب بچہ تندرست ہو گیا ہے۔ اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

میرے ابا جی فرمایا کرتے تھے کہ ہر انسان کو کسی نہ کسی مقصد کے لئے زندگی گزارنی چاہئے۔ اپنی زندگی میں کوئی نہ کوئی ایسا عمدہ کام ضرور کرنا چاہئے کہ جو روز قیامت اللہ کے حضور اطمینان کے ساتھ پیش کر سکے۔ اور اپنے بعد آنے والوں کے لئے ایک اچھی مثال کے طور پر بیان کیا جا سکے۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ جو بھی انسان یہاں آیا ہے۔ اس نے ایک نہ ایک دن مرنا ضرور ہے۔ اس لئے اپنے پیچھے اچھی مثالیں چھوڑ کر جاؤ۔ ابا جی زندگی کا سب سے اچھا کام، ہر فرد کا اپنے ہاتھوں رزق حلال کمانے کو قرار دیتے تھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ حلال و حرام میں تمیز کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ آپ نے خود بھی ہمیشہ، ساری عمر، حلال و حرام میں تمیز کی۔ اور زندگی میں حرام سے بچنے کی کوشش کی۔ فرمایا کرتے تھے کہ چند لمحوں میں حرام کا لقمہ پیٹ میں چلا جاتا ہے۔ لیکن حرام لقمے کی سزا آئندہ کئی نسلوں کو بھگتنا پڑتی ہے۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے بچوں کی پرورش اور تربیت اس انداز سے کی ہے کہ وہ خود یہ فیصلہ کر لیں گے کہ حلال چیز کون سی ہے۔ اور حرام چیز کون سی۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں پیسہ اکٹھا کرنا چاہوں، کار کوٹھیاں خریدنی چاہوں تو میرے پاس بہت سے مواقع ہیں۔ میرے پاس ایک مضبوط مرکز ہے۔ لوگ مجھ پر اعتماد کرتے ہیں۔ لیکن میں ایسا نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے اللہ کے ہاں جواب دینا ہے۔ میں نے اپنی اولاد کو اللہ کی مدد اور توفیق سے اس گندگی سے بچائے رکھا۔ مجھے میری اولاد کی طرف سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ کوئی پریشانی نہیں ہے۔ ان کی پرورش رزق حلال سے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ فتح و کامرانی نصیب کریں گے۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ رزق حلال سے بڑی بڑی کوٹھیاں، بنگلے، پلازے، گودام، بینک بیلنس، کاریں نہیں بنتیں۔ اور نہ ہی یورپ و امریکہ کے بار بار دورے کئے جا سکتے ہیں۔ فی زمانہ حالات ایسے ہیں کہ رزق حلال سے تو بمشکل گھر میں دو وقت چولہا جلتا ہے۔ اور سفید پوشی کا بھرم قائم رکھا جا سکتا ہے۔ اور بعض اوقات تو انسان زیر بار بھی رہتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ابا جی ہمارے لئے اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے محنت کرتے رہے۔ مگر جب وہ اللہ کو پیارے ہوئے تو ان کے ہاں Luxuries کا تصور تک نہ تھا۔ بلکہ وہ مقروض تھے۔

ابا جی کھانے کی میز پر ہم سب سے اچھی اچھی باتیں کرتے۔ ہم سب کے حال احوال پوچھتے۔ اچھے کام کرنے کی تلقین کرتے۔ زمانے کے نشیب وفراز سے آگاہ کرتے۔ بزرگوں کے واقعات سناتے۔ قرآن کریم کے بعض لطیف نکات پر روشنی ڈالتے۔ نہایت آسان اور عام فہم انداز میں مطالب قرآن بیان کرتے۔ ہم سے مختلف موضوعات پر سوالات کرتے۔ ان کے جوابات پوچھتے۔ کسی بڑی شخصیت کا تذکرہ کرتے۔ اوراس کے بارے میں معلومات فراہم کرتے۔ خاص طور پر انبیاء کرامؑ اور صحابہ کرامؓ کے واقعات سناتے۔ علماء حق کی باتیں کرتے۔ نیک دل حکمرانوں کے واقعات سناتے۔ تاریخ کی بڑی خواتین کے کارنامے بیان کرتے۔ غداروں کی سازشوں کو موضوع بناتے۔ پھر آداب محفل بھی بتاتے۔ گھر آنے والی خواتین کا کس طرح احترام کرنا ہے۔ کس طرح تواضع کرنی ہے، یہ بھی بتاتے۔ بڑوں چھوٹوں کے حفظ مراتب سے آگہی بخشتے۔ اور پھر اسلام کے ساتھ اپنی وابستگی کو پختہ تر بنانے کے لئے تلقین کرتے۔ غرض کھانے کی میز کو صرف شکم سیری کا ذریعہ بنانے کے بجائے بامقصد گفتگو کا بہانہ بھی بنا لیتے۔

کچھ عرصہ ابا جی کا یہ معمول بھی رہا کہ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد واک کے لئے نکل جاتے۔ اور طلوع آفتاب کے ساتھ واپس تشریف لاتے۔ ہشاش بشاش ہوتے۔ ہم سب لوگ بھی بیدار ہو کر نماز ادا کر کے تلاوت قرآن حکیم کی سعادت حاصل کر چکے ہوتے۔ امی جی اور بڑی باجی ہمارے لئے ناشتہ تیار کرتیں۔ جب ہم بہن بھائی بہت چھوٹے تھے۔ تو باورچی خانے میں ہی بیٹھ کر ناشتہ کرتے۔ پھر صحن میں ڈائننگ ٹیبل پر ناشتے کے لئے جمع ہوتے۔ ابا جی بھی ناشتے میں ہمارے ساتھ شریک ہوتے۔ ساتھ ساتھ اخبار کی سرخیوں پر بھی ان کی نظر ہوتی۔ اور ملکی و عالمی سیاست پر گفتگو کرتے۔ تبصرہ کرتے۔ ہماری رائے طلب کرتے۔ ناشتے کے بعد ہم لوگ باری باری سکول کالج چلے جاتے۔ سب کو دعاؤں کے ساتھ رخصت کرتے۔ اور دیر تلک ان کی زبان پر دعائیں ہوتیں۔

ابا جی کی زندگی میں جمعے کے دن کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ یوں تو تلاوت کلام مجید ان کا روزانہ کا معمول تھا۔ لیکن جمعے کے روز خصوصی طور پر زیادہ تلاوت کرتے۔ پھر ایک ایک لفظ کو ترجمے کے ساتھ پڑھتے۔ ایک ایک لفظ پر غور وفکر کرتے، خاص طور پر ایک خاص موضوع کی آیات کو تلاش کرتے۔ یوں ایک

مضمون تیار کر لیتے۔ جمعے کے دن تقریباً ساڑھے گیارہ پونے بارہ بجے سے تیار ہونا شروع ہو جاتے۔ صاف ستھرے کپڑے زیب تن کرتے۔ موسم کی مناسبت سے ویسٹ کوٹ یا شیروانی پہنتے۔ کسی زمانے میں ترکی اور بعد ازاں چمڑے کی قراقلی ٹوپی بھی استعمال کیا کرتے تھے۔ ٹھیک ایک بجے مسجد پہنچ جاتے۔ جب وہ منبر پر بیٹھتے۔ تو ان کے ذہن میں ایک مستقل مضمون ہوتا۔ گھر بار کے مسائل اور معاشی مصائب کو بھول جاتے۔ ان کی پوری توجہ اس وقت اپنے بیان کئے جانے والے موضوع پر ہوتی۔ ایک دو رکوع کی خوش الحانی سے تلاوت فرماتے۔ اور پھر ان آیات کا ترجمہ بیان فرماتے۔ ان کا پسندیدہ موضوع توحید اور معارف قرآن تھا۔ اور پھر ان دونوں موضوعات کے ضمن میں تاریخ کے پوشیدہ اوراق اور عصری مسائل ہوتے۔ وہ روایتی مولویوں کی طرح نہیں تھے۔ بلکہ وہ مولوی تھے ہی نہیں۔ وہ عالم تھے۔ وہ ادھر اُدھر کی کہانیاں قصے بیان نہ کرتے۔ To the point بات کرتے۔ خاص قران مجید ان کا موضوع ہوتا۔ اور ساری زندگی ان کی ایک ہی خواہش رہی کہ عصرِ حاضر میں اپنے آپ کو "فرزندان توحید" کہلانے والے شرک کی ہر خفی و جلی قسم سے دور رہیں۔ بدعات سے بچیں۔ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے آگے دامن پھیلائیں۔ اور یہ کہ ساری دنیا کے مسلمان قرآن کے علوم و معارف پر غور وفکر کریں۔ کیونکہ ایسی کتاب عظیم میں دنیا کے ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میری زبان سے قرآن سن کر دس پندرہ گھر بھی اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی۔ اور میں دنیا و آخرت میں سرخرو ہو گیا۔

ابا جی کو جہاں ہم بھائی بہنوں سے بہت پیار تھا وہاں وہ اپنے پوتے سعد اور نواسوں اسامہ، انیق اور طلحہ سے بھی بہت پیار کرتے تھے۔ اسی طرح انہیں اپنی پوتی حفصہ اور نواسیوں نور العین، رملہ، عائشہ صدیقہ، عمارہ، اور سمیہ سے بھی بہت پیار تھا۔ یہ سب بچے آپ کو بابا جانی کہہ کر پکارتے۔ فرمایا کرتے کہ ان سب بچوں میں میری جان ہے۔ جب یہ سب بچے اکٹھے ہوتے، کھیلتے کودتے، تو فرماتے کہ بابا کے یہ بچے کتنے پیارے لگ رہے ہیں۔ رات کو سونے کے وقت، سب بچوں اور بڑوں کا نام لے کر اللہ کے حضور دعا کرتے۔ اور کہتے کہ: اے اللہ میری اس چھوٹی سے کائنات کو اپنی حفاظت میں رکھنا۔ انہیں کسی قسم کی کبھی بھی تکلیف نہ ہو۔ اس کے بعد اپنے بعض قریبی احباب کے نام لے کر انکے لئے بھی سلامتی کی دعا کرتے۔

Marfat.com

اباجی کا زندگی کے آخری دنوں میں ایک معمول بن گیا تھا کہ وہ ہم سب بہنوں، بھائی جان، بھابی جی، امی جی اور بچوں کو اپنے پاس بٹھا لیتے۔ اپنی زندگی کے واقعات ومشاہدات بیان کرتے۔ زمانے کی اونچ نیچ سے آگاہ کرتے۔ اچھے لوگوں کا اچھے الفاظ میں ذکر فرماتے۔ اپنے محسنوں کا تذکرہ فرماتے۔ اور منافقوں کی منافقتوں، سازشیوں کی سازشوں اور آستین کے سانپوں کی مکاریوں کو بیان کرتے۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ اباجی کو یہ ادراک ہو گیا تھا کہ اب وہ زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہیں گے۔ لیکن انہوں نے ہم سب کو کبھی یہ احساس نہ ہونے دیا۔ اپنے زخم دل کو اپنے ہی آنسوؤں سے رفو کرتے رہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ گرمیوں کا موسم تھا۔ اور عشا کے بعد ہم سب بالائی منزل کی چھت پر تھے۔ اباجی ایک چار پائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ ہم سب، امی جی، بھائی جان، بھابی جی، تمام بہنیں اور سعد وحفصہ ان کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔ اباجی نے ہر ایک کی شخصیت کا تجزیہ کرنا شروع کر دیا۔ امی جی نے ان کی معیت میں زندگی کے جن دکھوں اور پریشانیوں کا سامنا کیا تھا، ان پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اور پھر ان کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے کس قدر خلوص ولگن سے ہماری دادی جان کی بائیس برس تک مسلسل خدمت کی تھی۔ پھر ہم سب بہنوں کا، باجی صفیرا سے مجھ تک، اچھوتے انداز میں تذکرہ کیا۔ بھائی جان کی شخصیت کے علمی وادبی پہلوؤں اور محنتوں کاوشوں کا ذکر کیا۔ بھابی جی کے حوالے سے بھی عمدہ باتیں کیں۔ اور پھر تمام بچوں کے رجحانات اور ان کے مستقبل کے بارے میں اشارات کئے۔ اس دوران اُن کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ اور ہمیں بھی رونا آ گیا۔ مجموعی طور پر اباجی اپنی زندگی اور اپنی اولاد سے مطمئن تھے۔ اور پھر انہوں نے ہم سب کو فرداً فرداً ڈھیروں دعائیں دیں۔

آخری دنوں میں اباجی کا معمول تھا کہ بلند آواز میں تلاوت کلام مجید کیا کرتے۔ کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت کا ورد کرتے۔ ان کی آواز میں پہلے کی نسبت اب اور زیادہ سوز آ گیا تھا۔ جب آپ تلاوت کرتے تو بے اختیار ہم سننے والوں پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی۔ ان کے چہرے پر بلا کی کشش اور نورانیت موجود رہتی تھی۔ وہ اپنی عیادت کے لئے آنے والوں کو بھی دعاؤں سے نوازتے۔ اور ہر ایک یہ محسوس کرنے لگ گیا تھا۔ کہ شاید اب ان کا یہ عظیم محسن زیادہ دیر اُن کے درمیان نہیں رہے گا۔

11۔جنوری 2002ء کو ہر ایک کا یہ ہمدرد اور محبت کرنے والا پیارا انسان ہم سے جدا ہو گیا۔

ہم تنہا ہو گئے۔

میرے ابا جی مجھے اکیلا چھوڑ گئے۔

صرف دس منٹ بعد میری امی جی بھی، ابا جی کے ساتھ، ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہم سے بہت دور چلی گئیں۔

اب ساری زندگی فراق و مفارقت میں کٹے گی۔

ہاں، ان سے روز حشر کو ہی ملاقات ہو گی۔ کیونکہ دائمی ملاقات کے لئے وعدہ تو اُسی دن کے لئے ہی ہے۔

میرے ابا جی بھی اسی انصاف کے دن کے لئے، اس دن کی اہمیت کم کرنے والوں کے خلاف، آیات قرآنی سے دلائل کی طاقت کے ساتھ جنگ آزما رہے۔ ایک دو دن نہیں مسلسل آٹھ سال۔ وہ مسلسل پچاس برس تک تکبیر مسلسل بنے رہے۔ وہ حق وصداقت کا علم اٹھائے طاغوت کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔ اور ہمیشہ اپنے اللہ سے ہی انصاف کے طالب رہے۔ یقیناً انصاف کا دن اور میدان حشر ان کی فتح کے اعلان کا دن ہو گا۔

اسیر تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ، حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کا والا نامہ

''ہم سب جو اس بڑے ہال میں رہتے ہیں، ۴۰ آدمی ہیں۔ اور ساتھ ہی ایک بارک ہے۔ جسے لوہا بارک کہتے ہیں۔ اس میں بھی ۲۵۔ آدمی ہیں۔ جب کہ ہماری بارک بی کلاس کہلاتی ہے۔ اور دوسری سی کلاس۔ ہم سب دن بھر دو لانوں میں گھومتے رہتے ہیں۔ ہمیں یہاں گھومنے پھرنے کی مکمل آزادی ہے۔۔ ان لانوں میں گلاب کے دو قسم کے پودے بہت زیادہ ہیں۔ اور دوسری قسم کے بھی۔ مگر یہ لان بہت اونچی اونچی دیواروں کے درمیان میں واقع ہیں۔ سوائے آسمان اور جیل کے مخصوص میدان نظر آتے ہیں۔ جہاں ایک کمپوڈر سے لے کر ایک جمعدار تک سب کے سب قیدی ہی ہیں۔ جن کی حالت قابل رحم ہے۔ جس کی تفصیل گھر آ کر بتاؤں گا...... اتحاد کے لوگوں کی وجہ سے جیل میں ایک میلے کی سی کیفیت ہے۔ ہمارے آنے کے بعد جیل میں (جو بذات خود ایک نحوست کی جگہ ہے) ایک ویرانی کا عالم ہو گا۔ اگر چہ وہاں ہر قسم کے قیدی ہیں۔''

ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی

۲۷۔اپریل ۱۹۷۷ء

بوقت دس بجے رات

Marfat.com

جنت کے مکین

خامہ اثر

میمونہ عزیز
ایم اے، بی ایڈ

''ہم ان کی دعاؤں سے محروم ہو گئے ہیں۔ اب کوئی ہمارا انتظار نہیں کرتا۔ کوئی اپنی دعاؤں کے جلو میں رخصت نہیں کرتا۔ ہم ان پیار کرنے والی ہستیوں کو کہاں تلاش کریں؟''

میں آج اپنی زندگی کے قیمتی لمحات، جو میں نے اپنی پیاری امی جان اور پیارے ابا جان کے ساتھ گزارے، قرطاس پر منتقل کرنا چاہتی ہوں۔

میں نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے اردگرد دینی اور علمی ماحول پایا۔ گھر میں ہر طرف کتابیں ہی کتابیں دیکھیں۔ میں نے اپنے ابا جی کو جہاں ایک عالم، خطاط، مفسر قرآن، ناشر قرآن، باعمل سچا راسخ العقیدہ مسلمان اور اپنی اولاد کے ساتھ بے پناہ محبت کرنے والے مثالی باپ کی حیثیت سے دیکھا وہاں اپنی امی جی کو بھی ایک خوش اخلاق، خوش گفتار، ملنسار، بھری محفل میں سچی بات کہہ دینے والی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ بہت محبت و پیار کرنے والی ہستی پایا۔

میں سکول سے واپسی پر جہاں امی جی کو کچن میں مصروف پاتی وہاں ابا جی کو اپنی اولاد کو رزقِ حلال کھلانے کے لئے، باوضو ہو کر، خطاطی کے کام میں منہمک دیکھتی۔ گھر میں چہل پہل ہوتی۔ چائے کا دور چل رہا ہوتا۔ ابا جی کسی مہمان کو چائے اور کھانے کے بغیر جانے نہ دیتے۔ مہمانوں کی خاطر تواضع کرنا ابا جی

Marfat.com

کی زندگی کا حصہ تھا۔سکول کے بعد کالج کا دور شروع ہوا تو اس وقت ہمارے محلے والوں کے لئے اپنی بیٹیوں کو کالج بھیجنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔لیکن ہمارے ابا جی بیٹیوں کیلئے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم کے بھی حق میں تھے۔چنانچہ انہوں نے ہمیں کالج میں داخلے کی بخوشی اجازت دے دی۔اس وقت ہمارے محلے والوں کے لئے یہ بات ایک مثال بن گئی کہ جب مولانا صاحب اپنی بیٹیوں کو کالج میں داخل کروا سکتے ہیں تو ہم اپنی بیٹیوں کو کیوں نہ کالج بھیجیں۔ چنانچہ ہمارے محلے کے اکثر لوگوں نے بھی اپنی بیٹیوں کو کالج میں داخلے کی اجازت دے دی۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد جب ہم نے جاب کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اس وقت بھی ابا جی اور امی جی نے ہمارا بھرپور ساتھ دیا۔ان کا کہنا تھا کہ اگر ہم صرف گھر کے کاموں میں ہی مصروف رہیں تو اپنے نام کے Spelling تک بھول جائیں گی۔لہٰذا ہمیں مصروف رہنا چاہیے۔ابا جی اور امی جی کی بھرپور حمایت،محنت اور پیار و محبت کے بل بوتے پر ہم نے جاب شروع کر دی۔

کھانے کی میز پر ہم لوگوں کی دن بھر کی مصروفیات زیر بحث آتیں۔ ہماری پڑھائی کے بارے میں پوچھا جاتا۔کبھی ملکی اور بین الاقوامی سیاست پر تبصرہ کیا جاتا۔اور کبھی دینی مسائل پر گفتگو کی جاتی۔ابا جان رزق حلال کمانے کی تلقین کرتے۔ بڑوں کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آنے کے بارے میں کہتے۔

ابا جی ظہر کے بعد اپنے معمولات کے ساتھ ساتھ عصر کی تیاری میں مصروف ہو جاتے۔اور پھر مغرب کے بعد عشاء کی۔کیونکہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ مسجد میں میرا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔اس لئے وقت سے پہلے پہنچنا ضروری ہے۔

ہمارے گھر میں جمعۃ المبارک کو ہمیشہ سے خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔اس دن ابا جی،تقریباً ساڑھے گیارہ پونے بارہ بجے ہی جمعہ کی نماز کے لئے تیاری شروع کر دیتے۔خطبۂ جمعہ کے مضمون کا مطالعہ کرتے۔اور ٹھیک ایک بجے خطبۂ جمعہ کا آغاز کر دیتے۔ٹھوس،مدلل اور پُر اثر تقریر کرتے۔ایسی تقریر کرتے کہ جس کا ایک ایک لفظ لوگوں کے قلوب و اذہان میں ثبت ہو جاتا۔سنتوں کی ادائیگی اور اذان کے

Marfat.com

بعد عربی زبان میں قرآنی آیات، احادیث صحیحہ اور دعاؤں پر مشتمل خطبہ پڑھتے۔ وہ یہ خطبہ ٹھہر ٹھہر کر ترتیل کے ساتھ پڑھتے۔ یہ خطبہ ان روایتی خطبوں سے مختلف ہوتا، جس کا مدارس میں ''خطباء'' کو رٹا لگوا دیا جاتا ہے۔ اور وہ دو تین منٹ میں رسم پوری کرنے کے لئے نہایت تیز رفتار سے پڑھ دیتے ہیں۔ عربی خطبے کے بعد وہ جماعت کی امامت فرماتے۔ اباجی یہ تمام مراحل اتنے خلوص، خشوع وخضوع، devotion اور پرسوز انداز میں طے کرتے کہ بہت دیر تک لوگوں کے دلوں پر اس کا اثر رہتا۔ سوا دو بجے کے لگ بھگ صلوٰۃ جمعہ کی ادائیگی کے بعد جب وہ گھر تشریف لاتے تو ان کے چہرے پر اطمینان اور سکون کے آثار ہوتے۔

مجھے اپنے اباجی کی اسیری کے وہ 33 دن بھی خواب کی طرح یاد ہیں۔ اور ان لمحوں کا ایک دھندلا سا عکس بھی میرے ذہن کے کسی نہاں خانہ میں محفوظ ہے؛ جو انہوں نے تحریک نظام مصطفیٰ ؐ کے دوران میں ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی میں گزارے۔ مجھے یاد ہے کہ انہوں نے بھائی جان کو بہت سے خطوط بھی لکھے تھے جن میں بھائی جان کو امی جی کا خیال رکھنے اور پریشان نہ ہونے کی تلقین کی تھی۔ آپ نے ہم بہنوں کے حوالے سے بھی بھائی جان کو یہ لکھا تھا کہ وہ ہمیں احساس محرومی اور ان کی عدم موجودگی کا احساس نہ ہونے دیں۔ مجھے یاد ہے کہ آپ نے یہ بات بھی لکھی تھی کہ وہ کسی اخلاقی جرم کی پاداش میں یہاں نہیں لائے گئے بلکہ انہیں ایک نیک مقصد اور اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد کے جرم میں پابند سلاسل کیا گیا ہے۔ ان 33۔ دنوں میں ایک مرتبہ بھی، ایک لمحے کے لئے بھی، گھر کے کسی بھی فرد کو اباجی سے ملاقات کی اجازت نہیں دی گئی۔ اور ہمیں فخر ہے کہ ہماری امی جی نے بھی جرأت، حوصلے اور وقار کے ساتھ ان حالات میں اباجی کا ساتھ دیا اور ثابت قدم رہیں۔

اباجی نے اپنی 67 سالہ پاکیزہ اور صاف ستھری زندگی کے تقریباً پچاس برس مسجد الفاروقؓ کی خدمت میں فی سبیل اللہ گزارے۔ ان کی خواہش تھی کہ اس مسجد کو ایک مثالی مسجد بنایا جائے۔ اس مسجد کو باضابطہ مسجد کی صورت ہمارے دادا جی حضرت مولانا فضل الٰہیؒ نے عطا کی تھی۔ اور پھر اباجی کی کوششوں سے اس مسجد میں توسیع ہوئی اور نمازیوں کے لئے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائی گئیں۔ اباجی نے مسجد میں قالین بچھوائے، ہیٹر لگوائے، گیزر لگوائے اور مسجد کی تزئین وآرائش کی طرف خصوصی توجہ دی۔

Marfat.com

ابا جی نے نصف صدی پر محیط اپنی دینی مساعی میں آج سے ساڑھے آٹھ سال قبل مسجد میں درس قرآن کا آغاز کیا۔ تاکہ لوگوں کو قرآن فہمی کی نعمت سے مالا مال کیا جاسکے۔ اور اس کے مطالب سے روشناس کرایا جاسکے۔ اس سلسلے میں ابا جی خصوصی اہتمام فرماتے۔ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد میں موجود بلیک بورڈ پر خوبصورت کتابت میں ایک آیت خود ہی لکھ کر گھر تشریف لاتے۔ مغرب کی نماز کے بعد وہ اس آیت کے حوالے سے درس کی تیاری کرتے۔ کئی قرآن کریم آپ کے سامنے کھلے ہوتے۔ مختلف تفاسیر سے استفادہ کرتے۔ اور اس آیت کی مناسبت سے خاصا مواد آپ کے ذہن میں ہوتا۔ عشاء کی نماز کے بعد درس قرآن دیتے۔ کبھی پون گھنٹہ، کبھی ایک گھنٹہ اور کبھی اس سے بھی زیادہ وقت تک۔ ساٹھ سے ستر افراد اس درس میں شریک ہوتے۔ اور بہت دلچسپی، ذوق وشوق اور دلجمعی سے قرآن کریم سننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے۔ لوگوں کی بہت بڑی تعداد جو اس درس میں شریک ہوتی تھی، ان میں سے تقریباً سب ہی اس قابل ہو چکے تھے کہ وہ خود قرآن کریم کا لفظی اور با محاورہ ترجمہ کرسکیں۔ اگرچہ کچھ قرآن مخالف با اثر لوگوں اور مخصوص گروہوں نے اس درس قرآن کو ختم کرانے کی اپنی سی زبردست کوشش بھی کی لیکن ان کو اس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور مہربانی سے ابا جی نے اٹھارہویں سیپارے تک درس دیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ احادیث مبارکہ کا بھی درس جاری رکھا۔

ابا جی نے ان لوگوں کے اصرار پر، کہ جو درس میں شریک ہوتے تھے، خواتین کے لئے بھی درس کا آغاز کیا۔ اس مقصد کے لئے جمعے کے دن کا انتخاب کیا گیا۔ نماز جمعہ کے بعد مسجد الفاروقؓ کے اوپر ہال میں درس کا اہتمام ہوتا۔ آہستہ آہستہ خواتین کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ خواتین کے اس درس میں شریک زیادہ تعداد کالجوں اور یونیورسٹیوں کی طالبات کی تھی۔ اس درس میں قرآن وسنت کی روشنی میں روزمرہ مختلف مسائل زیر بحث آتے۔

ادھر ہماری امی جی ہمہ وقت مختلف کاموں میں مصروف نظر آتیں۔ کبھی وہ کچن میں ہوتیں اور کبھی کسی کو سہولیات بہم پہنچانے کے لئے جارہی ہوتیں۔ وہ کبھی کسی کی خوشی میں شریک ہوتیں تو کبھی خاندان و محلے داروں کے مسائل سلجھا رہی ہوتیں۔ کبھی اپنی بیٹیوں کے ساتھ باتیں کررہی ہوتیں اور کبھی ابا جی کی

Marfat.com

تیمارداری میں مصروف۔ غرض امی جی بھی اپنی زندگی با مقصد اور بھرپور انداز میں گزار رہی تھیں۔

زندگی اسی طرح رواں دواں تھی۔ کہ ہمارے گھر میں پریشانیوں نے ڈیرے ڈال لئے۔ مخصوص مولویوں، تبلیغیوں اور سرمایہ داروں نے ابا جی کے خلاف ایک محاذ بنا لیا۔ ہر طرف سے کفریہ فتوؤں کی بوچھاڑ کر دی۔ ہمارا گھرانہ ڈسٹرب ہو گیا۔ ہماری بڑی باجی بھی اسی دوران میں فوت ہو گئیں۔ ابا جی اور امی جی نے ان کی وفات کا بھی بہت زیادہ اثر لیا۔ امی جی اپنی ہر سہیلی اور رشتہ دار سے گفتگو کے دوران بڑی باجی کا ضرور تذکرہ کرتیں۔ ابا جی بھی اپنے کمرے میں بظاہر اپنے کام میں یعنی خطاطی میں مصروف ہوتے۔ لیکن اندرونی طور پر وہ بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکے تھے۔ وہ دن بدن کمزور ہوتے چلے گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ امی جی پہلے ہی عارضۂ قلب میں مبتلا تھیں، اب سانس کی تکلیف بھی شروع ہو گئی۔ جبکہ ابا جان کو گردوں کی تکلیف ہو گئی۔ اور پھر آہستہ آہستہ یہ تکلیف اس قدر بڑھ گئی کہ بات **dialysis** تک پہنچ گئی۔

جون **2002**ء کے ایک جمعۃ المبارک کو ابا جی کی نماز جمعہ پڑھتے ہوئے طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ اور وہ بے ہوش ہو گئے۔ بھائی جان ان کو ہسپتال لیکر گئے۔ جہاں وہ ایک ہفتے تک زیر علاج رہے۔ اس پورے ہفتے میں ہم پر جو بیتی، وہ بیان سے باہر ہے۔ جب ابا جی ہسپتال سے گھر آئے تو پہلے سے ان کی طبیعت بہتر تھی۔ ہمارے لئے وہ دن عید سے کم نہ تھے۔ ہم سب بہنوں نے شکرانے کے نوافل پڑھے۔ اور قرآن کریم کے ختم کئے۔ لیکن ہمارے لئے یہ خوشی عارضی ثابت ہوئی۔ کیونکہ اب **dialysis** کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ پہلے ہفتے میں ایک بار اور پھر ہفتے میں دو مرتبہ **dialysis** ہوتے رہے۔ اب امی جی کی مصروفیات میں بھی ایک اور مصروفیت کا اضافہ ہو گیا۔ کہ وہ باقاعدگی سے ابا جی اور بھائی جان کے ساتھ ہسپتال جانے لگیں۔

1422ھ کا رمضان المبارک ابا جی کی زندگی کا پہلا رمضان تھا، جب انہوں نے **dialysis** کی وجہ سے روزے نہیں رکھے۔ لیکن فدیہ ادا کر دیا گیا۔ بیماری کے باوجود ابا جی سحری کے وقت باقاعدگی سے ہمارے ساتھ بیدار ہوتے۔ وضو کے بعد ہمارے ساتھ چند نوالے تناول فرماتے۔ اور اس کے بعد قرآن کریم کی تلاوت فرماتے۔

Marfat.com

2001ء میں، ابا جی اور امی جی کے ساتھ ہماری آخری عید الفطر تھی، جو ہم نے اکٹھے گزاری۔ اس عید پر سب ہی خوش تھے۔ لیکن اندر ہی اندر ابا جی کی بیماری کی وجہ سے پریشان بھی تھے۔ اس عید پر ہم سب کو ابا جی نے خاص اہتمام سے عید کے کپڑے سلوا کر دیئے۔ عید کے دوسرے دن سب بہنوں کی دعوت تھی۔ لیکن اس دن بھی ابا جی کے dialyisis تھے۔ دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر ابا جی بھائی جان کے ساتھ دن دو بجے ہسپتال گئے۔ اور رات کو بہت دیر سے واپس آئے۔

11۔ جنوری 2002ء/26۔ شوال المکرّم 1422ھ، جمعتہ المبارک، صبح دو بجے ہمارے ساتھ وہ کچھ ہوا، جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اور نہ ہی سوچ سکتے تھے۔ ابا جی رات دو بجے ہمیں اس بھری دنیا میں اکیلا چھوڑ گئے۔ ابھی ہم نے اس حقیقت کو تسلیم ہی نہیں کیا تھا کہ امی جی بھی دس منٹ بعد زیادہ طبیعت خراب ہونے پر، ہسپتال لے جاتے ہوئے راستے میں ہی دم توڑ گئیں۔ اور اس کے ساتھ ہی ہم ان دو پیار کرنے والی عظیم ہستیوں سے ایک ساتھ محروم ہو گئے۔

لوگوں کے والدین چند ماہ یا چند برسوں کے وقفے سے جدا ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے ابا جی اور امی جی صرف دس منٹ کے وقفے سے ہمیں ساری عمر کے لئے روتا ہوا چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کے بغیر یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے گھر کی چھت اڑ گئی ہو۔ شدائد زمانہ کی تند و تیز ہوائیں چل رہی ہوں۔ اور ہم تنہا کھلے آسمان کے نیچے اپنے ابا جی اور امی جی کو تلاش کر رہے ہوں۔ کہ وہ ابھی ہمیں روتا ہوا اور پریشان دیکھ کر کہیں سے نمودار ہوں گے۔ اپنے بازو کھولے، پدرانہ شفقت کی حدت اور ممتا کے جذبات کی ٹھنڈک سے ہمیں اپنے حصار میں لے لیں گے۔ ہم بہنیں اور بھائی ہر لمحہ انہیں یاد کرتے ہیں۔ صبح و شام ان کی باتیں کرتے ہیں۔ لیکن اک تشنگی سی ہم سب کی زندگیوں کا حصہ بن گئی ہے۔ ہمیں تسلی نہیں ہوتی۔ ہم ان کی دعاؤں سے محروم ہو گئے ہیں۔ اب کوئی ہمارا انتظار نہیں کرتا۔ کوئی اپنی دعاؤں کے جلو میں رخصت نہیں کرتا۔ ہم ان پیار کرنے والی ہستیوں کو کہاں تلاش کریں؟ وہ تو افلاک کی دسعتوں میں گم ہو گئے ہیں۔ وہ دونوں تو وہاں پہنچ چکے ہیں جہاں سے کوئی بھی واپس نہیں آتا۔ ہاں ہمارے عقیدے کے مطابق ایک دن معین ہے، جب ان سے ملاقات ہوگی۔ قیامت کے دن۔ جہاں یہ دونوں جنت کے مکین ایک بار پھر ہمیں شاداں و فرحاں اپنے حصار میں لے لیں گے۔ ☆

Marfat.com

دعاؤں کے سائبان

خامہ اثر

روبینہ عزیز
ایم۔اے (تاریخ)

''وہ والدین کس قدر خوش قسمت اور جنتی ہوں گے کہ جنہوں نے دو بیٹیوں کی نہیں بلکہ سات بیٹیوں کی پرورش کی ہے۔ اور تربیت بھی اس طرح کی کہ انہیں دین کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم سے بھی آراستہ کیا۔''

11۔ جنوری 2002ء ہماری زندگی کا ایک ایسا ناقابل فراموش دن ہے کہ جب نہ صرف ہمارے سروں سے ابا جی اور امی جی کا سایہ صرف دس منٹ کے وقفے سے اٹھ گیا بلکہ ہم بہن بھائی، دونوں بزرگوں کی بے پناہ محبتوں، شفقتوں اور دعاؤں سے محروم ہو گئے۔

یہ قانون قدرت ہے کہ ہر نفس نے موت کا مزا چکھنا ہے۔ جو بھی انسان اس دنیا میں آیا ہے۔ اُس نے اس دنیا سے واپس بھی جانا ہے۔ لیکن اس طرح کا سانحہ، جس کا کوئی انسان تصور بھی نہیں کر سکتا، ہمارے ساتھ پیش آ گیا۔ یوں محسوس ہوا، جیسے کوئی خواب ہو۔ کوئی ڈراؤنا خواب۔ اور یہ کہ ابھی ہم بیدار ہوں گے۔ اور کہیں گے کہ شکر ہے؛ یہ محض ایک خواب ہی تھا۔ لیکن نہیں۔ یہ خواب نہیں حقیقت تھی، جسے نہ چاہتے ہوئے بھی قبول کرنا تھا۔ حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا تھا۔

میں نے اس دنیا میں جب سے آنکھ کھولی، اپنے گھر میں ہر طرف کتابیں ہی کتابیں دیکھیں۔ اسلام، تاریخ اور سیاسیات کا تذکرہ سنا۔ ابا جی اِس دَور کے ان روشن خیال لوگوں میں سے تھے، جنہیں دین کے

Marfat.com

ساتھ ساتھ دنیا کو بھی نبھانے کا سلیقہ آتا تھا۔لیکن اگر کسی مرحلے پر کوئی ایسا معاملہ درپیش ہوا کہ جس میں دنیوی منفعتوں اور دینی آزمائشوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوا، تو انہوں نے تمام دنیاوی مصلحتیں بالائے طاق رکھتے ہوئے، کسی قسم کا سمجھوتہ نہ کیا۔اگر چہ انہیں کتنا ہی بڑا نقصان کیوں نہ برداشت کرنا پڑا۔

ابا جی روشن خیال بزرگ تھے۔اور چاہتے تھے کہ حصول علم اور تقسیم علم میں مرد وزن کی تمیز نہ کی جائے۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں نے ایم۔اے کا امتحان پاس کیا اور میں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اپنی تعلیمی صلاحیتوں سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاؤں۔تو بھائی جان نے کہا کہ جتنی چاہے تعلیم حاصل کرلو لیکن تمہیں جاب وغیرہ کرنے کی بظاہر ضرورت نظر نہیں آتی۔تو اُس وقت ابا جی کے الفاظ تھے: ''ان کو کام کرنے دو۔اس طرح گھر بیٹھے بیٹھے صلاحیتوں کو زنگ لگ جاتا ہے۔''یوں ابا جی کی Support کی بناء پر ہی ہم بہنوں نے شعبہ تدریس اختیار کیا۔

ایک حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے۔ یہاں تک کہ وہ تمیز کی عمر کو پہنچ جائیں۔تو قیامت کے دن اس کا رتبہ اِس طرح ہوگا (آپؐ نے اپنی دو انگلیوں کو جوڑ کر فرمایا۔یعنی) اس طرح وہ ملے ہوئے ہوں گے۔'' اگر دیکھا جائے تو اس حدیث شریف کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بیٹیوں کی پرورش و تربیت کے اجر کے بارے میں اتنی بڑی خوشخبری سنائی، لیکن وہ والدین کس قدر خوش قسمت اور جنتی ہوں گے کہ جنہوں نے دو بیٹیوں کی نہیں بلکہ سات بیٹیوں کی پرورش کی ہے۔اور تربیت بھی اس طرح کی کہ انہیں دین کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم سے بھی آراستہ کیا۔

ابا جی کی باتوں میں مٹھاس اور لہجے میں ایک خاص شیرینی ہوتی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ ابا جی جب بھی گھر تشریف لاتے اور دروازے پر گھنٹی بجاتے۔اور ہم دروازہ کھولنے سے پہلے پوچھتے کہ: کون ہے؟ تو آپ ہم بہنوں کے نام پیار سے پکارتے اور کہتے: مونا...... بینا، دروازہ کھولو۔اب یہ الفاظ سننے کو ہمارے کان ترستے ہیں۔

جس دن چھٹی ہوتی اور ہم تمام بہنیں او بھائی جان گھر میں موجود ہوتے۔تو ابا جی اور امی جی کہا کرتے تھے کہ آج ہم بہت خوش ہیں کیونکہ تم لوگوں سے گھر بھرا بھرا سا محسوس ہوتا ہے۔

امی جی کی یہ Routine تھی کہ وہ بھائی جان اور ہم بہنوں کے لئے روزانہ شکرانے کے نوافل ا[دا] کرتی تھیں، کہ خیریت سے ہم لوگ گھر آ گئے ہیں۔ اور اگر ہمیں تھوڑی سی دیر ہو جاتی۔ تو وہ پریشان ہو جاتیں، کبھی فون کرتیں، کبھی گھر سے باہر دروازے میں کھڑی ہو جاتیں اور دعائیں کرتی رہتیں کہ اللہ تعالیٰ ہم بہنوں اور بھائی جان کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

یہی کیفیت ہمارے ابا جی کی بھی تھی، آپ بھی ہر لمحے ہم سب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے۔

افسوس کہ موت کی بے رحم حقیقت نے ہم سے دعاؤں کے یہ سائبان چھین لئے!

لہ ایشیا اور افریقہ میں یورپ کے نصرانیوں کے مظالم سے قطع نظر، خود یورپ میں بالعموم اور سپین میں بالخصوص مسلمانوں کو جن ستم رانیوں کا نشانہ بننا پڑا۔ اسے بھی کسی طور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ـــــ شاہ فرڈی نند، ملکہ ازابیلا، چارلس پنجم، فلپ دوم اور ڈون جوآن نے مسلمانانِ سپین کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک روا رکھا، اس پر تاریخ انسانیت ہمیشہ شرمسار رہے گی۔ نہ صرف کوہستان بلنقہ بلکہ سپین بھر میں مسلمانوں کو دہکتی آگ میں زندہ جلا ڈالا گیا۔ ان کی مساجد اور حمام مسمار کر ڈالے گئے یا کلیساؤں میں تبدیل کر دیئے گئے۔ ان کا صدیوں کا علمی سرمایہ یعنی لاکھوں کتابیں بیچ چوراہوں میں نذرِ آتش کر کے خاکستر کر دیا گیا مسلمانوں کو زبان، لباس، وضع قطع اور رسم و رواج تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ جبراً عیسائی بنانے کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے گئے۔ سرِعام مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو بیدریغ ذبح کر دیا جاتا۔ بچے کھچے مسلمانوں کو غلامی کی زندگی گزارنے کے لئے خصوصی بحری جہازوں پر امریکہ لے جایا گیا۔ کچھ مسلمان اپنی جان بچا کر بمشکل مراکش اور شمالی افریقہ پہنچ سکے، آج ڈھونڈھے سے ایک مسلمان بھی سپین میں نہیں مل سکتا۔ عیسائیوں کے سپین میں اس سفاکی، غارتگری کے دور کو دنیا کا انصاف پسند ضمیر سدا ملامت کرتا رہے گا۔ برِصغیر کا ملّی شاعر اقبال لاہوری سپین (ہسپانیہ) کی سرزمین سے واپس آتے ہوئے عرب شہسواروں کی عظمتِ رفتہ کو یاد کرتے یوں ماتم کناں ہوتا ہے:

"ہسپانیہ تو خونِ مسلماں کا امیں ہے
مانندِ حرم پاک ہے تو میری نظر میں
پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں
روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنانیں
خیمے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں"

کتاب "دو عظیم رہنما" کا ایک تحشیہ؛ جس میں، سپین میں مسلمانوں پر نصرانیوں کے مظالم کی ایک ہلکی سی جھلک مو[جود] ہے۔ آج سے ربع صدی پہلے حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خطاطی کا ایک انداز۔

Marfat.com

ہمارے آئیڈیل

خامۂ اثر

سلمٰی طارق شیخ

''ابا جی اپنے عہد کے ایک بڑے شخص تھے۔ایک ایسے شخص کہ جس نے اپنے ایمان کی پختگی اور ہمت و جرأت کے ساتھ لوگوں کو قرآن کے حقیقی پیغام کی طرف دعوت دی۔آپ نے سچی بات کی۔تو مفاد پرستوں نے مخالفت کی انتہاء کردی۔آپ نے تمام مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور استقامت کی ایک شاندار مثال قائم کی۔''

2002ء ہمارے لئے قیامت کا سال ثابت ہوا۔اس سال کے آغاز ہی میں، 11 جنوری کو ہمارا گھر ویران ہوگیا۔اس دن ہمارے ابا جی اور امی جی، ہم بہنوں اور بھائی کو اس بھری دنیا میں، ساری عمر کے لئے روتا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں چلے گئے۔ یہ دونوں ایسی پیاری اور عظیم و شفیق ہستیاں تھیں کہ جن کی محبتوں کا الفاظ میں احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

ہماری امی جی خلوص و محبت کا پیکر تھیں۔ ہم نے جب سے ہوش سنبھالا، انہیں اپنے لئے دعائیں کرتے پایا۔ ہر لمحہ وہ ہماری اچھی تربیت میں مصروف رہیں۔ وہ ایک مثالی ماں تھیں۔ اگر ہم میں سے کسی کو بھی، ذرا سی بھی تکلیف ہوتی، تو وہ ساری ساری رات سو نہیں سکتی تھیں۔ جب تک ہم ساری بہنیں سکول سے اور بھائی جان آفس سے واپس نہ آجاتے۔ وہ ہمارے لئے دعائیں کرتی رہتیں۔اور پھر ہم سب کے گھر آجانے پر خصوصی شکرانے کے نوافل ادا کر کے اور دعائیں مانگ کر معمول کے کاموں میں مصروف ہو

Marfat.com

جاتیں۔ اگر ہم میں سے کسی کو بھی ذرا سی بھی پریشانی ہوتی، تو ہم سے زیادہ پریشان ہو جاتیں، اور اپنے پاس بٹھا کر پریشانی کی وجہ پوچھتیں۔ اور جب تک ہم انہیں اپنی پریشانی کے بارے میں بتا نہ دیتیں، ان کو چین نہ آتا۔

ہمارے ابا جی بھی ایک مثالی شخصیت تھے۔ وہ ہمارے بھائی جان کی نسبت ہم سب بہنوں سے زیادہ پیار کرتے تھے۔ وہ ہم سب سے دنیا جہان کے ہر موضوع پر گفتگو کرتے۔ اگر ہم ان سے کوئی بات پوچھتے تو وہ نہایت تفصیل کے ساتھ اس کا جواب دیتے۔ وہ بات کی اچھی طرح وضاحت کرتے۔ دلائل سے اس انداز میں سمجھاتے کہ وہ بات ہمارے ذہن میں نقش ہو جاتی۔ وہ ہماری چھوٹی چھوٹی خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے۔ اور اپنی بساط سے بڑھ کر ہمارے لئے ضروریات دنیوی پوری کرتے۔

ابا جی کی ایک عادت تھی کہ وہ ہم سب بہنوں کو اس قدر محبت وشفقت سے نوازتے کہ ہم سب کو یہ امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا کہ وہ ہم میں سے کس کو زیادہ چاہتے ہیں! وہ ہم بہنوں کو ایک ایک کر کے اپنے پاس بلاتے۔ باتیں کرتے۔ اور اگر کوئی مسئلہ ہوتا تو اسے حل کرنے کی کوشش کرتے۔ شادی کے بعد میں اگر چند دن تک ان سے ملاقات کے لئے نہ جاؤں تو اداس ہو جاتے۔ فون پر رابطہ کرتے۔ اور دیر تک خیر خیریت معلوم کرتے رہتے۔ جب مجھے ان سے ملاقات کے لئے آنا ہوتا۔ تو بہت شدت سے انتظار کرتے رہتے۔ میں گھر پہنچتی تو اگر اپنے کمرے میں کام میں مصروف ہوں، یا مہمان آئے ہوئے ہوں، تو باہر صحن میں آ جاتے۔ بہت زیادہ خوشی کا اظہار کرتے۔ سر پر ہاتھ پھیرتے۔ دعائیں دیتے۔ اپنے پاس بٹھا لیتے اور گھر کے بزرگوں اور تمام افراد کے بارے میں فرداً فرداً پوچھتے۔

ابا جی کو میرے بیٹوں انیق اور طلحہ سے بہت محبت تھی۔ وہ میری بیٹی سمیہ کو بھی بہت چاہتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ انیق بڑا ہو گا۔ تو سائیکل پر بیٹھ کر مجھے ملنے کے لئے آیا کرے گا۔ اور گھر کہہ کر آیا کرے گا کہ بابا جانی اور نانو جانی کے گھر جا رہا ہوں۔ پھر خود ہی کہتے کہ یہ وقت کب آئے گا؟ جب انیق نے ابتدائی کلاس میں اول پوزیشن حاصل کی۔ تو آپ نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔

ابا جی اپنے عہد کے ایک بڑے شخص تھے۔ ایک ایسے شخص کہ جس نے اپنے ایمان کی پختگی اور ہمت و

Marfat.com

جرأت کے ساتھ لوگوں کو قرآن کے حقیقی پیغام کی طرف دعوت دی۔ آپ نے سچی بات کی تو مفاد پرستوں نے مخالفت کی انتہا کر دی۔ آپ نے تمام مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اور استقامت کی ایک شاندار مثال قائم کی۔

جب انیق کے ابو ان کے گھر جاتے تو بہت خوش ہوتے۔ اور ان سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے۔ وہ بھی اپنائیت محسوس کرتے اور گھر آ کر اباجی اور امی جی کے بارے میں ملاقات کی ساری تفصیل بتاتے۔

میں نے اباجی سے خطاطی بھی سیکھی تھی۔ انہیں اپنے استاد کی حیثیت سے بھی، میں نے بہت زیادہ محبت کرنے والا پایا۔ آپ کے سمجھانے کا انداز نہایت مشفقانہ ہوتا۔

اباجی اور امی جی، دونوں ہی ہمارے آئیڈیل تھے۔ ان دونوں نے مثالی زندگی بسر کی۔ وہ ہم سے جدا ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ چکے ہیں۔ ہم ان کی کمی ہمیشہ محسوس کرتے رہیں گے۔ ان کے بچھڑنے کا غم ناقابل برداشت ہے۔ لیکن اباجی فرمایا کرتے تھے کہ وقت سب سے بڑا مرہم ہے جو دلوں کے زخم مندمل کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ سانحہ برداشت کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ☆

اسیر تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ، حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کا والا نامہ

''ابھی ابھی تمہارا رقعہ...... صاحب کے ذریعہ ملا۔ اور گھر کے حالات سے آگاہی ہوئی۔ اور سکون قلب ہوا۔ میں تم سب سے اِسی بات کی توقع رکھتا تھا۔ تم اسی طرح کی جرأت و ہمت کا مظاہرہ کرو گے۔ اب مجھے کسی طرح کی فکر و اندیشہ نہیں۔ اصل میں کل میرے دل میں خواہ مخواہ تمہارے متعلق کچھ پریشانی سی پیدا ہوئی۔ جس کا اظہار رقعہ میں کر دیا۔ بہر حال تمہارے رقعہ سے اطمینان قلب اور سکون ہو گیا۔ اور طبیعت بہت ہی خوش ہوئی۔''

ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی

۲۱۔ اپریل ۱۹۷۷ء

بوقت ۱۱ بجے دن

Marfat.com

اللہ کی ایک نیک و مقبول بندی کا تذکرہ

ایک تھی ماں

خامہ اثر

زہرہ عزیز

''ہم نے تو اپنی امی جی کے قدموں تلے جنت بسائی تھی؛ مگر موت کی بے رحم حقیقت نے لمحوں میں ہمیں اس بھری دنیا میں بے سایہ کر دیا۔ ہم امی جی کی دعاؤں سے محروم ہو گئے۔''

اس دنیا میں اگر کوئی کسی کے لئے خلوص کے ساتھ دعا کرتا ہے۔ یا کسی کو چاہتا ہے۔ تو وہ والدین ہوتے ہیں۔ اور والدین میں بھی ماں ایک ایسی ہستی کا نام ہے کہ جس کے لبوں پر اولاد کے لئے ہمیشہ دعا ہی ہوتی ہے۔ اس کے دل میں اولاد کے لئے بہتری کی خواہش ہوتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں اولاد کے لئے خوبصورت سہانے مستقبل کے خواب ہوتے ہیں۔

دنیا میں کسی جگہ بھی چلے جایئے، ایک سچے جذبے کا سچا عنوان ماں ہی کو قرار دیا جائے گا۔ ماں عظمت کا نشان اور چاہت کی پہچان ہوتی ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دنیا کا سب سے سچا جذبہ ماں کی ممتا ہے۔ ماں ہی کائنات کا حسن ہے۔ ماں روشنی ہے۔ ماں خوشبو ہے۔ ماں زندگی ہے۔ ماں دنیا کی سب سے عظیم طاقت ہے۔ ماں کی دعا اولاد کے لئے ایک حصار ہوتی ہے۔ ماں ہی قوموں کی کردار سازی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ماں سے ہی خاندان بنتے ہیں۔ ماں ہی کی گود میں انبیاء وصلحاء پلتے بڑھتے رہے ہیں۔

Marfat.com

ماں امید کی روشن کرن ہوتی ہے۔ ماں حوصلے کا دوسرا نام ہے۔ ماں ہر عہد کی سب سے عظیم حقیقت رہی ہے۔ ماں، امی، ماما، مم، اصل میں عربی کے لفظ **ام** سے ہی مشتق ہیں۔ اسی لئے ماں ہی کائنات میں سب سے بڑی بنیادی اکائی ہے۔ اگر دنیا میں ماں کا وجود نہ ہوتا تو یہ کائنات اپنی اصل بنیاد سے محروم ہوتی۔ اور اپنی مرکزیت کھو بیٹھتی۔

ماں ایک ایسا لفظ ہے کہ جس کی پہنائیوں میں پاکیزگی، پیار، محبت، وارفتگی، شوق اور حلاوت کا پرسکون سمندر موجزن ہے۔ محبت اور پیار کے اس سمندر کی عمیق گہرائیوں میں ماں کی اپنی اولاد کے لئے تڑپ اور بے چینی کے پیچھے کیا بھید ہے، یہ تو ماں بھی نہیں بتا سکتی۔ ماں کی ممتا کو تو صرف اس وقت ہی تسکین مل پاتی ہے؛ جب وہ اپنے جگر گوشوں کو خوش وخرم دیکھتی ہے۔ انہیں کائنات کی وسعتوں میں آگے ہی آگے بڑھتے دیکھتی ہے۔ کائنات کو تسخیر کرتے دیکھتی ہے۔ کشاکش زندگی میں انہیں دلیرانہ انداز میں مصائب دنیا کی طلاطم خیز موجوں سے نبرد آزما ہوتے دیکھتی ہے۔ وہ اسے اپنی فتح سمجھتی ہے۔ اور حقیقت میں یہ اس کی ہی فتوحات ہوتی ہیں۔

یہاں پر میں جس ماں کا تذکرہ کررہی ہوں؛ وہ اتنی عظیم تھی کہ اس کے سامنے محبت وشفقت کے سارے جذبوں کو میں نے اپنی انکھوں سے دلوں میں تحلیل ہوتے دیکھا۔ وہ ایک ایسی نعمت تھی کہ جس کا وجود ہمارے لئے سایۂ رحمت اور تحفظ کا ضامن تھا۔ وہ ایک ایسی کامل ماں تھی کہ اس کے بغیر ہم سب ادھورے ہو گئے۔ وہ ہمارے گھر کی رونقوں اور خوشیوں کا محور تھی۔ اس کی دعاؤں سے، ہم دنیا کی آفات وبلیّات سے محفوظ رہتے تھے۔ اب اس کے بغیر ہر طرف ویرانی ہی ویرانی دکھائی دیتی ہے۔ وہ ہمارے لئے ایک ایسی انمول ہستی تھی کہ جو افلاک کی وسعتوں میں کھو کر ہمیں محرومیوں کے بے کراں سمندر میں اکیلا چھوڑ گئی۔

وہ میری ماں تھی۔

اس عظیم ہستی کو ہم بہنیں اور بھائی امی جی کہتے تھے۔

ہماری امی جی 11۔ جنوری 2002ء، جمعۃ المبارک کی صبح دو بجکر دس منٹ پر، ہمیں اکیلے چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے اللہ رب العالمین کے پاس چلی گئیں۔

Marfat.com

ہم سب کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہمارے پاس ہی، ہمارے اردگرد کہیں موجود ہیں۔ ہمیں دیکھ رہی ہیں۔ ہماری باتیں سن رہی ہیں۔ ہمیں انہوں نے اپنی دعاؤں کے حصار میں لے رکھا ہے۔ لیکن اب یہ سب کچھ تخیل ہی ہے۔ کیونکہ وہ حقیقت میں ہمیں چھوڑ کر منوں مٹی تلے آسودۂ خاک ہو چکی ہیں۔ یہ نظام کائنات ہے۔ جو اس دنیا میں آیا ہے، اُس نے مرنا ہے۔ اس حقیقت سے کسی طور انکار نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ وہ اپنی یادوں کے ذریعے، اپنی باتوں کے ذریعے، ہمارے قلب و ذہن میں ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ ہمیں ہر لمحہ ان کا سراپا اپنی آنکھوں میں اپنے سامنے نظر آتا ہے۔ ہمارے کانوں میں ان کے قدموں کی آہٹ ہر روز سنائی دیتی ہے۔ وہ گھر میں چلتی پھرتی محسوس ہوتی ہیں۔ ابھی ان کی جدائی کا غم تازہ ہے۔ ابھی ان کے بچھڑنے کا زخم ہرا ہے۔ مجھے ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اچھی طرح یاد ہے۔ اس لئے کہ وہ میری ماں تھیں۔ ساری دنیا کی ماؤں سے مختلف۔ ان کا نام ممتاز بیگم بنت حاجی قائم دین تھا۔ میری امی جی۔

مجھے یاد ہے کہ اگر شب کے پچھلے پہر ہم میں سے کسی کی بھی آنکھ کھل جاتی۔ تو ہم اپنی امی جی کو جائے نماز پر کھڑے نماز تہجد ادا کرتے یا رب کائنات کے حضور چادر پھیلائے دعا کرتے ہوئے دیکھتے۔ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا ان کا انداز بھی، عجب انداز تھا۔ عاجزانہ، پُرنم اور مخصوص انداز۔ ہم بہنوں اور بھائی نے جب سے ہوش سنبھالا ہے، صبح بیدار ہوتے وقت اپنے کانوں میں، اپنی امی جی کی آواز میں، تلاوت قرآن حکیم کی سحر آفرین آواز ہی سنی۔ وہ سحر خیز تھیں۔ نماز و تلاوت سے فارغ ہو کر اگر کوئی سو رہا ہے تو اسے نہایت پیار سے بیدار کرتیں۔ باری باری سب کو سکول، کالج کے لئے رخصت کرتیں۔ دعائیں دیتیں۔ دروازے میں اس وقت تک کھڑی رہتیں؛ جب تک ہم ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہو جاتے۔ وہ سارا دن گھر کے کاموں میں مصروف رہتیں۔ سب کام اپنے ہاتھوں سے کرتیں۔ آخری عمر میں سودا سلف خود خریدنے جاتیں۔ میں انہیں رخصت کرنے دروازے تک ساتھ جاتی اور کہتی کہ امی جی! جلدی واپس آیئے گا۔ میں گھر میں اکیلی ہوں۔ ان کی زبان سے ایک جملہ نکلتا۔ اور میرے کانوں سے ٹکراتا۔ ''اچھا بیٹا''۔ مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ میری امی جی ان دو لفظوں کو حقیقت کا روپ عطا کر کے ہم سب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اکیلے چھوڑ کر وہاں چلی جائیں گی، جہاں سے کوئی کبھی واپس نہیں آتا۔

Marfat.com

اب جبکہ میں گھر میں اکیلی بیٹھی یہ سطور لکھ رہی ہوں۔تو میری نظریں گھر کے در و دیوار پر جمتی نہیں۔ مجھے گھر میں ایک خلا سا محسوس ہوتا ہے۔جیسے زندگی دغا کر گئی ہو۔دھوکہ دے گئی ہو۔بے وفائی کر گئی ہو۔وہ ہم سے ہماری متاع حیات چھین کر کہیں دور چلی گئی ہو۔

میں جب اپنے گھر کی کسی بھی چیز پر نظر ڈالتی ہوں۔یا اسے چھونے کی کوشش کرتی ہوں۔تو ہر چیز میں اپنی امی جی کی خوشبو رچی بسی محسوس کرتی ہوں۔میری امی جی بھی وہ کہ جو منفرد صلاحیتیں لے کر اس دنیا میں آئی تھیں۔مائیں تو سب ہی پیاری ہوتی ہیں۔لیکن میں فخر سے کہتی ہوں کہ میری امی جی کا کوئی نعم البدل نہیں تھا۔ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔وہ ہر ایک کی غم گسار تھیں۔وہ ہر ایک کو اچھا مشورہ دیتی تھیں۔ان کی رائے میں بہت وزن ہوتا تھا۔وہ ہمیشہ دوسروں کے لئے بہتری ہی سوچتی تھیں۔وہ ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتیں۔دوسروں کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتیں۔محلے کی اکثر خواتین اپنی باتیں انکے ساتھ share کرتیں۔ وہ اپنے مسائل بیان کرتیں اور مناسب مشورہ چاہتیں۔اور امی جی ہمیشہ ان کی بہتری کا ہی مشورہ دیتیں۔بعض اوقات محلّہ کے کسی گھر میں لڑائی جھگڑا ہو جاتا اور نوبت علیحدگی اور گھر کی تباہی تک پہنچ جاتی۔امی جی ان کے گھر جا کر، دونوں فریقوں کو الگ الگ سمجھا بجھا کر، حالات سن کر، نیک مشورہ دیتیں۔ٹوٹتے بکھرتے گھروں کو جوڑ دیتیں۔ایک دو مرتبہ تو ایک دو گھروں میں ایسا فساد بپا ہوا کہ نوبت علیحدگی کی دھمکیوں تک پہنچ گئی۔امی جی نے دونوں کو صحیح مشورہ دے کر ٹھنڈے دل کے ساتھ انہیں سوچنے پر مجبور کر دیا۔اور جب ان لوگوں کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو وہ شکریہ ادا کرنے آئے۔اور کہنے لگے کہ خالہ جی! آپ نے تو ہمارے گھر کو تباہ ہونے سے بچا لیا۔ ورنہ ہمیں تو شیطان تباہی کے کنارے تک لے آیا تھا۔اور اب ہم اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے خوش و خرم زندگی بسر کرنے کا عہد کرتے ہیں۔امی جی فرمایا کرتیں تھیں کہ محلے کی تمام بچیاں میری اپنی بیٹیوں کی طرح مجھے عزیز ہیں۔اور میں ان کی خوشیوں کو اپنی بیٹیوں کی خوشیاں تصور کرتی ہوں۔

امی جی کا معمول تھا کہ ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد جائے نماز پر ہی بیٹھی رہتیں۔اور اس وقت تک بیٹھی رہتیں، جب تک سب بہنیں سکول کالج سے واپس نہ آ جاتیں۔اس کے بعد ان کے لئے الگ الگ شکرانے کے نوافل ادا کر کے جائے نماز سے اٹھتیں۔اور دوپہر کا کھانا تناول فرماتیں۔ہمارے ہاں ایک

Marfat.com

معمول یہ بھی ہے کہ کم از کم رات کا کھانا گھر کے سب افراد ایک ہی وقت میں اکٹھے بیٹھ کر کھائیں۔ اور امی جی تو اس وقت تک کھانا نہ کھاتیں، جب تک کہ بھائی جان گھر نہ آجاتے۔ امی جی کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ وہ ہر روز رات کے وقت بھائی جان کے لئے کم از کم آٹھ نوافل ضرور پڑھتیں کہ اللہ انہیں آئندہ بھی، بقول ان کے: ظالموں ظلموں سے محفوظ اور اپنی حفظ و امان میں رکھے؛ اور پھر ان کے لبوں پر یہ الفاظ بھی ہوتے کہ اللہ تعالیٰ میرے اس چھوٹے سے گلشن کو آباد رکھے اور میرے بچوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ سب اس کے سایۂ رحمت میں رہیں۔

امی جی پکی موحدہ تھیں۔ شرک و بدعات سے کوسوں دور رہتی تھیں۔ خواتین کی محافل میں بڑی دلیری کے ساتھ اپنی بات بیان کر دیتی تھیں۔ ان کے دل میں ایک اور صرف ایک ہی اللہ کا خوف ہمیشہ موجود رہتا۔ اپنی سہیلیوں کو بھی شرک و بدعات سے بچنے کی تلقین کرتیں۔ اور اتنی سنجیدگی، متانت، وقار اور اپنائیت وچاہت کے ساتھ سچی بات کہتیں کہ سننے والا سچی بات کی کڑواہٹ کو محسوس بھی نہ کرتا۔

امی جی دلیر بھی بہت تھیں۔ انہوں نے ابا جی کے ساتھ زندگی کی تمام کلفتوں اور آزمائشوں میں بھرپور استقامت کے ساتھ، ساتھ دیا۔ ہمارے گھر ایک میلے کا سا سماں رہتا تھا۔ دن بھر خاندان، برادری اور محلے کی خواتین آتی رہتیں۔ امی جی سے باتیں کرتیں اور ان کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوتیں۔ لیکن جب ہمارا مقاطعہ کر دیا گیا۔ اور خاندان برادری کی خواتین نے گھر آنا چھوڑ دیا۔ تو امی جی مطلق پریشان نہ ہوئیں۔ ان کی قریبی سہیلیاں، جو انہیں سگی بہنوں سے بھی زیادہ عزیز تھیں، چمک دمک سے مرعوب ہو کر، ان کا ساتھ چھوڑ گئیں؛ اور خاندان برادری کے نام پر جاہ وحشمت والوں کی صف میں کھڑی ہو گئیں۔ تو بھی آپ نہ گھبرائیں۔ بلکہ افسوس اور حیرت و استعجاب کے ساتھ فرمایا کرتیں: دیکھو، ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ تمہارے ابا جی نے لوگوں کو قرآن سنایا۔ اور انہوں نے ہمارا بائیکاٹ کر دیا۔ کیا ان لوگوں کو اللہ کا خوف نہیں۔ ساری دنیا ساتھ چھوڑ دے، پرواہ نہیں؛ لیکن اللہ ساتھ نہ چھوڑے۔ اللہ کا کلام سنانے والوں کو اللہ اکیلا نہیں چھوڑے گا...... ایک مرتبہ فرمانے لگیں کہ فلاں خاتون نے کروڑوں پتی سرمایہ داروں کی ایک خاتون کا مجھے ایک پیغام دیا ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ باپ بیٹا اکیلے ہیں۔ ہم ان دونوں کو اجرتیوں سے اٹھوا کر

Marfat.com

مروادیں گے۔ یہ بات امی جی نے بڑے حوصلے سے سنی۔ اوراس خاتون سے فرمایا۔ کہ میری طرف سے بھی یہ پیغام ان خاتون کو پہنچادو۔ کہ تمہارے پاس دولت ہے۔ اوراس معاشرے میں اپنی دولت کے بل بوتے پر جو چاہو کر سکتی ہو۔ لیکن یہ مت بھولنا، انہوں نے قرآن سنایا ہے۔ قرآن والاتم سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ اگرانسانوں کی زندگی اورموت تمہارے ہاتھ میں ہے تو انہیں مروا کے دیکھ لو۔

جب ابا جی کی مخالفت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اور پیشہ ور مولویوں، مفتیوں، تبلیغیوں اور سرمایہ داروں نے ایک اتحاد بنا کر طرح طرح سے کردار کشی کرنی شروع کردی اور گندے کفریہ فتوے تقسیم کرنے لگے تو بھی امی جی پریشان نہ ہوئیں۔ کسی گھبراہٹ کا اظہار نہ کیا۔ اور ابا جی کو تسلی دیا کرتیں۔ کہ آپ نے سچی بات کہی ہے۔ آپ جو بات کہتے ہیں وہ قرآن کے مطابق ہے۔ صحیح ہے۔ تو پھر مطلق پریشان نہ ہوں۔ ایسی مخالفت تو پیغمبروں کی بھی ہوتی رہی ہے۔ اور آپ سے ہی لوگ یہ واقعات سنتے رہے ہیں۔ اس لئے زندگی کے کسی مرحلے پر پریشان نہ ہوئیے گا۔ اور پھر یہ بھی کہ آپ کے والد محترم (یعنی ہمارے دادا جان حضرت مولانا فضل الٰہی مرحوم) کی بھی کیا کم مخالفت ہوئی تھی۔ انہوں نے بھی تو قرآن سنایا تھا، توحید بیان کی تھی، یہ تو آپ کے خاندان پراللہ کی خاص عنایت ہے۔ کہ وہ اللہ کی راہ میں ستائے جاتے ہیں۔

امی جی نے ذاتی زندگی میں بھی بچپن میں بہت دکھ اٹھائے تھے۔ ہمارے نانا جی نے کئی شادیاں کی تھیں۔ اور ہماری نانی جان اور خالہ جان وغیرہ کی زندگی بہت زیادہ آسودہ نہ تھی۔ امی جی اکثر اپنے بچپن کے واقعات سناتیں۔ ان واقعات میں بچپن کی محرومیوں کی تلخی ہوتی اور وہ اس کی کڑواہٹ کو آنسوؤں کی صورت اپنی آنکھوں میں چھپالیتیں۔ اگر کسی کی دکھ بھری داستان سنتیں تو آبدیدہ ہوجاتیں۔ کوئی دکھیا گھر میں خیرات مانگنے آجاتی تو اپنی بساط سے بڑھ کر اس کی مدد کرتیں۔ بعض اوقات تو ہم نے خود دیکھا کہ ہم سب کے ساتھ بیٹھی کھانا تناول فرمارہی ہیں اور کوئی سائلہ آگئی تو اپنے حصے کا کھانا بھی اسے دے دیا۔ امی جی نے بہت عرصے سے اپنا ایک معمول بنا رکھا تھا کہ بھائی جان کی تنخواہ میں سے کچھ حصہ محلے کی چار پانچ نہایت غریب خواتین کیلئے مختص کر رکھا تھا۔ وہ ان کے لئے علیحدہ علیحدہ ضروری اشیاء کے Sets بنواتیں جو گھی کے ڈبے، چاول، چینی، دالوں اور صابن وغیرہ پر مشتمل ہوتے۔ اور نماز مغرب کے بعد انہیں پیغام

Marfat.com

بھجواتیں کہ کسی کے ہاتھ منگوالیں۔ اگر چہ گزشتہ کچھ برسوں سے ہمارے معاشی حالات اچھے نہیں رہے، لیکن امی جی کے معمول میں فرق نہ آیا۔

چونکہ ابا جی گزشتہ تیس بتیس برسوں سے گھر پر ہی خوشنویسی کا کام کرتے تھے۔ اس لئے ان کے پاس مہمان آتے رہتے تھے۔ ابا جی کی کوشش ہوتی تھی کہ کوئی مہمان مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوئے بغیر رخصت نہ ہو۔ چنانچہ امی جی مہمانوں کے لئے ہمہ وقت چائے، مشروبات یا کھانے وغیرہ کے انتظامات میں مصروف رہتیں۔ ان کے پکائے ہوئے کھانوں میں برکت اور لذت ہوتی۔

امی جی، بھائی جان اور ہم سب کو اکثر نصیحت کیا کرتیں کہ ہمیشہ دوسروں کے ساتھ اخلاق سے پیش آؤ۔ اور رزق حلال کما کر کھاؤ۔ حرام مال کے لئے ''گندگی'' کا لفظ استعمال فرماتیں۔ وہ لوگ کہ جو دوسروں کے حقوق پر ڈاکے ڈال کر یا سادہ لوح لوگوں کی اپنے پاس بطور امانت رکھی رقوم کو استعمال کر کے دولت مند بن گئے، ان کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتی تھیں۔ سرمایہ داروں کے لئے کبھی ان کے دل میں احترام کے یا اچھے خیالات نہیں رہے۔ بلکہ اگر کبھی سرمایہ داروں کی خواتین سے ملاقات ہوتی تو انہیں غریبوں کی مدد کرنے کے لئے کہتیں۔ اگر کبھی کسی ایسی مفلوک الحال خاتون کو دیکھتیں کہ جو دو وقت کے کھانے کے لئے بھی محتاج ہے؛ جبکہ اس کے کچھ رشتہ دار کروڑوں پتی بن چکے ہیں، تو انہیں احساس دلاتیں کہ اس خاتون اور اس کے بچوں کی مدد کرنا تم پر فرض ہے۔ یہ بات اگر چہ انہیں ناگوار گزرتی لیکن امی جی اپنی بات کا ابلاغ ضرور کر دیتیں۔

1977ء میں، تحریک نظام مصطفیٰ کے دوران میں ابا جی گرفتار ہوئے تو امی جی نے بھی ابا جی کی طرح استقامت کا مظاہرہ کیا۔ ابا جی کو امی جی کے بارے میں فکر تھی کہ وہ خاصی پریشان ہوں گی۔ لیکن انہوں نے نہایت دانشمندی اور دلیری کے ساتھ ان قیامت خیز 33 دنوں میں استقامت دکھائی۔ امی جی کی اس استقامت کا تذکرہ ابا جی نے اپنے ان خطوط میں بھی کیا ہے۔ کہ جو انہوں نے ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی سے مختلف اوقات میں بھائی جان کے نام لکھے۔ ان جذبات کا ہلکا سا عکس آپ نے بھی عکسی خطوط میں ملاحظہ کیا ہوگا۔

1970ء کی دہائی میں امی جی بیمار رہنے لگیں۔ لیکن ان کی کوشش رہی کہ روزمرہ معمولات میں فرق نہ آئے۔ کئی برس بعد جب ابا جی کے خلاف مخصوص عناصر نے محاذ بنالیا۔ اور وہ طرح طرح سے پریشان کرنے لگے اور ابا جی کی سلامتی کو بھی خطرات درپیش رہنے لگے تو ذہنی ونفسیاتی دباؤ کے باعث امی جی عارضۂ قلب میں مبتلا ہوگئیں۔ اور ڈاکٹروں کے مشورے سے وہ روزانہ اٹھارہ تا بیس کیپسول اور گولیاں استعمال کرنے لگیں۔ یہ ادویات ان کی خوراک اور زندگی کا حصہ بن گئیں۔ اس کے باوجود ان کی کوشش رہی کہ وہ تمام دکھ خود ہی جھیلیں اور اپنے اندر کے کرب کو زبان پر نہ لائیں۔ خواتین ان کی عیادت کے لئے یا ملاقات کے لئے تشریف لاتیں اور کہتیں کہ آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کی بیٹیوں نے آپ کے قدموں تلے اپنی آنکھیں بچھا رکھی ہیں۔ یعنی آپ کی بہت خدمت گزار ہیں۔ تو آپ خوش ہوتیں۔ اور بے اختیار ان کے لبوں سے دعائیں جاری ہوجاتیں۔

امی جی نے اپنی ساری زندگی اپنے خاندان والوں کی خدمت میں گزار دی۔ جب وہ ابا جی کے گھر آئیں تو ان کی ساس یعنی ہماری دادی جان کو صرف دو سال بعد فالج ہوگیا۔ وہ تقریباً بائیس برس بستر پر رہیں۔ وہ کروٹ بھی نہیں بدل سکتی تھیں۔ کھانا نہیں کھا سکتی تھیں۔ اپنے ہاتھ پاؤں نہیں ہلا جلا سکتی تھیں۔ امی جی نے بائیس برس مسلسل ان کی خدمت کی۔ انہیں اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاتیں، پانی پلاتیں، نہلاتیں، صاف ستھرا رکھتیں، راتوں کو جاگ جاگ کران کی کروٹیں بدلتیں۔ گرمی سردی میں موسم کے مطابق ان کے لئے دھوپ چھاؤں کا خیال رکھتیں۔ ہمارے گھر خواتین آتیں تو حیران رہ جاتیں کہ کوئی بہو اس قدر خلوص کے ساتھ اپنی ساس کی اس قدر وفاشعار بھی ہوسکتی ہے! اور اس پر مستزاد یہ بھی کہ وہ ہمارا اور ابا جی کا بھی برابر خیال رکھتیں۔ اسی طرح امی جی نے جس طرح ہماری بڑی باجی صفیرا خاتون کا، جن کو کینسر ہوگیا تھا، خیال رکھا؛ وہ بھی اپنی جگہ ماں کی ممتا کی ایک خوبصورت کہانی ہے۔ مسلسل ایک سال گیارہ مہینے تک، معلوم ہوتا تھا کہ یہ امی جی کی اپنی زندگی نہیں بلکہ وہ یہ عرصہ صرف ہماری باجی کے لئے زندہ رہیں۔ باجی نے ان کے ہاتھوں میں دم دیا۔ اور امی جی نے ان کی وفات پر زبردست غم واندوہ کا اظہار کیا۔ اور باجی کی جدائی کا روگ ان کی زندگی کا حصہ بن گیا۔

Marfat.com

امی جی کا ایک وصف یہ بھی تھا کہ وہ دوسروں کے دکھ درد اور بیماری کو اپنا دکھ درد اور بیماری سمجھتیں۔ اگر گھر میں کوئی بیمار پڑ جاتا تو امی جی اس کی زبردست خدمت کرتیں۔ راتوں کو جاگتیں۔ اس کو دوائیں کھلاتیں پلاتیں۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اس کے لئے کھانے پینے کا اہتمام کرتیں۔ اس کے آرام کا خیال رکھتیں۔ اس کے لئے دعائیں کرتیں۔ اس کے لئے نوافل پڑھتیں۔ اور اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتیں۔ اور جب وہ بیمار صحت یاب ہو جاتا تو ان کی خوشی دیدنی ہوتی۔ اور اگر امی جی خود بیمار ہو جاتیں۔ کیونکہ انہیں اکثر سانس کی تکلیف ہو جاتی تھی؛ وہ بے ہوش ہو جاتی تھیں اور ہم انہیں زندگی اور موت کی کشمکش میں ہسپتال لے کر جاتے۔ ڈاکٹرز ان کا سانس بحال کرتے۔ اور وہ ہوش میں آ جاتیں، تو ان کو سخت نقاہت ہو جاتی۔ اس حالت میں بھی وہ اپنے تیمارداروں کے لئے دعائیں کرتیں۔ اور جب ہسپتال سے گھر آ جاتیں۔ تو اپنے گھر تشریف لانے والے تیمارداروں کی تواضع کرنے کا حکم دیتیں۔ یوں محسوس ہوتا کہ وہ موت کی دہلیز سے محض اس لئے ہی واپس آئی ہیں کہ دوسروں کو اپنی دعاؤں سے فیض یاب کریں۔

امی جی نے خود، باضابطہ، سکول کا دروازہ بھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن فرمایا کرتی تھیں کہ انہوں نے ایک سو سے زیادہ جماعتیں پاس کی ہوئی ہیں۔ وہ ہم بہنوں اور بھائی کی ڈگریوں پر مندرج جماعتوں کا شمار کر کے ایک سو سے زیادہ جماعتوں کا حساب بنا لیتیں۔ انہوں نے خود قرآن کریم ناظرہ پڑھا ہوا تھا۔ لیکن ابا جی سے دین کی باتیں سن سن کر اسلام کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ وہ جہالت سے نفرت کرتی تھیں۔ اور پڑھے لکھے لوگوں کے لئے دعائیں کیا کرتی تھیں۔ ابا جی کی طرح وہ بھی اس بات پر تعجب کا اظہار کرتی تھیں کہ لوگوں کو قرآن کیوں سمجھ نہیں آتا۔ اور وہ قرآن کا ابلاغ کرنے والوں کے خلاف کیونکر محاذ بنانے کا یارا کر لیتے ہیں۔ امی جی کو بھی ابا جی کی طرح قرآن سے عشق تھا۔ جب بھی تھوڑا سا وقت مل جاتا، تلاوت کیا کرتیں۔

امی جی کا حافظہ بہت مضبوط تھا۔ ایک مرتبہ کوئی بات سن لی، وہ ان کے حافظے میں محفوظ ہو جاتی تھی۔ انہیں پنجابی اور پوٹھوہاری کی بے شمار ضرب الامثال ازبر تھیں۔ جن کا وہ وقتاً فوقتاً موقع محل کی مناسبت سے، برمحل، استعمال کرتیں۔ بعض اوقات ہم لوگ حیران رہ جاتے کہ یہ باتیں کس طرح ان کے نہاں خانۂ ذہن

Marfat.com

میں باقی رہ گئیں۔

امی جی کا معمول تھا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دوسرے روز، ہماری جو بہنیں اپنے اپنے گھروں میں آباد ہیں، ان کی، اپنے دامادوں اور نواسوں نواسیوں کی پر تکلف دعوت کرتیں۔ اس قدر کھانے تیار کراتیں کہ ہم آئندہ کچھ دنوں تک مزید ان سے لطف اندوز ہوتے رہتے۔ فرمایا کرتی تھیں کہ داماد بیٹوں سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ وہ بیٹی کے سہاگ کے ضامن ہوتے ہیں۔ جب ہمارے بہنوئی ہمارے گھر آتے تو ان کی اپنی بساط سے بڑھ کر آؤ بھگت کرتیں۔ اور بھائی جان سے کہتیں کہ یہ تمہارے بھائی ہیں، ان کی زیادہ سے زیادہ عزت کیا کرو۔ اسی طرح بھائی جان سے یہ بھی فرماتیں کہ اپنے سسرال والوں کی بھی عزت و احترام میں کبھی کمی نہ آنے دینا۔ وہ بھی بمنزلہ تمہارے لئے والدین کی ہی طرح ہیں۔ اور خاص طور پر بھائی جان کو ہماری بھابی جی کا خاص خیال رکھنے کے لئے کہتیں۔

امی جی کو اپنے پوتے پوتی اور نواسوں نواسیوں سے بہت محبت تھی۔ وہ اکثر اس خواہش کا اظہار کرتیں کہ یہ سب پڑھ لکھ جائیں۔ اچھے، تمیز دار اور دوسروں کا احترام کرنے والے ہوں۔ جہالت ان کے قریب سے بھی نہ گزرے۔ اگر کہیں کسی عزیز کے گھر تشریف لے جاتیں تو بچوں میں سے کسی کو ساتھ لے جاتیں۔ اور خوش ہوتیں۔ جب بچوں نے سکول جانا شروع کیا تو شکرانے کے نوافل ادا کئے۔ اور بہت مسرت کا اظہار کیا۔ امی جی کہا کرتیں تھیں کہ میرا کوئی خاندان کوئی بہن بھائی نہیں ہے۔ میری اولاد ہی میرا خاندان برادری ہے۔ یہی میری چھوٹی سی کائنات ہے۔ ان کی خوشیوں سے میں جی رہی ہوں۔ اور جتنی پریشانیاں میں نے بچپن میں دیکھی ہیں اب میں وہ سب بھول گئی ہوں۔

ابا جی اور امی جی کے درمیان بہت ہم آہنگی تھی۔ امی جی نے ابا جی کی بیماری کے دوران میں ان کی خدمت کی ایک عدیم النظیر مثال قائم کی۔ وہ اپنی بیماری کو بھول گئیں۔ ابا جی کی بیماری کے آخری آٹھ ماہ میں انہوں نے اپنی ادویات لینی بھی تقریباً بند کر دیں۔ اگر ہم ادویات لینے پر اصرار کرتے تو فرماتیں کہ میں ٹھیک ہوں۔ تمہارے ابا بیمار ہیں۔ انہیں میری خدمت کی زیادہ ضرورت ہے۔ وہ ابا جی کے ساتھ مسلسل، باقاعدگی کے ساتھ، ہسپتال جاتیں۔ کئی کئی گھنٹے ہسپتال میں ان کا خیال رکھتیں۔ اہتمام کے ساتھ ان کے

Marfat.com

لئے کچھ کھانے کو لیکر جاتیں۔ بھائی جان اور ظہور انکل کے لئے بھی کچھ نہ کچھ فروٹ، کھانا وغیرہ ساتھ لے کر جاتیں۔ ہسپتال میں ابا جی کے لئے دعائیں کرتیں۔ آیات پڑھ پڑھ کر ان کے لئے بارگاہ رب العزت میں دست بہ دُعا ہوتیں۔ شب وروز ان کے لئے مضطرب رہتیں۔ ابا جی اور ہم سب کو تسلی بھی دیتیں کہ یہ صحت و بیماری اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے ہے۔ ہمیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ہی ادا کرنا چاہئے۔

لیکن؛

میں ان لمحوں کو نہیں بھول سکتی کہ جب 10۔ جنوری 2002ء بروز جمعرات ابا جی کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی اور ہنگامی طور پر ان کو dialysis کے لئے بھائی جان اور ظہور انکل CMH Rawalpindi لے کر گئے۔ امی جی بھی ساتھ ہی گئیں۔ صبح آٹھ بجے کے لگ بھگ یہ سب لوگ ہسپتال گئے۔ اور رات ساڑھے دس بجے واپس گھر پہنچے۔ اس دن ابا جی کو بہت گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ ہسپتال میں بھی ابا جی موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہے تھے۔ جب یہ سب لوگ رات کو گھر پہنچے تو امی جی نے بھائی جان کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ نماز ادا کی۔ اور باتیں کرنے لگیں۔ دن بھر کی روداد سنائی۔ ابا جی کے سرہانے بیٹھ کر چند آیات کی تلاوت کی۔ اور جب صبح دو بجے ابا جی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ تو اس وقت ان کا سر امی جی کی گود میں تھا۔ امی جی نے ابا جی کا چہرہ مبارک رومال سے صاف کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ اور پھر ان کی اپنی طبیعت خراب ہوگئی۔ اور صرف دس منٹ میں خود بھی اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ وہ ابا جی کے ساتھ ہی جنت کی طرف چلی گئیں۔

وہ ہمیں اکیلا چھوڑ گئیں۔

وہ ہمیں تنہا چھوڑ گئیں۔

ہمیں یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ امی جی بھی اتنی جلدی ہمیں چھوڑ جائیں گی۔ ہمیں روتا ہوا؛ ہماری چاہتوں، محبتوں اور عقیدتوں کی ساری مالائیں یوں بکھیر کر خود منوں مٹی تلے آسودۂ خاک ہو جائیں گی۔

ہم نے تو اپنی امی جی کے قدموں تلے جنت بسائی تھی۔ مگر موت کی بے رحم حقیقت نے لمحوں میں ہمیں اس بھری دنیا میں بے سایہ کر دیا۔ ہم امی جی کی دعاؤں سے محروم ہوگئے۔

Marfat.com

وہ میری ماں تھی؛ وہ میرے خوابوں کی حقیقت تھی۔ وہ میری راز دار تھی، وہ میری جنت تھی، وہ میری محبت تھی۔ وہ میری ماں تھی۔

اب میرے لئے کوئی دعا نہیں کرے گا۔ کیونکہ اب کوئی بزرگ خاتون میری ماں کی طرح نہیں۔

میں پریشان ہوں گی تو مجھے کوئی تسلی نہیں دے گا۔

میں بیمار ہوں گی تو میرے لئے راتوں کو کوئی نہیں جاگے گا۔ کوئی پیار نہیں کریگا۔ مجھے کوئی دلاسہ نہیں دیگا۔

میری ماں، مجھے سب یاد ہے۔ تو میرا سرمایہ تھی۔ میری تمنا تھی۔

اے میری ماں، تو جو میرے پاس نہیں ہے۔

زندگی میں اب وہ پہلی سی بات نہیں ہے۔

تیرے پیار بن دل کی زمین سوکھی ہے۔

اک تو ہی مخلص تھی، باقی ساری دنیا روکھی ہے۔

تیری دعا کے بغیر زندگی کی سنگلاخ راہوں پر میں اکیلی سفر کر رہی ہوں۔

ہر قدم، ہر راستے پر آبلہ پا ٹھوکریں کھا رہی ہوں۔

میری ماں، تو میرے لئے قدرت کا انمول تحفہ تھی۔

تُو لوٹ آ کہ مجھے ابھی تیری ضرورت ہے۔

میں تجھ بن ادھوری ہوں، ادھوری ہوں۔

اے میری ماں!

ایک عرصہ ہوا، میں سوئی نہیں ہوں۔

تو مجھے اپنی گود میں سلا دے۔

اے کاش کبھی ایسی دعائیں نہ مرتیں۔

اے کاش کبھی مائیں نہ مرتیں۔

Marfat.com

اباجی کے آخری ایام

خامۂ اثر

میمونہ عزیز
ایم۔اے، بی ایڈ

''وہ اپنی حیات مستعار میں بامقصد نظریئے کے ساتھ جیئے، وہ خودداری اور وقار کے ساتھ زندہ رہے۔ وہ سچے مسلمانوں کی پاکیزہ زندگی کے مثالی نمائندہ تھے۔ وہ دلیر، بہادر، شجاع اور سچے مسلمان تھے۔''

اپریل 2000ء سے پہلے اباجی معمول کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کی صحت بہت اچھی تھی۔ انہوں نے کبھی سر درد کی بھی شکایت نہیں کی تھی۔ وہ ذہنی وقلبی طور پر مستعد وفعال تھے۔ پانچوں وقت کی نماز کا باقاعدگی کے ساتھ اہتمام فرماتے۔ تلاوت قرآن حکیم کرتے۔ تمام عبادات وفرائض کی بجاآوری کرتے۔ حصول رزق کے لئے خطاطی کے شعبے سے وابستہ تھے۔ صبح کی نماز کے بعد خطاطی شروع کرتے۔ پھر ناشتے کے لئے تشریف لاتے۔ اور ہمارے سکول کالج جانے کے بعد دوبارہ خطاطی شروع کر دیتے، یہ سلسلہ رات گئے تک جاری رہتا۔ اس دوران میں ادائیگی صلوٰۃ، کھانے اور گھر کی دیگر ضروریات کے لئے اٹھتے۔ اور ماشاءاللہ خوب روزی کماتے۔ انہوں نے تقریباً چالیس پینتالیس برس تک خطاطی کی۔ اور ہزارہا صفحات کو اپنے قلم سے، باریک خطاطی کی صورت میں زینت بخشی لیکن ان کی قریب کی نظر مستحکم تھی۔ وہ بغیر چشمے کے خطاطی کرتے۔ نوجوانوں کی طرح چلتے پھرتے، احباب سے ملاقاتیں کرتے۔ اور رفاہی کاموں میں حصہ لیتے۔ سارے کام نہایت مستعدی کے ساتھ کرتے۔ ہمیشہ چاک وچوبند رہتے۔ ان کی بھائی جان سے بھی

Marfat.com

صحت اچھی تھی۔ اور وہ زندگی کو باوقار انداز میں گزارنے کا سلیقہ جانتے تھے۔ دین و دنیا کے شکوہ وسادگی کا حسین امتزاج ان کی زندگی میں جھلکتا تھا۔ وہ اس عہد کے ایک مثالی مسلمان تھے۔ خوش خصال، خوش گفتار اور خوش کردار۔ کبھی ان پر گمان ہوتا کہ وہ عصر حاضر کے تمام تقاضوں کو مدنظر رکھ کر ایک پاکیزہ زندگی بسر کر رہے ہیں اور کبھی یہ گمان ہوتا کہ وہ قرون اولیٰ کے مثالی مسلمانوں کے قافلے کے بچھڑے ہوئے ایک قابل تقلید شخص ہیں۔

اپنی وفات سے تقریباً آٹھ برس پہلے اباجی نے درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ اور آیاتِ حق کو چھپانے کے مرتکب ہونے کے بجائے آیات بنیات کو واضح اور روشن طور پر بیان کرنا شروع کیا۔ اس حق گوئی کی بناء پر، جس جس پر، ضرب قرآنی پڑی وہ آپ کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوتا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے مخصوص عناصر نے آپ کے خلاف ایک محاذ بنالیا۔ اور جھوٹے پروپیگنڈے، کردار کشی کی تمام اصناف کے استعمال، غلیظ کافرانہ فتوؤں، دھمکیوں، سماجی مقاطعوں اور مختلف نفسیاتی حربوں کے ذریعے ان مخصوص عناصر نے ایک خادم قرآن کو تنہا کر دیا۔ اس ذہنی اور نفسیاتی کشمکش کے دوران میں آپ یکسوئی کے ساتھ رزق حلال کمانے کے لئے خطاطی کا کام نہ کر سکے۔ آپ کو ان پڑھوں کے سامنے اپنے مسلک و مذہب کی وضاحت کرنے پر مجبور کیا گیا۔ طولانی طوفان بدتمیزی میں ایک اکیلا دیندار سچا مسلمان، سیاسی و سماجی اثر ورسوخ کے مالک کروڑوں پتی سرمایہ داروں اور جنونی کافرگروں کے نرغے میں گھِر گیا۔ جس شخص نے مسلسل پچاس برس تک لوگوں کو خالص توحید سے آشنا کیا اور قرآن سنایا تھا۔ اسے مخصوص عناصر نے ''دائرۂ اسلام'' سے خارج قرار دے دیا۔ جس شخص ۔۔نے بلا اجرت، بلا تنخواہ، بلا مراعات، لوگوں کو جادۂ مستقیم پر گامزن کیا تھا؛ اسے دین کو بطور پیشہ اور ذریعۂ روزگار اپنانے والوں نے کفر کے زمرے میں داخل کر دیا۔ دنیا پرستوں کی طرف سے یہ معمولی جرم نہ تھا۔ اس ظلم پر اباجی کا دل گھائل ہو گیا۔ وہ اعصابی دباؤ کا شکار کر دیئے گئے۔ وہ اپنی قوت ارادی سے ان مخصوص گروہوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن ایک اکیلا انسان تابہ کے قوم کے مَـلَاءُ کے چرکوں کو سہہ سکتا ہے؟ آپ بھی گوشت پوست کے انسان تھے۔ فولاد کے بنے ہوئے نہ تھے۔ انسانی جذبات واحساسات سے عاری نہ تھے۔ پتھر دل نہ تھے، اپنے سینے میں ایک حساس

Marfat.com

دھڑکتا ہوا دل رکھتے تھے۔ ظالموں نے چاروں طرف سے اپنے نرغے میں لیکر آپ کو بے بس کر دیا۔

اپریل 2000ء کے اوائل میں آپ نے اعصابی تناؤ اور اس کے باعث دیگر بیماریوں کا اظہار کیا۔ بھائی جان نے مختلف معالجوں اور ہسپتالوں کے ذریعے بیماری کی شناخت چاہی۔ اور پھر مختلف ڈاکٹرز نے فیصلہ کیا کہ آپ کو آپریشن کے عمل سے گزرنا پڑے گا۔ 14۔ جون 2000ء کو، آپ کا پہلی مرتبہ آپریشن ہوا۔ چند ہی دنوں میں آپ روبصحت ہونے لگے۔ تین چار ماہ آپ کی صحت ٹھیک رہی۔ اس دوران آپ کے مخالفین نے آپ کے خلاف سازشیں تیز تر کر دیں۔ اور آپ کی تکلیف عود کر آئی۔ آپ کو دوبارہ مختلف ہسپتالوں میں tests کے لئے رجوع کرنا پڑا۔ 12۔ مارچ 2001ء کو، ایک بار پھر آپ کا آپریشن ہوا۔ چند دن اور گزرے۔ لیکن بیماری اپنی جگہ پر رہی۔ بلکہ اس کا روز بروز غلبہ ہوتا چلا گیا۔ محاورۃً نہیں بلکہ حقیقتاً مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ ڈاکٹرز کا یہ کہنا تھا کہ اباجی کے گردے ناکارہ ہو چکے ہیں۔ وہ دن بدن کمزور ہوتے چلے گئے۔ بھائی جان انہیں اچھے سے اچھے ڈاکٹرز کے پاس لیکر جاتے۔ اچھے سے اچھا علاج کراتے، ہومیوپیتھی اور حکیمی طریقہ علاج بھی آزمایا۔ لیکن کم ہوتی اور گھٹتی ہوئی زندگی کے لئے دوا کارگر نہیں ہوتی۔

چند دن مزید گزرے تو ڈاکٹرز نے مشورہ دیا کہ اباجی کے dialysis ہونا ضروری ہیں۔ اباجی گھر تشریف لائے اور ساری تفصیل بتائی تو ہم سب گھر والے پریشان ہو گئے۔ اباجی بھی dialysis کے لئے تیار نہیں تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر ایک مرتبہ dialysis شروع ہو جائیں تو ہفتے میں دو مرتبہ ضرور کرانے پڑتے ہیں۔ اور اس کے بعد بھی زندگی کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی۔

13۔ جون 2001ء کو جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ صبح سے ہی اباجی کی طبیعت خراب تھی۔ امی جی نے اباجی کو وضو کرایا۔ صاف ستھرے کپڑے پہنائے۔ کمرے میں جائے نماز بچھا کر دی۔ آپ بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔ امی جی اور ہم بہنیں بھی صحن میں نماز پڑھنے لگیں۔ بھائی جان مسجد چلے گئے۔

بھائی جان نماز جمعہ ادا کر کے گھر آئے۔ تو دیکھا کہ اباجی جائے نماز پر ہی گرے پڑے ہیں۔ وہ اباجی کو بلانے لگے، پکارنے لگے: اباجی۔ اباجی۔۔ لیکن اباجی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بے ہوش ہو چکے تھے۔

Marfat.com

بھائی جان پریشان ہو گئے۔ ہم سب بہنوں کو بھی بلایا۔ اور ظہور انکل کو فون کیا۔ ساری صورت حال بتائی۔ بھائی جان، ظہور انکل اور امی جی اباجی کو PIMS اسلام آباد لیکر چلے گئے۔ ڈاکٹرز نے تفصیلی معائنہ کیا۔ اور کہا کہ اگر ان کے dialysis نہ ہوئے تو Coma میں چلے جائیں گے۔ اور پھر صورت حال قابو سے باہر ہو جائے گی۔

نصف شب کے وقت اباجی کے dialysis شروع ہوئے۔ لیکن آپ کی طبیعت خراب ہوتی چلی گئی۔ آپ کو سانس کی تکلیف بھی ساتھ ہی شروع ہو گئی۔ آپ موت کی دہلیز تک جا پہنچے۔ اس دوران میں بھائی جان نے گھر سے مسلسل رابطہ قائم رکھا۔ ہم سب بہنیں اور بھابی جان سخت پریشان تھیں۔ امی جی کو بھائی جان نے رات دس بجے کے لگ بھگ گھر بھیج دیا تھا تاکہ وہ گھر میں آرام کریں اور دعا کریں۔ ہم سب نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کی اور نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر، رو رو کر، اباجی کی صحت کے لئے دعائیں مانگیں۔ اللہ تعالیٰ نے اباجی کو صحت عطا فرمائی۔

19۔ جولائی 2001ء بروز جمعرات ڈاکٹرز نے اباجی کو "خوشخبری" سنائی کہ آج ہم آپ کو گھر بھیج دیں گے۔ اباجی بہت خوش ہوئے۔ اور جب تک ہسپتال سے فارغ کرنے کے مراحل طے ہوئے، اباجی بار بار بھائی جان سے پوچھتے: حفیظ! کس وقت ہم گھر جائیں گے؟ کتنی دیر یہاں رہنا پڑے گا........ اباجی چاہتے تھے کہ آپ کو پَر لگ جائیں اور وہ ہسپتال سے گھر پہنچ جائیں۔ بھائی جان نے ہسپتال سے گھر فون کیا کہ ہم لوگ آرہے ہیں۔ اس وقت ہم سب کی خوشی دیکھنے والی تھی۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ چند ہی لمحوں بعد گھر میں ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی۔ اور پھر اباجی گھر پہنچ گئے۔ انہیں اپنے قدموں سے گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر ہمیں یوں محسوس ہوا، جیسے ہم سب کو اللہ تعالیٰ نے ایک نئی زندگی دی ہے۔ اور ہم سب اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود ہو کر شکر ادا کر رہے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بار پھر خوشی کا دن دیکھنا نصیب کیا۔

اباجی نے dialysis سے پہلے تقریباً پانچ ماہ تک، کچھ بھی نہیں کھایا پیا تھا۔ اگر آپ کھانا کھانے کی کوشش کرتے، کوئی پھل کھاتے یا پانی وغیرہ پیتے، تو قے کر دیتے۔ dialysis کے بعد آپ نے تھوڑا تھوڑا کھانا پینا شروع کر دیا۔ اباجی کے لئے پرہیزی کھانا تیار ہونے لگا۔ اور ہمیں کئی ماہ بعد اباجی کو کھانا

Marfat.com

کھاتے ہوئے دیکھ کر اس قدر خوشی ہوئی کہ ہم اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے۔ لیکن ہمیں کیا معلوم تھا کہ یہ خوشی عارضی تھی۔

دن گزرنے لگے۔ اباجی کی صحت بھی گرتی چلی گئی۔ کیونکہ اب ڈاکٹرز نے، ہفتے میں دو مرتبہ اباجی کیلئے dialysis تجویز کئے تھے۔ اباجی کو ہفتے میں تقریباً دو مرتبہ dialysis کیلئے ہسپتال جانا پڑتا۔ 13۔جولائی 2001ء سے 11۔جنوری 2002ء تک اباجی کے بیالیس مرتبہ dialysis ہوئے۔ اسی دوران میں اباجی کا پہلی مرتبہ 18۔اگست 2001ء کو Fistula کے لئے آپریشن کیا گیا۔ یہ ناکام رہا۔ پھر 11۔ستمبر 2001ء کو دوبارہ Fistula کیلئے آپریشن کیا گیا۔ یہ بھی ناکام رہا۔ 3۔اکتوبر 2001ء کو Fistula removal کے لئے ایک اور آپریشن کیا گیا۔ یہ بھی ایک تکلیف دہ عمل تھا۔ جو تین مرتبہ دہرایا گیا۔ آپ کو خون کی بھی سخت کمی ہوگئی۔ آپ کے احباب نے مختلف اوقات میں 12 بوتلیں خون کی بطور عطیہ دیں۔ Fistula کی وجہ سے آپ کے بازو میں ایک گہرا زخم ہو گیا تھا۔ آپ کے دوست ڈاکٹر عاشق حسین کمال مہربانی سے روزانہ گھر تشریف لاتے۔ اور تین ماہ میں انہوں نے نہایت محنت سے اس زخم کو بھر دیا۔

17۔نومبر 2001ء کو رمضان المبارک 1422ھ کی یکم تاریخ تھی۔ اباجی کی زندگی میں یہ پہلا رمضان تھا، کہ آپ شدید علیل تھے۔ سحری کے وقت آپ سب کو جگاتے۔ امی جی تہجد سے فارغ ہو کر اباجی کو وضو کراتیں۔ اباجی بلند آواز میں نہایت پرسوز آواز میں کلمہ طیبہ پڑھتے۔ آیات کلام مجید کی تلاوت کرتے۔ ایک دن بھائی جان امی جی سے کہنے لگے کہ اباجی اتنے سوز و گداز سے کلمہ طیبہ پڑھتے اور آیات کلام مجید کی تلاوت کرتے ہیں کہ سُن کر بے ساختہ رونا آجاتا ہے۔

شام کے وقت ہم سب بہنیں اور بھابی جی کچن میں افطاری تیار کر رہی ہوتیں۔ تو اباجی کچن میں تشریف لے آتے۔ ہم ان کو کرسی پر بٹھاتے۔ فرماتے آپ سب کو اکٹھے کام کرتے دیکھ کر دل بہت خوش ہوتا ہے۔ اور پھر صحن میں چھوٹے بچوں کو کھیلتے دیکھ کر اپنے مخصوص انداز میں کہتے: بابا کے پیارے بچے کتنے پیارے لگ رہے ہیں.... خاص طور پر ہماری بڑی باجی زہرہ اور میرے لئے خوشی کے ساتھ کہتے: میری یہ

Marfat.com

بیٹیاں ماشاءاللہ کھانے بہت لذیذ بناتی ہیں۔

18۔رمضان المبارک 1422.ھ بمطابق 4دسمبر 2001.ءکو ابا جی کے مخالفین نے غنڈہ گردی، چمک دمک اور اثر ورسوخ کے ذریعے مسجد پر قبضہ کرلیا۔ جہاں آپ نے 50 برس مسلسل بغیر تنخواہ امامت و خطابت کے فرائض انجام دیئے تھے اور جہاں آپ کے والد محترم (ہمارے دادا جان) نے بھی 23 برس مسلسل بغیر تنخواہ امامت کی سعادت حاصل کی تھی؛ اب اس مسجد پر آپ کے مخالفین کا قبضہ تھا۔آپ کو اس بات کا بھی بہت شاق ہوا۔اور آپ کی صحت مزید متأثر ہوتی چلی گئی۔

شوال کا چاند نظر آیا۔تو آپ نے اپنے دل کے زخم چھپا کر ہم سب بہنوں، بھائی جان اور بچوں کو حسب سابق عیدالفطر کی تیاری کرنے کے لئے کہا۔صبح کے وقت آپ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ عیدالفطر کی نماز پڑھنے کے لئے فیصل مسجد اسلام آباد تشریف لائے جائیں گے۔آپ اپنے دوستوں کے ہمراہ فیصل مسجد تشریف لے گئے۔ بھائی جان بتاتے ہیں کہ اس دن ابا جی بہت خوش تھے۔وہاں چند بڑے علماء سے بھی ملاقات ہوئی اور فرمایا کہ اشاعت دین کا فریضہ انجام دینے کے لئے ضروری نہیں کہ مُبلّغِ اسلام مسجد کا امام وخطیب ہی ہو۔اس مقصد کے لئے دیگر پلیٹ فارم بھی ہیں۔ واپسی پر آپ کو، آپ کے ایک عقیدت مند، بابر بھائی، اپنے گھر لے گئے۔ وہاں کچھ دیر آپ ان کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوئے۔اس روز ابا جی بہت خوش اور اچھے لگ رہے تھے۔

عیدالفطر کے دوسرے روز حسب روایت ابا جی اور امی جی نے دیگر بہنوں کی پر تکلف دعوت کی۔ کھانے کے بعد بھائی جان اور ظہور انکل، ابا جی کو dialysis کے لئے ہسپتال لے گئے۔عیدالفطر کی اس گہما گہمی کے ساتھ ساتھ dialysis کا عمل بھی ایک بار پھر شروع ہو گیا۔

11۔جنوری 2002.ء/26۔شوال المکرّم 1422ھ کو تقریباً پونے دو برس زندگی اور موت کی یہ جنگ لڑنے اور کروڑوں پتی سرمایہ داروں اور جنونی کافرگروں سے آٹھ سال نبرد آزما رہنے کے بعد ابا جی ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ان کے ساتھ ہماری امی جی بھی ہمارا ساتھ چھوڑ گئیں۔ وہ پونے دو سال ابا جی کے ساتھ سائے کی طرح رہیں۔آپ کی خدمت کرتی رہیں۔انہیں یہ بھی گوارا نہ تھا۔ کہ

Marfat.com

ہمارے ابا جی سفر آخرت میں بھی اکیلے جائیں۔

ابا جی اور امی جی نے تو اکٹھے دائمی زندگی کا سفر اختیار کر لیا، لیکن ہمیں اکیلا چھوڑ گئے۔

اب ان سے میدان حشر میں ملاقات ہوگی۔

وہ اس دنیا میں اپنا مقررہ وقت گزار کر کامیاب و کامران اللہ کے حضور حاضر ہو گئے۔ تاہم ان کا خلا صدیوں محسوس کیا جاتا رہے گا۔

وہ اپنی حیات مستعار میں بامقصد نظریئے کے ساتھ جیئے۔ وہ خودداری اور وقار کے ساتھ زندہ رہے۔ وہ سچے مسلمانوں کی پاکیزہ زندگی کے مثالی نمائندے تھے۔ وہ دلیر، بہادر، شجاع، اور سچے مسلمان تھے۔ زمانہ گواہ ہے کہ وہ بزبان خود ان اشعار کی عملی تفسیر تھے:

منہ چھپا کے جیئے ہم نہ سر جھکا کے جیئے
ستمگروں کی نظر سے نظر ملا کے جیئے
اب ایک رات اگر کم جیئے تو کم ہی سہی
یہی بہت ہے کہ ہم مشعلیں جلا کے جیئے

اسیر تحریک نظام مصطفیٰ، حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کا والا نامہ

"یہاں بے شمار لوگ ہیں۔ اور ایک وسیع چار دیواری میں اکثر گھومتے رہتے ہیں۔ امی کو کہنا کہ کوئی فکر نہ کریں۔ یہ ہمارے لئے باعثِ افتخار ہے۔ کہ ہم کو دینِ اسلام کے نفاذ کے لئے (جدوجہد پر) یہاں لایا گیا ہے۔ کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ سب بہتر کرے گا۔...... ہم کوئی جرم کر کے یہاں نہیں لائے گئے۔ بلکہ ایک اعلیٰ مقصد کے لئے یہاں لائے گئے ہیں۔ جو کہ ہمارا اعزاز ہے۔"

ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی

۱۳۔ اپریل ۱۹۷۷ء

Marfat.com

صدیوں کا خلا

خامہ اثر

نورین حفیظ

''ابا جی ذاتی و مجلسی زندگی میں بہت شفیق، ہمدرد، مہمان نواز، دوسروں کا احترام کرنے والے اور سب کا بھلا چاہنے والے تھے۔ وہ ہم سب کو توحید، رسالت، ختم نبوت اور صحابۂ کرامؓ کے بارے میں معلومات فراہم کرتے۔ سبق آموز واقعات سناتے اور اچھے کام کرنے کے لئے کہتے۔''

مجھے اس گھر میں آئے ہوئے سات سال اور چند ماہ ہوئے ہیں۔ ہماری شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی تھی اور ہر ایک نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا تھا۔ میرے محترم سسر اور ساس صاحبہ، جنہیں میں ابا جی اور امی جی کہا کرتی تھی؛ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ ابا جی کہا کرتے تھے کہ: تم میری بہو نہیں بلکہ بیٹی کی طرح ہو۔ اور وقت نے ثابت کر دیا کہ وہ قول کے سچے تھے اور انہوں نے حقیقتاً مجھے بیٹیوں کا ہی پیار دیا۔

جب میں اپنے والدین سے رخصت ہو کر اس گھر میں آئی۔ تو مجھے اتنی محبت ملی کہ میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔ گویا دو مہربان اور شفیق ہستیاں کب سے میری منتظر تھیں۔ خاص طور پر جب ابا جی نے میرے سر پر پیار اور شفقت کا ہاتھ رکھا تو میرے ذہن سے اپنے والدین کی یادیں بھی کچھ کچھ مدہم ہو گئیں۔ اسی طرح ''ان'' کی سب بہنوں نے بھی مجھے اس گھر میں adjust ہونے میں بھرپور تعاون کیا۔ اور مجھے کسی بھی قسم کی کوئی بھی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ اور بہت جلد یوں محسوس ہونے لگا جیسے ایک طویل عرصے سے میں اس گھر میں رہ رہی

Marfat.com

ہوں۔

یہاں میں نے دیکھا کہ ابا جی صبح سویرے سے رات گئے تک اپنے کاموں میں مصروف رہتے۔ درمیان میں صرف نماز کے لئے یا پھر دن کا کھانا کھانے کے لئے یا گھر کی ضروریات کی خریداری کے لئے وقفہ کرتے۔ انہیں اس طرح مسلسل کام کرتے دیکھ کر مجھے بہت حیرت ہوتی تھی۔ اور میں سوچا کرتی تھی کہ ابا جی اس قدر کام کس طرح کر لیتے ہیں۔

ابا جی بہت اچھے خوش نویس تھے۔ خوشنویسی انکا ذریعۂ معاش تھا۔ وہ خوشنویسی کے ذریعے ہمارے لئے رزق حلال کماتے تھے۔ انہوں نے بہت سی زبانوں میں کتابت کی۔ اور ہمیں فخر ہے کہ آج ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی سینکڑوں کتابیں اور دیگر نوادرات، ہزاروں کتابوں پر مشتمل ہماری لائبریری کی زینت ہیں۔

ابا جی کا معمول تھا کہ وہ مغرب تک کتابت کرتے۔ اور مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد عشاء تک درسِ قرآن کریم کی تیاری کرتے۔ وہ درسِ قرآن کے لئے اس قدر خلوص ومحبت اور لگن ومحنت سے تیاری کرتے کہ محسوس ہوتا کہ وہ زندگی کے نہایت اہم کام میں مشغول ہیں۔ وہ ہر روز عشاء کی نماز کے بعد مسجد میں فہم قرآن سے شغف رکھنے والے حضرات کو درسِ قرآن دیتے۔ انہوں نے اپنے احباب کے اصرار پر کچھ عرصہ خواتین کو بھی مسجد میں نماز جمعہ کے بعد درسِ قرآن کریم دیا۔ مجھے بھی ان دروس میں شریک ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان کے لہجے میں اس قدر مٹھاس تھی کہ سننے والا متأثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ وہ ایک ایک لفظ کو اس قدر تفصیل، گہرائی اور سادہ انداز میں بیان فرماتے کہ ایک ایک لفظ آسانی سے سمجھ آجاتا اور جی چاہتا کہ بس سنتے ہی چلے جائیں۔ ہمیں اُن لوگوں پر بڑی حیرت ہوتی کہ جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن ایک مشکل کتاب ہے اور اسے سمجھنا کوئی آسان کام نہیں۔ حالانکہ ابا جی کو سننے کے بعد ایسا کچھ محسوس نہ ہوتا۔ اور ان سب لوگوں کی باتیں بے معنی لگتیں۔

اور پھر ابا جی بیمار ہو گئے۔ اور ان کی بیماری کے باعث درسِ قرآن کریم کا یہ مفید سلسلہ زیادہ عرصہ جاری نہ رہ سکا، جس کا ہم سب کو تمام عمر افسوس رہے گا۔

ابا جی بہت ہی صابر اور شاکر انسان تھے۔ انہوں نے شدید تکلیف اور بیماری کے باوجود کبھی اف تک نہ کی۔ اور اپنی بیماری کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جس زمین وآسمان کے مالک نے اتنی تکلیف دی

Marfat.com

ہے، وہی ان تکالیف کو دور بھی کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اتنی ہی آزمائش دیتا ہے، جتنی کہ وہ برداشت کرسکیں۔

اس گھر کی ایک روایت مجھے بہت اچھی لگی کہ سب ایک ہی جگہ بیٹھ کر اکٹھے کھانا کھاتے ہیں۔ ابا جی اور امی جی اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے، جب تک گھر میں موجود سب افراد کھانے کی ٹیبل پر نہ آجائیں۔ ان دنوں جب ابا جی شدید علیل تھے اور اپنی تکلیف کے باعث کچھ کھا پی بھی نہیں سکتے تھے، اس کے باوجود سب کے ساتھ کھانے کی ٹیبل پر ضرور بیٹھتے۔ اور سب سے باری باری اُن کی سارے دن کی مصروفیات کے بارے میں پوچھتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ ابا جی کو، اسی دوران سخت تکلیف شروع ہو جاتی لیکن وہ بہت حوصلے اور ہمت کے ساتھ اپنی تکلیف کو چھپانے کی کوشش کرتے۔ اور آرام سے کھانے والے ٹیبل سے اٹھ جاتے اور فرماتے کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم سب آرام سے کھانا کھاؤ۔ ابا جی اپنے عصا کے سہارے مضبوطی سے کھڑے ہو جاتے اور اف تک نہ کرتے۔ لیکن ان کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہوتا کہ ان لمحوں میں وہ نہایت ہی تکلیف میں ہیں۔ اس وقت ہم سب کو بھی بہت تکلیف اور دکھ ہوتا۔ اور ہم سب اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتے کہ ہم ان تکلیف دہ لمحوں میں ان کے لئے کچھ نہیں سکتے۔

ابا جی بہت بڑے عالم تھے۔ ان کے پاس علم کا خزانہ تھا۔ دینی علم ہو یا دنیاوی، وہ بہت سے علوم پر اتھارٹی تھے۔ وہ کتاب سے بہت محبت کرتے تھے، ان کی ذاتی لائبریری میں ہزاروں کتابیں تھیں۔ خاص طور پر قرآن کریم کے بے شمار ملکوں کے بے شمار زبانوں میں تراجم کے ساتھ طبع شدہ نسخے ان کے پاس موجود تھے۔ احادیث کی تمام کتب کے مکمل سیٹ، سیرت النبیؐ، احوال صحابہ کرامؓ، فقہ، تاریخ، سیاسیات، سوانح، سفرنامے، معاشیات، سماجیات اور دیگر بہت سے علوم وفنون پر ہزاروں کتابیں ان کے کتب خانے میں ان کے علمی ذوق کی گواہ ہیں۔ وہ ہر وقت کتاب پڑھنے یا کتاب کتابت کرنے میں مشغول رہتے۔ اور اپنی لائبریری کی تقریباً تمام کتابیں انہوں نے حرفاً حرفاً پڑھیں اور ان کے زیر مطالعہ رہیں۔ وہ ہم سب کو بھی تلقین کرتے کہ ان کتابوں کا مطالعہ کیا کرو۔

قرآن کا ایک مسئلہ بیان کرنے پر کچھ "مخصوص علماء" نے جس قدر مخالفت کی، اُس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے ایسے واقعات صرف کتابوں میں ہی پڑھے تھے۔ لیکن ابا جی نے جس استقامت کا مظاہرہ کیا وہ

Marfat.com

بھی قابل تحسین ہے آپ اپنی بات کے سچا ہونے پر مطمئن تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے ساتھ قرآن کی تائید ہے۔ اس لئے مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔

ابا جی ذاتی اور مجلسی زندگی میں بہت شفیق، ہمدرد، مہمان نواز، دوسروں کا احترام کرنے والے اور سب کا بھلا چاہنے والے تھے۔ وہ ہم سب کو توحید، رسالت، ختم نبوت اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں معلومات فراہم کرتے۔ سبق آموز واقعات سناتے اور اچھے کام کرنے کے لئے کہتے۔

ابا جی کی طرح امی جی بھی بہت بہادر اور نڈر تھیں۔ امی جی کو اکثر سانس کی تکلیف رہتی تھی۔ اور وہ دل کی بیماری میں بھی مبتلا تھیں۔ لیکن وہ نارمل لوگوں کی طرح رہتی تھیں، جیسے انہیں کوئی بیماری ہے ہی نہیں۔

امی جی نے بھی مجھے بہت محبت دی۔ قدم قدم پر میری رہنمائی کی۔ زندگی کے نشیب وفراز سے آگاہ کیا۔ اپنی حقیقی بیٹیوں کی طرح چاہا اور ہمیشہ میری بہتری کے لئے ہی سوچا۔

ابا جی اور امی جی جس طرح اچانک ہم سے جدا ہوئے اس کا تو ہم نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اب ان کے بغیر زندگی بے کیف سی محسوس ہوتی ہے۔ ہر لمحہ اداس اور ہر ساعت ویران ہوتی ہے۔ اور ان کے بغیر گھر خالی خالی لگتا ہے۔

یہ خلا کبھی پر نہ ہوگا۔

یہ صدیوں کا خلا ہے۔

ایسے لوگ تو صدیوں بعد کہیں پیدا ہوتے ہیں۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ (آل عمران ۱۹۴)

اے پروردگار! تو نے جن جن چیزوں کے ہم سے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے وعدے کئے ہیں، وہ ہمیں عطا فرما۔ اور قیامت کے دن ہمیں رُسوا نہ کیجیو کچھ شک نہیں کہ تو خلافِ وعدہ نہیں کرتا۔

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا انداز خطابت

Marfat.com

میرے

بابا جانی اور نانو جانی

خامۂ اثر

نور العین
(کلاس نہم)

''تمام تر محبتوں کے باوجود، ان کے بغیر یہ گھر ویران سا لگتا ہے۔ بالکل ایسے ہی، جس طرح کوئی پھول بغیر خوشبو کے ہو۔ ان کے ساتھ گزرے ہوئے حسین لمحات اب صرف یادیں بن کر ہمارے ساتھ رہ گئے ہیں''

جب کوئی بچہ اس دنیا میں آتا ہے۔ تو وہ جس کو بھی اپنے زیادہ قریب محسوس کرتا ہے؛ اس سے مانوس ہو جاتا ہے۔ جب میں نے اس دنیا میں پہلی آنکھ کھولی اور ذرا ذرا سوچنے سمجھنے لگی تو میں نے اپنے سب سے زیادہ قریب اپنے بابا جانی اور نانو جانی کو پایا۔ یہ دونوں ہستیاں بہت زیادہ پیار کرنے والی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں چھوٹی سی ہوتی تھی تو نانو جانی مجھے ہاتھوں میں اٹھا کر اپنے گھر لے جایا کرتی تھیں۔ جب وہ دھوپ میں سے گزرتیں تو مجھے اپنے برقعے کے اندر چھپا لیتیں تا کہ مجھے دھوپ نہ لگے۔ پھر وہ مجھے اپنے ہاتھوں سے تیار کرتیں، اور زیادہ وقت اپنے گھر میں رکھتیں۔ یوں میرا زیادہ وقت، ان کے گھر، ان کے ساتھ گزرتا۔

میرے بابا جانی، ہم سب بچوں کو پیار سے ''بابا کے پیارے بچے'' کہہ کر پکارتے۔ وہ بچوں میں سب سے زیادہ میرے ساتھ پیار کرتے تھے۔ کیونکہ میں ان کے نواسوں، نواسیوں اور پوتے پوتی میں سب سے بڑی تھی۔ وہ پیار سے میرا پورا نام لے کر پکارتے۔ وہ ہم سب کو تفریحی مقامات پر سیر کرانے کے لئے لیکر

Marfat.com

جاتے۔ ہمیں آئس کریم لیکر دیتے۔ چاٹ کھلاتے۔ ہم جس چیز کی بھی فرمائش کرتے، وہ ہمیں لے کر دیتے۔ بابا جانی کہا کرتے تھے کہ زندگی کو اچھی طرح بسر کرو۔ خوشی کے ساتھ۔ اور وہ ساتھ ہی ساتھ ہمیں نماز پڑھنے کی بھی تلقین کرتے۔ وہ ہمیں سچائی اور ایمانداری کا بھی درس دیتے۔ اور جھوٹ سے بچنے کے لئے کہتے۔

بابا جانی جب اپنے کمرے میں بیٹھ کر خطاطی کرتے، تو میں ان کے پاس جا کر بیٹھ جاتی۔ وہ میرے ساتھ اچھی اچھی میٹھی میٹھی باتیں کرتے۔ میں ان کو خطاطی کرتے ہوئے دیکھتی تو وہ بہت خوش ہوتے۔ وہ ہم سب بچوں کو اسلام کے بارے میں بتاتے۔ اور اسلام کی باتوں پر عمل کرنے کی تلقین کرتے۔

میرے بابا جانی ایک عالم دین تھے۔ اور جب بھی کسی عظیم اور مثالی انسان کا تصور ہمارے ذہن میں ابھرتا ہے۔ تو ہماری آنکھوں کے سامنے بابا جانی کا نورانی چہرہ آجاتا ہے۔ بابا جانی دینی اور دنیوی دونوں زندگیوں کے ساتھ چلنا جانتے تھے۔ انہوں نے ہمیشہ قرآن وسنت کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ اور انہوں نے اپنی جوانی مسجد الفاروقؓ کی خدمت میں گزار دی۔ اس عمر میں انسان صرف دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے۔ لیکن میرے بابا جانی نے دین اور دنیا دونوں کو نبھایا۔

بابا جانی مسجد میں خواتین کو بھی درس دیتے۔ اس کے لئے انہوں نے جمعے کا دن مخصوص کر رکھا تھا۔ وہ ایک آیت تختۂ سیاہ پر لکھ دیتے تھے۔ اور پھر اس کو **explain** کرتے۔ اتنے آسان اور سادہ الفاظ میں کہ وہ ہر کسی کے دل میں اتر جاتی اور ہر کسی کو اس آیت کا مطلب سمجھ میں آجاتا۔

کہتے ہیں کہ کسی بھی کامیاب مرد کے پیچھے کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اسی طرح بابا جانی کی کامیاب زندگی کے پیچھے بھی ہماری نانو جانی کی دعائیں تھیں۔ نانو جانی، بابا جانی کی ہمت بڑھاتیں اور حوصلہ دیتی تھیں۔

ہماری نانو جانی بھی ایک عظیم خاتون تھیں، جو کوئی بھی خاتون ان سے پہلی بار ملاقات کرتی، وہ ان کی گرویدہ ہو جاتی۔ اور بار بار ان سے ملاقات کی خواہش کرتی۔ اسی لئے بہت سی خواتین نانو جانی سے ملنے کے لئے آتیں۔ اور ان کے گھر رونق رہتی۔ وہ ہر ایک کے ساتھ اچھے طریقے سے ملتیں۔ وہ ہر ایک کی خوشی

Marfat.com

اور غمی میں شریک ہوتیں۔اور جب وہ اپنی سہیلیوں کے گھر جاتیں تو بعض اوقات مجھے بھی اپنے ساتھ لے کر جاتیں۔وہ بعض مواقع پر خواتین کو اسلام کے بارے میں بھی بتاتیں۔اور یہ بھی کہتیں کہ شرک بُری چیز ہے اور بدعتوں سے بچنا چاہئے۔

غرض بابا جانی اور نانو جانی دونوں علم اور محبت کا نشان تھے۔جن سے ہر کوئی مستفید ہو رہا تھا۔

پھر کیا ہوا کہ میرے بابا جانی اور نانو جانی کے گھرانے کو خوشیوں کے بجائے پریشانیوں نے آن گھیرا۔ بابا جانی کو گردوں کی problem ہوگئی۔اس قدر تکلیف دہ بیماری کا انہوں نے اتنی زیادہ ہمت کے ساتھ مقابلہ کیا کہ دنیا حیران رہ گئی۔اس دوران نانو جانی نے ان کی بہت خدمت کی۔اور ان کا ہر طرح سے خیال رکھا۔

اپنی اس بیماری میں بھی بابا جانی سب بچوں سے پہلے کی طرح ہی پیار کرتے رہے۔ہم سب ان کے لئے دعا کرتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی محبت اور شفقت کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔لیکن ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے۔

بابا جانی کی طبیعت روز بروز خراب ہوتی گئی۔یہاں تک کہ ان کے dialysis شروع ہو گئے۔ ایک ہفتے میں دو بار ان کے dialysis ہوتے۔انہیں بہت زیادہ تکلیف ہوتی۔مگر وہ پھر بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے۔ان سارے حالات میں نانو جانی نے ان کا مکمل ساتھ دیا۔بابا جانی کے ساتھ وہ ہر دفعہ ہسپتال جاتیں اور ان کی ہمت بڑھاتیں۔بابا جانی اور نانو جانی کو ہم ہسپتال جاتے اور واپس آتے ہوئے دیکھتے۔یہ سب مناظر اب بھی میرے ذہن میں آتے ہیں تو ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

مگر ہمیں کیا معلوم تھا کہ نانو جانی جن کی ہمت بڑھاتی ہیں اور جن کو حوصلہ دیتی ہیں،خود بھی ان ہی کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سب کو چھوڑ کر چلی جائیں گی۔

یہ 11۔جنوری 2002ء کی بات ہے۔جمعۃ المبارک کو صبح دو بجے ہمارے سروں سے بابا جانی اور نانو جانی،دونوں کا سایہ،کچھ ہی دیر میں،اٹھ گیا۔یہ رات ہمارے لئے قیامت سے کم نہ تھی۔

بابا جانی اور نانو جانی، ہم سب کو ہمیشہ کیلئے روتا ہوا چھوڑ کر چلے گئے۔ مگر اپنے پیچھے اپنی ایسی بے شمار خوبصورت یادیں چھوڑ گئے، جو ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں گی۔ اب بھی اگر کوئی خوشی یا غم کا موقع ہو تو ان کی یاد شدت سے محسوس ہوتی ہے۔

آج اگر چہ بابا جانی اور نانو جانی اللہ میاں کے ہاں پہنچ چکے ہیں۔ لیکن محسوس یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر لمحے ہمارے ساتھ ہیں۔ ہماری خوشیوں میں شریک ہیں۔ ہماری پریشانیوں پر اداس ہیں۔ اب بھی ان کی وہی پیار کرنے کی لذت محسوس ہوتی ہے۔ ان کا شفقت آمیز لہجے میں بلانے کا انداز بھی یاد آتا ہے۔ ان کا "بابا کے پیارے بچے" کہنا ہمارے ذہن میں اسی طرح تازہ ہے؛ جس طرح یہ اب سے چند لمحے پہلے کی بات ہو۔

میں اب بھی بابا جانی اور نانو جانی کے گھر آتی ہوں۔ زیادہ وقت یہیں رہتی ہوں۔ لیکن تمام تر محبتوں کے باوجود، ان کے بغیر یہ گھر ویران سا لگتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جس طرح کوئی پھول بغیر خوشبو کے ہو۔ ان کے ساتھ گزرے ہوئے حسین لمحات اب صرف یادیں بن کر ہمارے ساتھ رہ گئے ہیں۔

بابا جانی! نانو جانی!

میں آپ کی بہت زیادہ کمی محسوس کرتی ہوں!

☆

اسیر تحریک نظام مصطفیٰ، حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کا والا نامہ

"گذرا ہوا وقت خواب معلوم ہوتا ہے۔ اگر چہ آنے والا وقت ذرا طویل معلوم ہوتا ہے۔ اور گذرنے کے بعد خواب۔"

ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی

۱۸۔ اپریل ۱۹۷۷ء

بوقت ساڑھے تین بجے دن

ایک عظیم مسلمان

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

کا

سوادِ تحریر

Marfat.com

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

نصف صدی تک جہالت کی تاریکیوں میں، ایمان کی مشعل روشن کیے رہے۔ وہ ظلم و کفر اور منافقت و ریاکاری کے خلاف نہایت جرأت سے، تکبیر مسلسل کا سرنامہ بن کر تاریخ میں امر ہو گئے۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

(شروع ساتھ نام اللہ کے رحمت والے مہربان)

بِسْمِ اللّٰہِ : اصل میں بِ - اِسْمِ ہے - بِ حرف جار ہے (یعنی زیر دینے والا) اس بِ کو باءِ استعانت (یعنی مدد مانگنا) بھی کہتے ہیں - اِسْمِ کے میم کے نیچے زیر آنے کی وجہ بِ ہے

اِسْمِ کہتے ہیں نام کو - اِسْمِ مجرور ہے[1] - مضاف - اَللّٰہُ لفظ الجلالۃ اللہ تعالیٰ کا اسم ذاتی ہے

مضاف الیہ[2] - مضاف الیہ کے نیچے زیر آتی ہے جیسے اَللّٰہِ ہے

اَلرَّحْمٰنِ : بڑا مہربان - بڑا بخشنے والا) اللہ تعالیٰ اسم صفاتی ہے - اَلرَّحْمٰن : چونکہ اس لفظ کے معنی بجز ذات باری کے اور کسی پر صادق نہیں آتے - کیونکہ اس کی رحمت سب پر عام ہے اس لئے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے لئے اس لفظ کا استعمال نہیں ہوتا - اگر کسی کا نام عبدالرحمٰن ہے تو پورا نام ہی بلایا جانا چاہیئے -

اَلرَّحِیْمِ : (بڑا مہربان - نہایت رحم والا) رَحْمَۃٌ سے مبالغہ کا صیغہ ہے جمع رُحَمَآء - اسماء الحسنیٰ میں سے ہے - اس کا استعمال غیر کے لئے بھی ہوتا ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن حکیم میں رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ کہا گیا ہے -

اَلرَّحْمٰنِ لفظ الجلالۃ اللّٰہ کی صفت[3] یا نعت (تعریف) اوّل ہے اور اَلرَّحِیْمِ صفت ثانی ہے

اَلرَّحْمٰنِ اور اَلرَّحِیْمِ دونوں (رَحِمَ یَرْحَمُ رَحْمَۃً) سے مبالغہ کے صیغے ہیں -

---

[1] عربی میں جرّ زیر کو کہتے ہیں - جار زیر دینے والا اور جس پر حرف جار آئے اسے مجرور کہتے ہیں -

[2] مضاف اور مضاف الیہ، مضاف وہ اسم ہے جو کسی دوسرے اسم کی طرف منسوب کیا جائے - مضاف الیہ وہ اسم ہے جس کی طرف دوسرا اسم منسوب کیا جائے جیسے بِسْمِ اللّٰہِ - بِ حرف جار ہے اِسْمِ مجرور مضاف اور اللّٰہِ مضاف الیہ - عربی میں مضاف ہمیشہ پہلے آتا ہے اور مضاف الیہ بعد میں - اردو میں مضاف الیہ پہلے آتا ہے اور مضاف بعد میں - مضاف الیہ پر ہمیشہ الف لام آتا ہے - بلکہ یہی لفظ ہے -

[3] صفت و موصوف : صفت وہ اسم ہے جس سے کسی چیز کی خصوصیت معلوم ہو - موصوف وہ اسم ہے جس کی تعریف کی جائے

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عمر عزیز کے آخری ایام میں قرآن کریم کی تفسیر لکھنی شروع کی تھی، ابتدائی صفحات میں سے ایک ورق

Marfat.com

مولوی عبدالعزیز خوشنویس

خطیب مسجد "الفاروق" محلہ سلطانپورہ
راولپنڈی

- قرآن کے لاکھوں حافظ
- بچے، بوڑھے اور عورتیں حافظ
- تورات و انجیل کے حافظ نہیں
- پوپ بھی حافظ انجیل نہیں
- عربی ہماری مادری زبان نہیں ــ پھر بھی حافظ
- مادرزاد نابینا بھی حافظ
- مصنف یا شاعر کو اپنی کتاب یا دیوان بھی یاد نہیں

لیکن قرآن....

- قرآن، کاغذ، پریس کا محتاج نہیں
- سینوں میں محفوظ کتاب
- باقی کتب وسائل کی محتاج ہیں

- لفظ قرآن : قرآن میں ۶۸ مقامات پر
- ذکر یعنی قرآن : ۲۲ مقامات پر
- الکتاب : ۲۳۰ مرتبہ قرآن میں آیا ہے
  تورات، انجیل اور قرآن کے متعلق
- معنی قرآن : پڑھا جانے والا ـ تلاوت کیا جانے والا ـ کلام اللہ
- کل صحیفے یعنی سورتیں : ۱۱۴ ــ مکی ۸۸ ـ مدنی ۲۶
  رکوع ۵۴۰ ــ آیات ۶۶۶۶
- پہلی اور آخری سورہ اور آیات
- جنگ یمامہ اور کتابت قرآن مجید
- صاحب قرآن ــ جامع قرآن ــ ناشر قرآن ــ اعراب قرآن
- لوح محفوظ سے لیلۃ القدر میں نزول، آسمانِ اول پر
- ۲۳ سال میں پورے قرآن کا نزول

- لیلۃ القدر کی عظمت، قرآن کی وجہ سے
- ماہ رمضان کا شرف، قرآن کی وجہ سے
- روزے رکھنا، قرآن کو خراج تحسین
- روزے شکرانہ، نزول قرآن
- رمضان سالگرہ قرآن (یاد منانا)

- حضور کے بے شمار معجزات
- قرآن حضور کا ایک عظیم معجزہ (دائمی معجزہ)
- اگر ہم اسکو پہاڑوں پر اتارتے
  لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا
- حضور قرآن کی عملی تفسیر تھے
  لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

قرآن کریم کے حوالے سے چند معلومات، حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے۔

تقریر جمعہ: اسلام ۲۵ جون ۱۹۹۰ء

حضورؐ کی زندگی کے تین دور

نزولِ قرآن کے دو دور

مکی سورتیں ۸۶ مدنی سورتیں ۲۸

نبیوں کا خطاب اپنی اپنی قوموں کو

حضورؐ کا خطاب دنیا کو

نوحؑ - لقد ارسلنا نوحًا الیٰ قومہ فقال یٰقوم
اعبدوا اللہ ما لکم من الٰہٍ غیرہ

ھودؑ - و الیٰ عادٍ اخاھم ھودًا قال یٰقوم ...... غیرہ

صالحؑ - و الیٰ ثمود اخاھم صالحًا قال یٰقوم

ابراھیمؑ - اذ قال لابیہ و قومہ ما ھٰذہ التماثیل

لوطؑ - و لوطًا اذ قال لقومہ اتاتون الفاحشۃ
ما سبقکم بھا من احدٍ من العالمین

شعیبًا - و الیٰ مدین اخاھم شعیبًا قال یٰقوم

موسیٰؑ - ثم بعثنا من بعدھم موسیٰ بآیٰتنا الیٰ فرعون و ملائہ
فظلموا بھا فانظر کیف کان عاقبۃ المفسدین
و اذ قال موسیٰ یٰفرعون انی رسول من رب العالمین

عیسیٰؑ - و اذ قال عیسیٰ ابن مریم یٰبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم

یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم ...

محمد رسول اللہ - قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا

الاعراف : ۱۵۸

پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض دیگر انبیاء کرامؑ کے بارے میں، جمعۃ المبارک کے خطبہ کے لئے
''اشارات'' حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے۔

Marfat.com

قرآن شریف میں مختلف مضامین کا ذکر

- ۱ - ابتداء ہی سے رشد پر
- ۲ - بعثت کے بعد اذ قال لابیہ یا ابت (انبیاء)
- ۳ - باپ اور قوم کے سامنے دلائل توحید واضح
- ۴ - ستارے، چاند اور سورج کی مثالیں (کو اکب سماء) (انعام)
- ۵ - بتوں کو توڑنا - (انبیاء - الصافات)
- ۶ - نمرود سے بات چیت، اعلان توحید
- ۷ - نار کا گلزار ہو جانا
- ۸ - ہجرت - قال انی ذاھب الی ربی سیھدین
- ۸ - چارہ ہجرت کا فاخرہ - ان عثمان اول مہاجر بالعائلہ بعد لوط
- ۹ - اسماعیل کی پیدائش - دعائیں - سیدہ ہاجرہ کا ذکر
- ۱۰ - اسحاق - فرشتے انسانی صورت میں مہمان ہوئے
- ۱۱ - وادی غیر ذی زرع کا ذکر - اسماعیل و ہاجرہ
- ۱۲ - ذبح عظیم
- ۱۳ - تعمیر کعبہ - تعمیر کعبہ، دعائیں
- ۱۴ - اے اللہ مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟
- ۱۵ - باپ کے لیے مغفرت کی دعا کریں
- ۱۶ - ابراہیم ...

- قرآن شریف میں ذکر ابراہیم مختلف انداز میں
- ۲۵ سورتوں میں ذکر - ۱۱۰ بار
- نسب ابراہیم، سام بن نوح
- نسب ۹ پشت اوپر نوح تک؟
- بعثت ابراہیم قبل مسیح دو ہزار سال
- آج سے تقریباً چار ہزار سال قبل
- آزر یا تارخ کی بحث؟
- آزر عبرانی لفظ، معنی: محب صنم
- آزر مقرب نمرود - دارو غہ بیت الاصنام
- آزر نجاری کے کام کا ماہر (انجینئر بڑھئی)
- آزر کے تین بیٹے ۱۔ ابراہیم ۲۔ ہاران ۳۔ ناحور
- ہاران کے بیٹے لوط پیغمبر تھے
- پیدائش عراق (بابل) شہر فاروہ - قصبہ اُور
- بعثت ابراہیم کے بعد جدوجہد

تین امتحان: ۱۔ نار گلزار ۲۔ وادی غیر ذی زرع ۳۔ ذبح عظیم

- ہجرت - قصبہ اُور، مقام آرام سے ہجرت
- کلدانیین - حران - فلسطین -
- نابلس - مصر، پھر فلسطین میں قیام
- ہاجرہ مصری سے نکاح - رقیون شاہ مصر
- مصر والوں سے اچھا برتاؤ کرنے کا حکم
- ہاجرہ کا معنی - ہاجرہ یا ہاغار عبرانی
- بیگانہ - اجنبی - جدا ہونے والی -
- رب ھب لی من الصالحین کی دعائیں
- اسماعیل یا شماع ایل - معنی اسماعیل
- [عند بیتک المحرم] بیت اللہ کے قریب آب زمزم کے پاس چھوڑ کر چلے جانا
- ہاجرہ کا آواز دینا - ابراہیم کا جواب دینا
- ایک ٹیلے پر چڑھ کر دعائیں، ابراہیم کی
- ہاجرہ سے پانی اور کھجوریں ختم ہو گئیں
- سعی بین الصفا اور مروہ سات چکر
- تھوڑا سا پانی ہے
- زمزم، معنی زمزم
- قبیلہ جرہم کی آمد - آبادی مکہ
- ابراہیم کا مسلسل آنا جانا

- حضرت اسماعیل کی شادی - ابراہیم کا آنا - دروازے کی چوکھٹ
- معمار و مزدور - بنائے کعبہ (بیت المعمور) - پانچ دفعہ تعمیر - اول گھر - وہ دنیا میں سب سے پہلے خدا کا گھر، خلیل کی معمار تھا جس نے بنایا
- "الی المسجد الحرام" کا خطاب - بکۃ مبارکا - عند بیتک المحرم
- بلد امن - ہر قسم کا رزق - فتح مکہ اور اعلان امن
- بیت اللہ میں ایک نماز اور ثواب - دیوانہ وار لوگوں کی آمد
- حج دنیا کی قوموں کا مرکز - عظیم مرکز مساوات
- عظیم اجتماع - حج اور اللہ گناہوں کی معافی

چند یادگاریں

- قربانی - قرآن میں ذکر - انی اری فی المنام
- قربانی سنت ابیکم ابراہیم
- زمزم ٹھہر جا
- رمی جمار
- سعی بین الصفا والمروہ
- حجر اسود کو بوسہ دینا - حضرت عمر کا ارشاد
- میدان عرفات - حضور کا خطبہ حجۃ الوداع
- مقام ابراہیم ...

- تین دن چار بکرے یونہی کا حرم
- منیٰ میں قربانی ایک یادگار
- [قربانی کا خون زمین پر گرنے سے قبل اللہ کے حضور پیش کر لیا جاتا ہے]
- [گوشت اور چمڑا اللہ کے ہاں نہیں بلکہ جو تمہارے دلوں میں ہے]
- سب سے اچھا عمل - قربانی

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا سواد تحریر؛ عیدالاضحیٰ اور حج کے حوالے سے ایک تقریر کے لئے نوٹس کا عکس

Marfat.com

- قوم بنی اسرائیل (یہود) موسیٰؑ کے ذریعہ آزادی ملی
- قوم عمالقہ - جالوت - تابوت سکینہ چھین کر لے گئے
- الیسعؑ - طالوت؟
- داؤدؑ - سلیمانؑ کی عظیم الشان ہیمشل حکومت رمیشن
- ملکہ سبا کا واقعہ (یمن)
- بخت نصر - عزیرؑ کا واقعہ - عزیرؑ نے تورات کی تعلیم دی (بابل (عراق))
- طیطوس رومی (عیسائی) بعثت
- یہود بکھر گئے - یثرب میں آباد ہوئے - ۱۰ خاندان
- خلافت امویہ - خلافت عباسیہ - خلافت ترکی
- پہلی عالمی جنگ - خلافت ترکی کا خاتمہ - فرنگی؟
- دوسری عالمی جنگ - ہٹلر؟
- صیہونی تحریک کی کامیابی - ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کا قیام
- یورپ و امریکہ کی سرپرستی
- عربوں کے قلب - اور مسلمانوں کے قلب میں خنجر

یعقوبؑ اور یوسفؑ اور خصوصاً موسیٰؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک کے درمیان
کے زمانے کے حالات سے پتی ۔۔

یہود وصہیون کا تذکرہ، حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے، ایک تقریر کے لئے نوٹس

Marfat.com

صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ کی سیرت و کردار کے امین

- نبی کی سیرت اور صحابہ کی سیرت تکمیل
- صحابہ کے تذکرے اور نبی کے تذکرے تکمیل
- صحابہ رضی اللہ عنہم پیغام نبوت کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے والے ہیں
- صحابہ نبی کے اخلاق و ایثار کے نمونے ہیں
- صحابہ عدل و انصاف کی بے مثل مثالیں پیش کرنے والے ہیں
- صحابہ مساوات و اخوت کے زریں اصول مرتب کرنے والے ہیں
- صحابہ ایثار و ہمدردی سے دنیا کو روشناس کرنے والے ہیں
- صحابہ دیانت و امانت کے بے مثل کردار ہیں
- صحابہ اسلام کے عظیم مبلغ ہیں
- صحابہ عظیم مجاہد و غازی ہیں
- صحابہ جذبۂ شہادت سے سرشار ہمہ وقت تیار رہنے والے
- عظیم سیاستدان - عظیم مفکر - عظیم مدبر - عظیم حکمران عظیم مصلح - عظیم مدرس - عظیم معلم - عظیم عبادت گزار اور جہاں آرائی اور جہانبانی کے اسرار و رموز سے واقف تھے
- جنہیں قرآن نے کہا: اولٰئک ھم الراشدون - اولٰئک ھم الفائزون اولٰئک ھم المؤمنون حقا - فاولٰئک ھم المفلحون

عظمت و مقام اصحاب رسول کے دفاع کے لئے ہمیشہ پیش پیش رہنے والے حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے،
ایک تقریر کیلئے نوٹس

Marfat.com

- صحابہ ۔ صحابی ۔ اصحاب
- صاحب ۔ دوست ۔ ساتھی
- صحابہ ۔ مخصوص اصطلاح

حضورؐ کے ہم مجلس ۔
حضورؐ کے ساتھی

حضورؐ کو با ایمان دیکھنے والے
حضورؐ کی معیت کا شرف

- اصحابی کالنجوم فبایہم ....
- خیر القرون قرنی ....
- وما انا علیہ و اصحابی
- معاویہؓ اور عمر و بن عبدالعزیزؒ تقابل

- صحابہ انداز نبوت کے شاہد
- الیوم اکملت لکم ۔ اذا جاء نصر اللہ
- کیا بات ہے ؟ ایک مثال

- نزول وحی کے شاہد

- صحابہ دین کے گواہ
- گواہ سچے ۔ دین سچا

- کاشانہ وحی کا شرف
- قرآن صحابہ کے ذریعے ملا
- محافظین ختم نبوت

اعزازات ۔ تمغات

ابوبکر : صدیق اکبر
عمر بن خطاب : فاروق اعظم
عثمان : ذوالنورین
علی : اسد اللہ
ابوعبیدہ : امین الامت
سعد بن ابی وقاص : فاتح ایران ہے
عمرو بن العاص : فاتح مصر ہوئے
خالد : سیف اللہ
بلال : موذن رسول
معاویہ : ہادی و مہدی کہلائے
ابن عباس : مفسر قرآن

> تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑ دی
> کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

مشرک : ایک اللہ کے پرستار | بداخلاق : اخلاق کے پیکر
بت پرست : بت شکن | گڈریے : سلطان زمانہ
جاہل : معلم | فحش شاعری : ذکر الٰہی
غلام : آقا
لٹیرے : محافظ

> نشان راہ منزل کا ایک ایک کر دیا
> بنی نوع کا ان کو رہبر بنایا

وحشی : امن کے پیغامبر
بے علم : عظیم مبلغ
ناواقف سیاست : سیاسی مدبر
غافل : شب بیدار

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان اور دربار نبویؐ سے ان کے لئے اعزازات و تمغات، حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ایک تقریر کے لئے نوٹس

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی ایک تقریر ۔ حضرت عثمانؓ کے محاصرہ کے دنوں میں

لوگو! میرا نام جاہلیت میں (حصین) فلاں تھا۔ حضورؐ نے عبداللہ رکھا۔

+ اللہؐ کی تلوار اب تک نیام میں ہے ۔

+ اور فرشتوں نے تمہارے شہر کو، جو رسول اللہؐ کا دارالہجرت ہے اپنا نشیمن بنا لیا ہے۔

+ پس ڈرو اللہ سے اور ان کو (حضرت عثمانؓ) قتل نہ کرو

+ اللہ کی قسم اگر تم ان کے قتل پر کمربستہ ہوئے تو تمہارے ہمسایہ فرشتے مدینہ چھوڑ دینگے

+ اور اللہ کی وہ تلوار نکل پڑے گی جو اس وقت تک نیام میں بند ہے جو پھر قیامت تک نیام میں واپس نہ جائے گی

لیکن سنگدلوں نے اس پر زور تقریر کا کچھ اثر نہ لیا

= بولے اس یہودی اور عثمانؓ دونوں کو قتل کر ڈالو

فتح بیت المقدس میں حضرت عمرؓ کے ہمراہ شام گئے

حضرت علی کو فرمایا:

"رسول اللہؐ کا منبر نہ چھوڑیئے - ورنہ پھر اسکی زیارت نہ کر سکیں گے"

وفات ۴۳ھ مدینہ منورہ - زمانہ امیر معاویہؓ

مشہور صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک تقریر، جو آپ نے امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمائی، حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ۔ جمعۃ المبارک کی تقریر کے لئے نوٹس۔

Marfat.com

- موجودہ حکمرانوں کا پہلا اور اہم کام "عوام کے مفادات کو نظر انداز کرنا اور ان کے جذبات کو دبانا ہے"

- جب انسانوں کو تنگ گلی میں پہنچا دیا جاتا ہے اور دیوار سے لگا دیا جاتا ہے تو تنگ گلی اور دیوار سے لگے لوگ۔ سعدی نے ایک مثال دی ہے

"جب انسان مایوس ہو جاتا ہے تو اس کی زبان دراز ہو جاتی ہے جس طرح قابو میں آئی ہوئی بلی بالآخر کتے پر جھپٹ پڑتی ہے"

- دوسری عالمی جنگ قریب الاختتام تھی۔ جرمنی صلح کے معاہدہ پر دستخط کر چکا تھا۔ پھر بھی ہیروشیما پر ایٹم بم گرانے کا کیا جواز تھا؟ صرف یہ شوق کہ ایٹم بم کی صلاحیت اور قوت کا ٹیسٹ ہو جائے۔ اس شوق کی تکمیل کی خاطر شہر بستیاں اور لاکھوں انسان ناپید ہو گئے

- دہشت گرد قرار دینا۔ یہ رد عمل ہے ظلم کا۔ بڑی طاقتیں، حکمران، ظالم "عمل" کو نظر انداز کر دیتی ہیں "رد عمل" کو آسمان پر اٹھا لیتی ہیں

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنی تقریر کو دلائل سے مزین فرماتے۔ آپ کی تقاریر میں امت مرحومہ کی ناکامیوں کا سوز و گداز اور مستقبل کے لئے امید و آس کا پیغام ہوتا۔ آپ عالمی حالات کے تناظر میں اپنے سامعین کی ذہن سازی کرتے۔ حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تقریر کے لئے نوٹس، جس میں استعمار اور اس کے زلہ رباؤں کی سازشوں کے بارے میں اشارات موجود ہیں۔

Marfat.com

(مسئلہ)

- میڈیکل یونیورسٹیوں میں انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے رکھے ہوتے ہیں ان پر عذاب و ثواب کا تصور کیسا؟ قابل غور بات ہے! ریسرچ کی جاتی ہے

- قبرستانوں میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے ایک جگہ کئی قبریں بن رہی ہیں - ایک ہی قبر میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لوگ دفن مرد و عورت کی لاشیں دفن کی جاتی ہیں - ان معاملات پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

- کئی قبروں پر مکان تعمیر کر لئے گئے ہیں، یا روڈ بنا دیئے گئے، مردوں کی ہڈیاں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دی جاتی ہیں - کیا یہ باتیں قابل غور نہیں ہیں؟

- جنت البقیع میں ۱۰ ہزار صحابہ اور ازواج مطہرات کی قبور - پھر سے مسمار کر دی گئیں میدان ہموار کیا گیا ہے

- سعودی عرب میں جنت المعلیٰ میں دفن شدہ مردوں کا ذکر حاجی حضرات سے معلوم ہوا حاجیوں کے لئے ایک علیحدہ قبرستان - دو سال بعد مسمار کر دیا جاتا ہے (اٹھانا)

- بم و بارود - درندوں کا مردوں کو کھا جانا - سمندر میں مرنے والوں کو مچھلی وغیرہ کا کھا جانا - صحراؤں میں گل سڑ

- کیا کراچی روڈ کے قبرستان، عیدگاہ کے قبرستان - میانی صاحب - وغیرہ کے قبرستانوں میں عذاب ہو رہا ہے؟

ہندو مردوں کو جلا دیتے ہیں گنگا و جمنا میں بہا دیتے ہیں یا پہاڑوں پر بکھیر دیتے ہیں۔ پارسیوں کے مردے (گدھ) کھا جاتے ہیں جن کی قبریں بنتی ہی نہیں - کیا یہ باتیں قابل غور نہیں؟

- فرعون کی لاش مصر کے عجائب خانہ میں موجود ہے جو تقریباً ۳۵۰۰ سو سال پہلے بحر قلزم میں غرق کیا گیا تھا - جس کی شہادت اللہ کا قرآن دیتا ہے کہ ہم نے اس کو دنیا اور آخرت کے عذاب میں پکڑ لیا (۳) کچھ عرصہ پہلے اس لاش کو فرانس لے جایا گیا، جہاں کیمیکل لگا کر اس کو مزید محفوظ کیا گیا کیونکہ اس کی لاش عبرت کا نشان بنانا تھا۔

قرآن مجید کی سینکڑوں آیات میں سے

چند آیات قرآنی ملاحظہ فرمائیں اور انصاف کی راہ اختیار فرمائیں۔

مسئلہ عذاب قبر: حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ایک تقریر کے لئے نوٹس

Marfat.com

شرائط

۱۔ مسئلۂ عذابِ قبر پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوگا۔ کل یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ ہوگا۔ لکم دینکم ولی دین "تمہارے واسطے دین تمہارا۔ اور واسطے میرے دین میرا"

۲۔ سرپرست اعلیٰ/تاحیات جامع مسجد الفاروق (مولانا عبدالعزیز) ہی ہوں گے۔ جو اس وقت علیل ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت عطا فرمائی تو مسجد الفاروق میں نماز پڑھائیں گے۔ خطبہ دیں گے۔ ان مناصب سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ *

۳۔ دونوں کمیٹیاں توڑ دی جائیں۔ نئے سرے سے اور باہمی مشورے سے ایک نئی کمیٹی تشکیل دی جائے۔ اور سابقہ کمیٹی میں ممبران = اللہ دتہ صاحب جو کہ مسجد کے محلہ چھوڑ کر سیٹلائٹ ٹاؤن میں منتقل ہو چکے ہیں (2) مستری انور صاحب مسلک علماء دیوبند چھوڑ کر اہل حدیث ہو چکے ہیں (3) یعقوب خان صاحب (مرحوم) وفات ہو چکے ہیں۔ (4) سرور صاحب (گجراتی) ان چاروں میں جو کسی صورت مسجد کے کسی عہدے کے قابل نہیں ہو سکتے (5) مستری عطا محمد صاحب نے مسلک علماء دیوبند کو چھوڑ کر نجومی کا پیشہ اختیار کر لیا ہے۔ اس طرح یہ منحرفین مسجد کے ان مناصب کے لائق نہیں ہیں۔

4۔ دونوں کمیٹیاں توڑ کر باہمی مشورے سے تشکیل دی جائیں۔ آدھے آدھے ممبران دونوں کمیٹیوں سے لئے جائیں۔

* سرپرست اعلیٰ یا تاحیات منصب پر اصرار کرنا کسی لالچ و خواہش پر مبنی نہیں ہے۔

سرپرست اعلیٰ تو خواہشات سے بے نیاز ہیں

سرپرست اعلیٰ کے متعلق تاثر دیا گیا ہے کہ اس کے پیچھے نماز نہیں ہو سکتی۔ اس کا خطبہ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ عذابِ قبر کو نہ ماننے سے دائرۂ اسلام سے نکل چکے ہیں۔ اس تاثر کو ختم کرنے کے لئے یہ شرط لگائی گئی ہے۔ ورنہ کسی سرپرستِ اعلیٰ کے منصب کی خواہش کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔

جب زر پرستوں نے غنڈہ گردی کے ذریعے مسجد الفاروق ؓ پر قبضہ کر لیا۔ اور بعد میں "مذاکرات" کا دور شروع ہوا۔ تو حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قلم سے یہ شرائط تحریر فرمائیں۔

Marfat.com

رخ موڑ سکیں طوفانوں کا تنکوں کے بس کی بات نہیں
فولاد کے آگے ٹھہر سکیں جو، شیشوں کے بس کی بات نہیں

یہ نور ازل سے روشن ہے، روشن ہی رہے گا حشر تک
اسلام کا دیپ بجھا دینا، پھونکوں کے بس کی بات نہیں

جب موسم گل آجائے، تو دور راج اسی کا ہوتا ہے
روکیں جو حسن کی یورش کو کانٹوں کے بس کی بات نہیں

ایمان خدائی طاقت ہے اور وہم بتوں کا عارضہ ہے
جھٹلانا محسوس حقیقت کا، خوابوں کے بس کی بات نہیں

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا شعری ذوق معروف انقلابی شاعر محمد انور جمیل کے چند اشعار، ایک ڈائری کے ورق پر آپؒ کے دست مبارک سے۔

Marfat.com

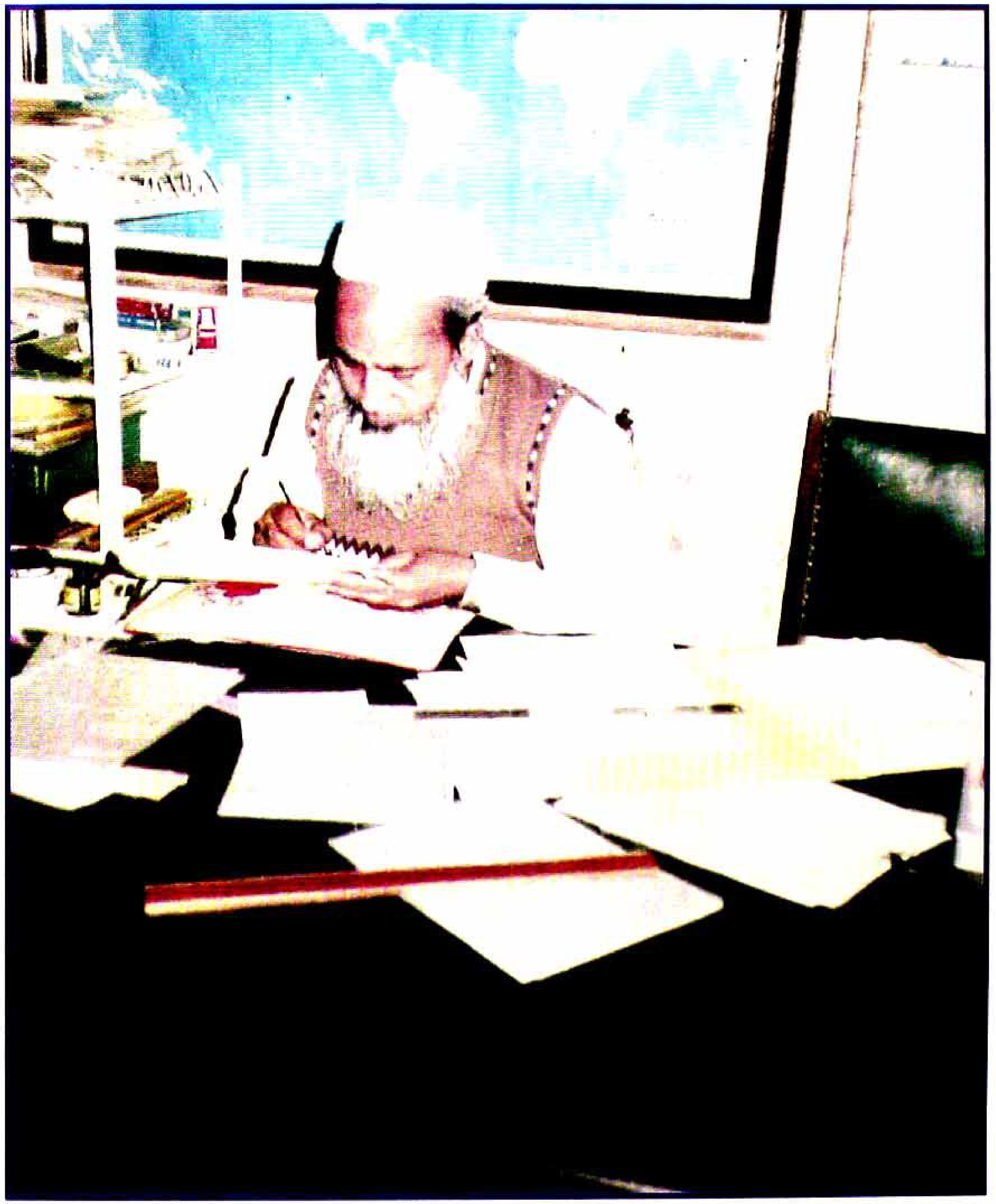

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، حصول رزق حلال کیلئے خطاطی میں مشغول

بیٹا اور باپ...... مرتب کتاب اور حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

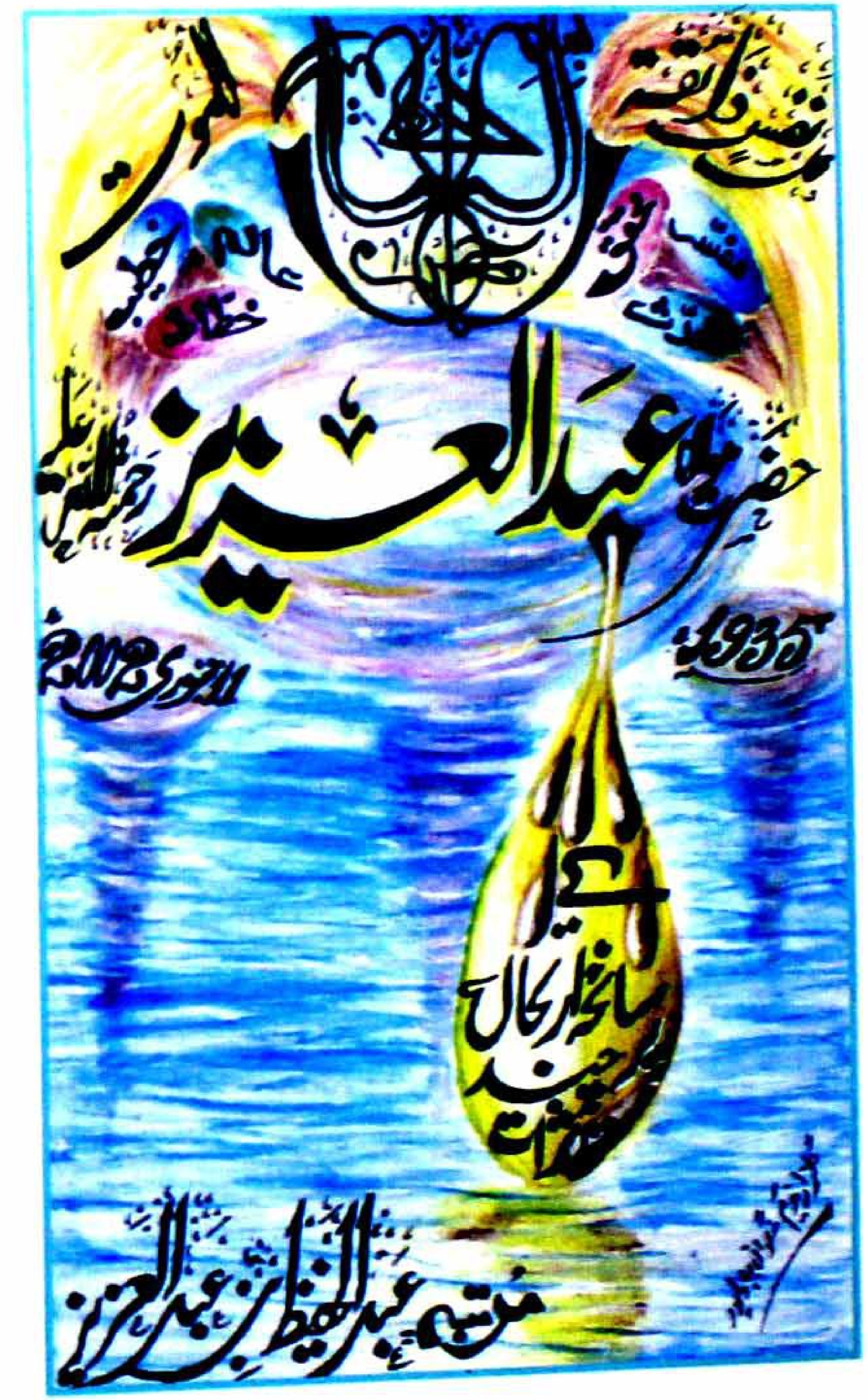

بہاولپور کے موضع منگوانی میں مقیم، وطن عزیز کے شہرہ آفاق خطاط، مصور اور ڈیزائنر محترم گلزار حسین ندیم کے مُوقلم سے، حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ ارتحال پر ارسال کئے ہوئے آرٹ کے چند شاہکار نمونے، اُس وقت کتاب کا نام ''حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ ارتحال پر چند تاثرات'' تجویز کیا گیا تھا

Marfat.com

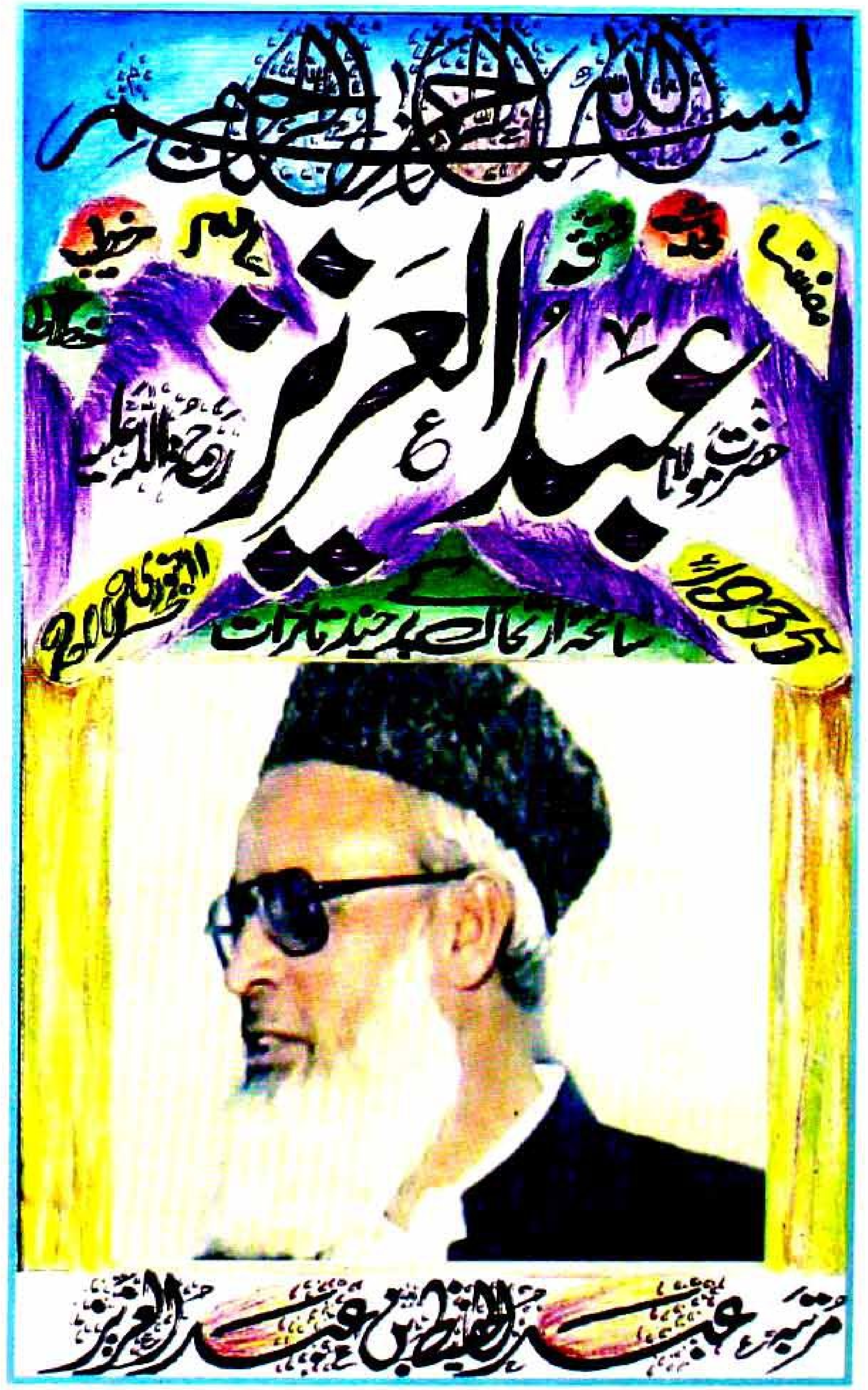

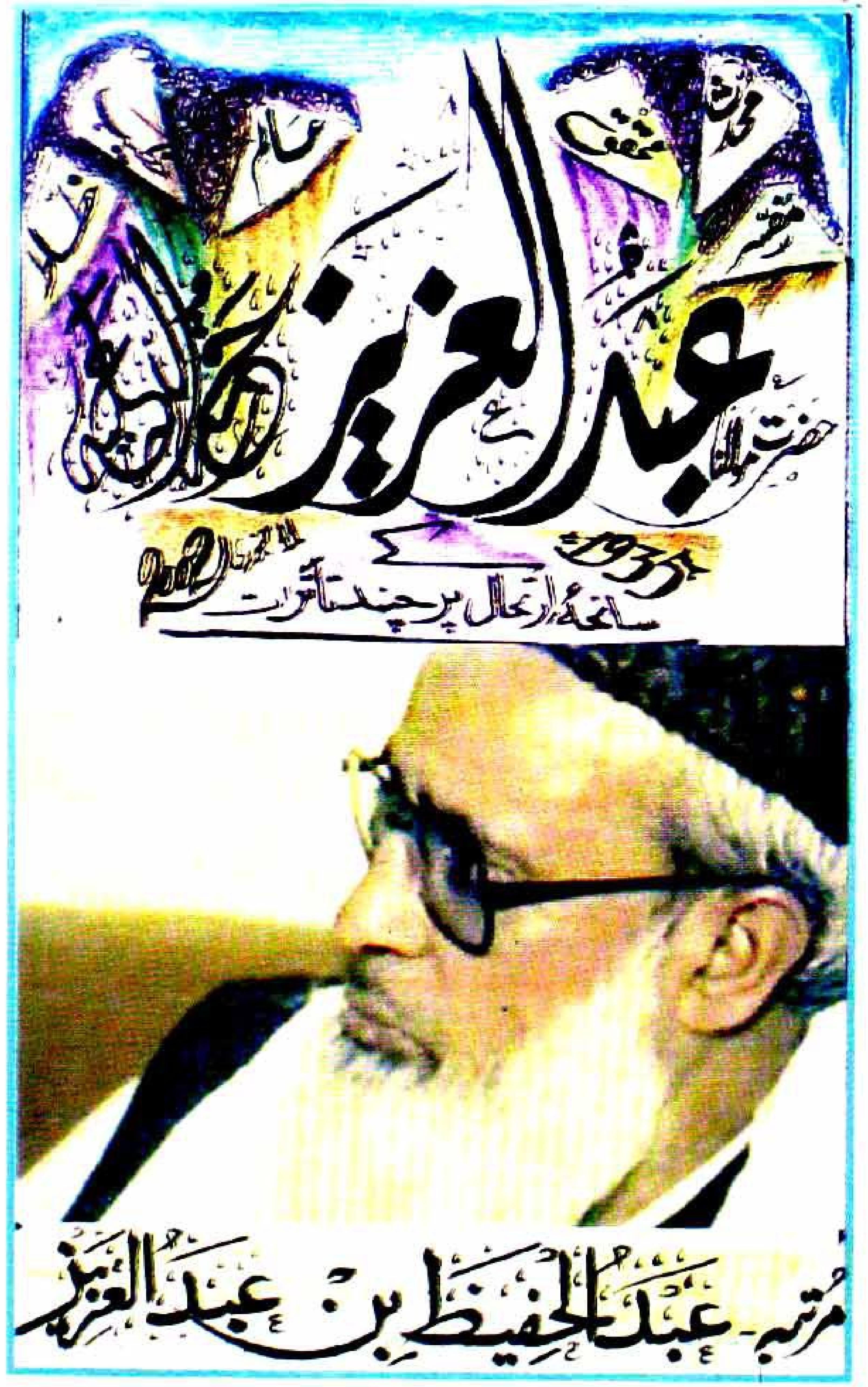

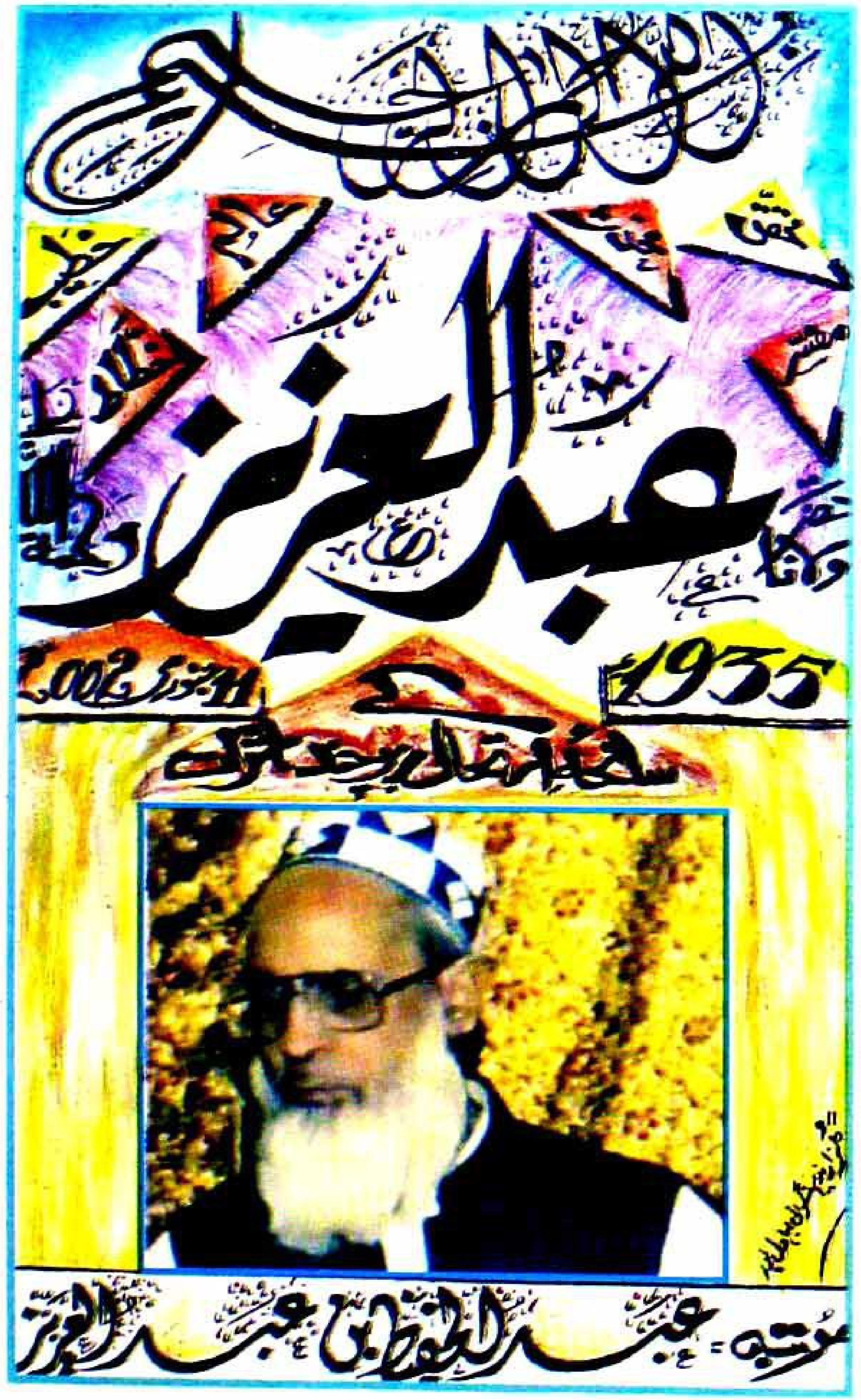

محترم گلزار حسین ندیم کے شکریئے کے ساتھ...... چند مزید شاہکار

Marfat.com

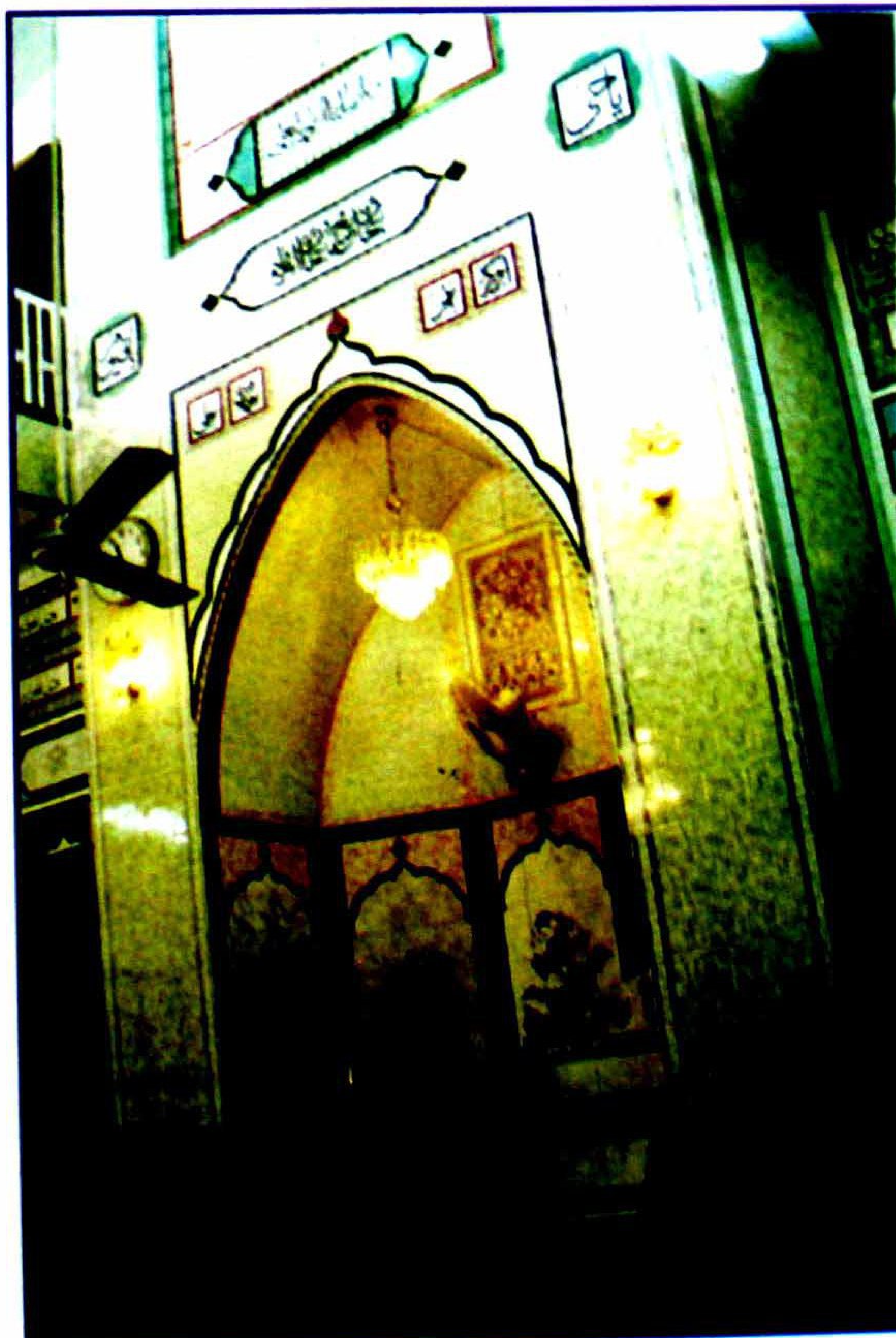

جامع مسجد الفاروقؓ سلطان پورہ' راولپنڈی کا محراب' جو حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عمدہ ذوقِ تعمیر کا لازوال عکس ہے اسی محراب کے منبر پر بیٹھ کر موصوف نصف صدی تک صدائے حق بلند کرتے رہے۔ اب یہ محراب و منبر اداس ہیں۔ اب یہاں سے بے خوفی کے ساتھ صدائے حق بلند نہیں ہوتی بلکہ کتمانِ حق کیا جاتا ہے اور زرداروں کی مدح و ستائش میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں............لیکن تابہ کے

؟............

←

Marfat.com

تفردات عزیزی

خامۂ اثر

عبدالحفیظ بن عبدالعزیز

بحیثیت موحد، مفسر قرآن کریم، محدث، مفکر، محقق خطیب، خطاط، مجاہد، علم پرور اور سماجی رہنما، آپ کو کبھی فراموش نہ کیا جائے گا۔ ایک سچے مسلمان اور انسان دوست کے طور پر آپ ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں زندہ رہیں گے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے موحد تھے۔ ان کا خاص موضوع توحید تھا۔ وہ خالص توحید بیان کرنے میں کبھی کسی خوف واندیشے اور تعلق کو خاطر میں نہ لاتے۔ وہ ہمیشہ نتائج وعواقب سے بے پرواہ ہو کر نہایت دلیری اور بے خوفی کے ساتھ توحید باری تعالیٰ بیان کیا کرتے۔ ان کی نمایاں ترین خصوصیت، ذات باری تعالیٰ پر کامل و پختہ ایمان و یقین تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں خفی وحسّی شراکت کے ہر تصور کو خلاف اسلام اور خلاف عقل قرار دیتے تھے۔ ان کے نزدیک لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کی لَآ نفی جنس نے ہر نوع و رنگ کی شراکت فی التوحید کی نفی کر دی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو دعوت توحید دی تو ضرب لا سے تمام انسانی تصوراتی الٰہوں کو نابود کر دیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ وہ عرب جو صدیوں سے شرک کی دلدلوں میں دھنسے ہوئے تھے، اُنھیں اللہ واحد کی وحدانیت کے اقرار پر قائل کرنا آسان کام نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے مخاطب چونکہ عربی کے اسرار و رموز سے آگاہ تھے، اس لئے ضرب لاَ کی شدت وحِدّت کو بھی سمجھتے تھے۔ لات وھُبل اور وَدّ وسواع سے اپنے قلب و ذہن کو الگ کرنا ان

Marfat.com

کے لئے مشکل ضرور تھا۔ اسی لئے وہ لوگ زبردست مخالفت پر کمربستہ رہے۔ اور 23 برس میں مخالفت کی آخری حدوں تک چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرح باقی تمام انبیاء کرام کو بھی اپنے اپنے عہد میں ایسی ہی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ حق کی مخالفت روز اول سے ہوتی چلی آرہی ہے۔ اور حق مخالف قوتیں ہمیشہ توانا بھی رہی ہیں۔ اس لئے لوگوں کی مخالفت کے اندیشے سے کامل توحید اور جزئیات توحید کو بیان کرنے سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ اگر توحید بیان کرنے کی وجہ سے شرک زدہ قوتوں کی مخالفت نہ ہو۔ تو سمجھئے کہ توحید بیان کرنے کا حق ہی ادا نہیں ہوا۔ اس ضمن میں وہ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ علیہم السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگیوں کے واقعات کو موضوع سخن بناتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ انبیا علیہم السلام کی آمد کا بنیادی مقصد و جواز ہی یہ ہوتا تھا کہ لوگ اللہ کی ذات سے غافل ہو کر غیر اللہ کی تابعداری میں منہمک ہو چکے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مطالعے و مشاہدے سے یہ بات واضح ہے کہ صدیوں سے برصغیر کے مسلمانوں کی روزمرہ زندگی میں قدیم اہل مکہ کی سماجی و مذہبی روایات کی جھلک نظر آتی ہے۔ عصر حاضر کے اکثر مسلمانوں کے عقائد اور عہد نبوی کے اہل مکہ کے عقائد میں بہت کم فرق دیکھنے میں آتا ہے۔ آج بھی اکثر مسلمانوں نے ہنود و یہود کے بعض افکار کو اپنے اعتقادات کا حصہ بنا رکھا ہے۔ ہندو کھڑے بت کی پوجا کرتے ہیں۔ تو آج کے ''مسلمان'' لیٹے ہوئے ''بت'' کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ ہندو اپنے خود تراشیدہ بتوں کے وسیلے سے رام تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ جبکہ آج کے بعض مسلمان اپنے ہی ہاتھوں سے دفن کئے ہوئے '' مُردوں'' کے ذریعے اللہ سے حاجات طلب کرتے ہیں۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات ہی ہمیشہ ہمیشہ زندہ و قائم رہنے والی ہے۔ باقی ہر چیز فانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی ہوئی ہر مخلوق نے، خواہ وہ اس کی محبوب ترین ہستی ہی کیوں نہ ہو، موت کا مزہ چکھنا ہے؛ فانی ہو جانا ہے؛ باقی نہیں رہنا؛ پھر اس فانی مخلوق میں اللہ کی صفات کو کیوں تلاش کیا جائے!

آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ تمام انبیاء کرام، اللہ تعالیٰ کی منتخب کی ہوئی ہستیاں ہوتی تھیں۔ پیغمبر اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و نیاز کے پیکر تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہمہ وقت اس کے احکامات پر عمل پیرا رہتے تھے۔ وہ خود اللہ کی مخلوق تھے۔ اللہ کے حکم بردار بندے تھے۔ وہ بھی اپنی حاجات براری کے

Marfat.com

لئے ، براہ راست ، اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی دست سوال بلند کیا کرتے تھے۔ کسی نبی نے اپنے سے پہلے آنے والے نبی کو وسیلہ نہیں بنایا۔ ان کی تعلیمات ہی یہ تھیں کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کی شہ رگ حیات سے بھی زیادہ قریب ہے۔ وہ ہر ایک کی فریاد و استغاثہ کو براہ راست ہر لمحے میں سنتا ہے۔ اس لئے اسے کسی وسیلے کی ضرورت نہیں۔ ہر فرد اس سے براہ راست مانگے ، وہ اس کی حاجات کو پورا کرے گا۔ تمام انبیاء کرامؑ ہمیشہ یہی تبلیغ کرتے رہے۔ جادۂ حق اور سبیل رشد و ہدایت میں انہیں بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ توحید کا یہ رستہ آسان نہیں۔ اس راستے میں کانٹے ہی کانٹے ہیں۔ آزمائشیں ہی آزمائشیں ہیں۔ ہجرتیں ہیں۔ گھروں سے نکالے جانا ہے۔ اس ضمن میں وہ صرف گفتار کے ہی غازی نہ تھے۔ ان کا کردار ان کی گفتار کا عکاس تھا۔ انہیں مسجد الفاروق ؓ کی امامت و خطابت سے ہٹانے کے لئے علاقے کے بااثر کروڑوں پتی سرمایہ داروں، تبلیغیوں، کافر گر مفتیوں اور قبضہ گروپ کے سرپرستوں نے ایکا کرلیا۔ آپ کا اور آپ کے گھر والوں کا مقاطعہ کر دیا۔ اور آپ کو تنہا کرنے کے لئے زبردست مہم چلائی۔ حق دشمنوں کا یہ عمل آپ کے لئے نیا نہ تھا۔ آپ کے والد محترم بھی انبیاءؑ کی اس سنت کی پیروی اور ابلاغ توحید کی پاداش میں حق دشمنوں کے نرغے میں رہے۔ آپ کے والد محترم حضرت مولانا فضل الہٰیؒ کو محض اس لئے راولپنڈی کی دو مساجد کی امامت و خطابت سے ہٹایا گیا کہ وہ توحید بیان کرتے تھے۔ انہیں صرف اس لئے کرائے کے 22 مکانوں سے نکالا جاتا رہا کہ وہ موحد تھے۔ انہیں فقط اس لئے کنوؤں سے پانی بھرنے سے منع کیا جاتا رہا کہ وہ شرک سے باز رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ خود حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے خلاف اس لئے کفر کے فتوے جاری کئے جاتے رہے کہ وہ قبر پرستی کے بجائے انسان کے فانی ہونے اور صرف اللہ تعالیٰ کے حیّ وقیّوم ہونے کا اعلان کرتے تھے۔ وہ انسان کے مرنے اور قیامت کے دن اٹھائے جانے اور روز محشر میں میزان قائم ہونے کے مبلغ تھے۔ وہ قبر پرستی کی آڑ میں نئے نئے بہروپ بھر کر جلب و منفعت حاصل کرنے اور جیبیں بھرنے کی مخالفت کرتے تھے۔ وہ مُردوں کی ''زندگی'' کو بنیاد بنا کر سادہ لوح مسلمانوں کی جیبیں صاف کرنے کے فلسفے اور شرک کے فروغ کے ذریعوں کے ناقد تھے۔ وہ مسجدوں کے بجائے قبروں، آستانوں کی اہمیت کے قائل نہ تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسن مجتبیٰ، حضرت امیر

Marfat.com

معاویہ، حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرھم میں سے کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت ابوبکر صدیقؓ یا حضرت عمر فاروقؓ کی قبروں کا مجاور نہ بنا۔ یا ان کی اولادوں میں سے کوئی بھی شب و روز ان کی قبروں پر ہی نہ بیٹھے رہے۔ اور نذرانے وعطایا وصول کر کے اپنی اپنی اولادوں کو کھلاتے پلاتے رہے۔ بلکہ وہ تو حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے کرتے ہوئے عملی انسانوں کی طرح شب و روز بسر کرتے رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ قبر پرستی اور شخصیت پرستی میں برصغیر کے مسلمانوں کے تمام مسالک کے پیروکار اپنے اپنے انداز میں خالص توحید سے دور ہو چکے ہیں۔ ان کے آئمہ مصلحتوں کے شکار ہو چکے ہیں۔ اکابر پرستی کی چکا چوند نے توحید خالص کے آبگینوں کو دھندلا دیا ہے۔ ان کے سامنے قرآن عظیم کی کوئی آیت پڑھی جائے تو وہ مقابلے میں بزرگوں کے فرمان سنانا شروع کر دیتے ہیں۔ خود ساختہ کرامات سے مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب کوئی دلیل و حجت ان سے بن نہ پڑے تو گمراہی و کفر کے فتوے انکی نوک زبان و قلم سے جاری ہونے لگتے ہیں؛ جیسے یہ اللہ تعالیٰ سے، اس ضمن میں، خاص احکامات لیکر آئے ہیں! کیا ''فرزندان توحید'' کہلانے والوں کے لئے یہ لمحۂ فکریہ نہیں!!! حضرت مولانا عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ مَیں اکابر پرست ہوں نہ مقابر پرست اور جن کا فرگروں سے میرا واسطہ پڑا ہے، علامہ محمد اقبال بھی ان سے نالاں تھے۔ اور وہ ایسے روحانیوں اور پیشواؤں کو ''مفتیٔ دین مبین فتویٰ فروش'' کے الفاظ سے یاد کیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ ایک مفسر قرآن تھے۔ انہیں قرآن مبین سے عشق تھا۔ ان کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ ہر مسلمان قرآن کو سمجھنے والا اور اس کے احکامات پر عمل پیرا ہونے والا ہو۔ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا کم از کم چار مقامات پر یہ فرمان ہے کہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے۔ یعنی قرآن کریم اس قدر آسان ہے کہ اسے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کے آئمہ، اہل اسلام کو قرآن سے کوسوں دور لئے چلے جا رہے ہیں! کیوں؟ وہ یہ کیوں کہتے ہیں کہ قرآن مشکل ہے۔ اور اس کو سمجھنے کے لئے پہلے کم از کم سترہ علوم پر دسترس ضروری ہے۔ اور یہ کہ قرآن ایک پردہ ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اصل بات یہ ہے کہ اگر لوگوں تک قرآن کی

Marfat.com

حقیقی روشنی پہنچ جائے۔ اور لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے صرف قرآن سے رہنمائی لینا شروع کر دیں اور احکاماتِ قرآن پر عمل پیرا ہونا شروع ہو جائیں تو پھر مذہبی اجارہ داروں، جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈوں، جنوں جادو اور ایصال ثواب کے نام پر دولت کمانے والوں کی روزی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ جبکہ قرآن ایسے کاروبار کی نفی کرتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ وہ مسلمان عالم جو علوم قرآن کے بیان میں کتمان کرتا ہے۔ یا آیاتِ قرآن کے ابلاغ کے بعد اجرت وصول کرتا ہے۔ وہ تعلیمات قرآن سے انحراف کرتا ہے۔ قرآن پڑھ کر، سنا کر، اجرت وصول کرنا غلط ہے۔ اس ضمن میں وہ قرآن کریم کی بے شمار آیات کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم میں مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ ملتا ہے کہ جو اپنی اپنی قوم کو جادۂ حق کی طرف بلاتے رہے۔ ان کی اقوام ان کی تکذیب کرتی رہیں۔ اور ان کی بات تک سننے سے انکار کر دیتی ہیں۔ اس پر وہ پیغمبر اپنی اپنی قوم سے سوال کرتے ہیں کہ کیا وہ دینِ حق کے ابلاغ کے عوض ان سے کچھ صلہ مانگتے ہیں؟ کوئی مشاہرہ طلب کرتے ہیں؟؟ کچھ مراعات کا مطالبہ کرتے ہیں؟؟؟ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ فرمایا کرتے تھے کہ تمام انبیاء کرام دینی پیشوائی کے عوض کوئی تنخواہ یا صلہ یا اجرت نہیں لیا کرتے تھے۔ بلکہ ان کا امتیاز ہی یہ تھا کہ انہوں نے دین کو پیشہ بنانے کے بجائے، اپنے ہاتھ سے محنت مزدوری کر کے حق بات لوگوں تک پہنچائی۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ اپنے خطبات میں، اسی حوالے سے، انبیاء کرامؑ کی زندگیوں کی چند مثالیں دیا کرتے تھے۔ مثلاً فرمایا کرتے تھے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے تذکرے میں، قرآن کریم میں، تین مقامات پر اس بات کا ذکر ہے کہ وہ دین حق کے ابلاغ کے سلسلے میں قوم سے صلہ و معاوضہ نہیں لیا کرتے تھے۔ اور نہایت واضح الفاظ میں فرمایا کرتے تھے کہ ''میں تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا معاوضہ تو اللہ کے ذمے ہے'' (یونس: ۷۲)۔ ''میں اس نصیحت کے بدلے تم سے مال و زر کا خواہاں نہیں ہوں۔ میرا صلہ تو اللہ کے ذمے ہے'' (ھود: ۲۹+الشعرآء: ۱۰۹)......... حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کہا کرتے تھے کہ قرآن کریم میں دو مقامات پر اسی مضمون کا اعادہ حضرت ہود علیہ السلام کے تذکرے میں کیا گیا ہے (ھود: ۵۱+الشعراء: ۱۲۷)......... یہی بات حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم سے فرمایا کرتے تھے: ''اور میں اس کا تم سے بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ (اللہ) ربّ العالمین کے ذمے

Marfat.com

ہے (الشعرآء:۱۴۵)............ حضرت لوط علیہ السلام بھی یہی بات اپنی قوم سے فرمایا کرتے تھے (الشعرآء:۱۶۴)................ حضرت شعیب علیہ السلام بھی ان ہی الفاظ میں اپنی قوم کو دعوتِ فکر دیا کرتے تھے: اور میں اس (کام) کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ تو (اللہ) رب العالمین کے ذمے ہے (الشعرآء:۱۸۰)............ سورۂ یٰسین میں دو پیغمبروں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جنہیں تیسرے سے تقویت پہنچائی گئی۔ مگر انکی قوم نے ان کو بھی جھٹلا دیا۔ اور پھر ایک شخص شہر کے پرلے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا، ''اے میری قوم! پیغمبروں کے پیچھے چلو۔ ایسوں کے کہ جو تم سے صلہ نہیں مانگتے۔ اور وہ سیدھے رستے پر ہیں۔'' (یٰسین:۲۰۔۲۱)............ حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب علیہم السلام اور دیگر رسولوں کی طرح آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اپنے مخاطبین سے یہی اسلوب بیان تھا کہ وہ اس قرآن، خیر خواہی، دعوت، تبلیغ کا ان سے کوئی صلہ، اجرت، معاوضہ، مشاہرہ، تنخواہ نہیں لیتے۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ اس سلسلے میں کم از کم آٹھ مقامات کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے: (الانعام:۹۱ + یوسف:۱۰۴ + الفرقان:۵۷ + سبا:۴۷ + ص:۸۶ + الشوریٰ:۲۳ + الطور:۴۰ + القلم:۴۶)............ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ جب قرآن کریم کی یہ آیات بیان کرتے تو فرماتے کہ جب قرآن واضح طور پر انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگیوں کی روشنی میں آیات کے بدلے اجرت ومعاوضہ یا تنخواہ لینے کے نظریئے کو رد کرتا ہے اور اس کی مخالفت کرتا ہے۔ تو ہمارے ائمہ نے کیونکر روایات اور اقوال اکابر کی روشنی میں اسے بطور پیشہ اختیار کر لیا ہے؟ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے نصف صدی تک قرآن بیان فرمایا۔ نہایت دلیری کے ساتھ خالص توحید بیان کی، لیکن تنخواہ نہیں لی۔ اجرت نہیں لی۔ آپ نے تقریباً آٹھ برس تک درس قرآن دیا۔ تختۂ سیاہ پر ایک آیت روزانہ کتابت کرتے۔ اور اس آیت کے ایک ایک لفظ، فتحہ، ضمہ، کسرہ اور مصدر تک وضاحت سے بیان فرماتے۔ اور اس آیت کے تناظر میں عصر حاضر میں مسلمانوں کے لئے پنہاں سبق پر روشنی ڈالتے۔ اور اس ضمن میں بعض مفسرین کی طرف سے اسرائیلیات کو شامل تفسیر کرنے کی نشاندہی بھی کرتے۔ اور انبیاء کرامؑ اور صحابہ کرامؓ کی شان کو اجاگر کرتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کو ان انبیاء کرامؑ کی عظمت کو اجاگر کرنے کے لئے نازل کیا گیا ہے کہ جن کی عظمت کو سابقہ کتب سماوی میں

Marfat.com

تحریف کر کے کم کر دیا گیا۔ آپ کے درس قرآن کریم میں اوسطاً ساٹھ ستر افراد شریک ہوتے۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ ان میں سے ہر ایک اس قابل ہو چکا تھا۔ کہ وہ براہ راست قرآن کریم کی آیات کا از خود ترجمہ کر سکے۔ اور فہم قرآن سے مستفید ہو سکے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ ایک محدّث بھی تھے۔ صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث پر ان کی گہری نظر تھی۔ ایک ایک حدیث کو آپ نے کئی کئی مرتبہ بغور پڑھا تھا۔ ان احادیث کے مطالب و معانی پر آپ نے غور و فکر کیا تھا۔ اس ضمن میں آپ نے اسماء الرجال کی کتب کے بھی لفظ لفظ کا بہ نظر عمیق مطالعہ کیا تھا۔ مختلف راویوں کے احوال و آثار انہیں از بر تھے۔ وہ احادیث کی اقسام بیان کیا کرتے۔ صحیح وضعیف، حسن و غریب، منقطع و معضل، منکر و مضطرب اور شاذ و احاد احادیث میں امتیاز کرنے میں انہیں ملکہ حاصل تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جو "حدیث" نص قرآن سے متصادم ہو یا خلاف عقل ہو، وہ حدیث رسول نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسی بات بیان نہیں فرما سکتے جو آیت قرآن کے خلاف ہو۔ یقیناً ایسی بات کسی نے بعد میں وضع کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہؐ کی کسی سچی بات کا انکار کفر ہے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام کوئی بھی بات اللہ کے حکم کے بغیر اور اللہ کے احکامات کے خلاف نہیں فرما سکتے لیکن المیہ یہ ہے کہ مختلف ادوار میں لاکھوں باتیں وضع کر کے اسلام دشمنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منسوب کر دیں۔ اس لئے اب رسول اللہؐ سے منسوب ہر بات کو چھان پھٹک کر قبول کرنا چاہئے۔ ایسی بہت سی باتیں اس وقت بھی ذخیرۂ کتب احادیث میں موجود ہیں کہ جن سے انبیاء کرام علیہم السلام اور اصحابِؓ رسولِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن ہائے عصمت داغدار کئے گئے ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ جو حدیث نص قرآن کے مطابق ہو، بلا چون و چراں قبول کر لو۔ لیکن جو "حدیث" انبیاء کرامؑ کی عظمت یا صحابہ کرامؓ کی رفعت کو مجروح کرتی ہو، اسے چھوڑ دو۔ آپ نے درس قرآن کے ساتھ ساتھ درس حدیث کا سلسلہ بھی جاری کیا ہوا تھا۔ آپ ایک حدیث مبارکہ، ہفتے میں ایک دن، تختۂ سیاہ پر لکھتے۔ راویوں کے حالات زندگی بیان کرتے۔ حدیث شریف کے ایک ایک لفظ کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے۔ عام فہم زبان استعمال کرتے۔ اور عملی زندگی میں اس حدیث مبارک پر عمل پیرا ہونے کے لئے

Marfat.com

اس کا لب لباب بیان کرتے۔ ایسے عمدہ درس حدیث میں شریک لوگوں میں روح حدیث تک پہنچنے کا ذوق پیدا ہوا۔ اور وہ صحیح وضعیف اور حسن وغریب احادیث میں تمیز کرنے کے قابل ہو گئے۔ احادیث کی کتابوں میں موجود ان احادیث کا بھی آپ نے درس دیا کہ جن سے، بہت سے، ''عصری محدثین'' کتمان کرتے ہیں۔ اور لوگوں تک حق بات پہنچانے سے کتراتے ہیں۔ کیونکہ ان کے مدارس کی مصلحتیں انہیں کھل کر حق بات کہنے نہیں دیتیں۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے دوران درس حدیث ایسی بہت سی ''احادیث'' کی بھی نشاندہی کی کہ جو احادیث تو نہیں، لیکن ''احادیث'' کے طور پر معروف اور زبان زد خاص و عام کر دی گئی ہیں۔ اور اب تو اس حوالے سے، حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کی تائید میں، پاکستان، بھارت اور مشرق وسطیٰ میں بہت سا تحقیق کام بھی ہو چکا ہے۔ اس قسم کے تمام تحقیقی کام پر بھی حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کی گہری نظر تھی۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ ایک مفکر تھے۔ قوموں کے عروج و زوال پر ان کا گہرا مطالعہ تھا۔ وہ لمحوں میں تاریخ کی الجھی ہوئی ادق گتھیاں سلجھاتے چلے جاتے۔ موقع محل کی مناسبت سے تاریخی واقعات بیان کرتے۔ عصر حاضر کے مسلمانوں کی زبوں حالی پر غمگین ہو جاتے۔ ان کے لہجے میں آشفتہ نوائی ہوتی۔ وہ اس فکر میں رہتے کہ ساری دنیا کے غم، مصیبتیں، پریشانیاں، آخر مسلمانوں کا ہی کیوں مقدر بن گئی ہیں۔ وہ انفرادی و اجتماعی سطح پر یہ سوچتے رہتے کہ غلامی و غربت کے قعر مذلت سے نکلنے کے لئے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔ وہ اس کا اظہار اپنے خطبات میں بھی کرتے اور ان کے خطبات کا خلاصہ یہ ہوتا کہ مسلمانوں کو ذات پات، مسلک و فرقے اور انا و کبر کے خول سے نکل کر وحدت امت میں گم ہو جانا چاہئے۔ ایک اللہ اور ایک رسول کے ماننے والوں کو ٹکڑوں، فرقوں اور مسالک میں منقسم نہیں ہونا چاہئے۔ ہر مسلم کو مسلمان ہونا چاہئے۔ نہ کہ اس کی پہچان اُس کا فرقہ و مسلک ہو۔ حضرت مولاناؒ اپنے خطبات میں اس امر کی تلقین کرتے کہ ہر فرد کو حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔ مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ وہ متحد ہو جائیں اور کفر کی ترجمان ظالم طاغوتی طاقتوں کے مقابلے کے لئے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔ نچلی سطح پر تو ہر مسلمان کو زیور تعلیم سے آراستہ ہونا چاہئے۔ اور اپنی زندگی بنانے کے

Marfat.com

لئے محنت ومشقت کا عادی ہونا چاہئے۔ ہر شخص میں ملی شعور ہونا چاہئے نہ کہ وہ ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی ''مسجد'' سے وابستہ ہوکر اسلام کی اجتماعیت کے دھارے سے نکل جائے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ ایک محقق تھے۔ تقابل ادیان ان کا پسندیدہ موضوع تھا۔ ان کی ذاتی لائبریری میں اس موضوع پر بے شمار کتابیں تھیں۔ وہ جمودی نظریات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ہمارے وہ قلمکار کہ جو بغیر تحقیق کئے روایات نقل کرتے چلے جاتے ہیں، ان کے نزدیک کبھی قابل تحسین نہیں ٹھہرے۔ وہ مؤرخ کہ جو اپنے پیشرو لکھاریوں کی تائید میں غلط سلط باتیں اپنی کتابوں میں جمع کرتے رہے۔ وہ کبھی آپ کی نظروں میں نہیں جچے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے پاس تاریخ اسلام کے عنوان سے موجود کتابیں مواد تاریخ اسلام ہیں۔ ان میں سچ وجھوٹ کی آمیزش کے ساتھ رطب ویابس موجود ہے۔ انہیں مستند تصور نہیں کیا جاسکتا۔ بہت سے مؤرخ حاطب اللیل تھے۔ اور انہوں نے اپنے اپنے عہد کی سیاسی مصلحتوں اور مالی منفعتوں کے پیش نظر تاریخ کے اصل روپ کو سامنے نہیں آنے دیا۔ عہد صحابہؓ کے مشاجرات پر بھی ان کا ایک خاص نکتۂ نظر تھا۔ اور وہ یہ کہ عہد عباسیہ کے دور انحطاط میں خاص مقاصد کے تحت تواریخ مرتب کرائی گئیں۔ اور بعد میں مکھی پر مکھی مارنے والوں نے اتنی کثرت سے انہیں دُہرایا کہ انہیں استناد کے درجے پر پہنچا دیا۔ ان کے نزدیک شاعروں کی مسلکی وابستگیوں نے خاص خاص فرقے جنم دیئے روایات کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے انہوں نے لفاظی کا سہارا لیا۔ اور یوں امت روایات میں اور حقیقت خرافات میں کھو گئی۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ان فرقوں کے عقائد میں سے ان شاعرانہ تصورات کو نکال دیا جائے تو یہ کھوکھلے ہوجائیں۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ تاریخ کے اوراق پر نظر ثانی کی جائے۔ ایک ایک واقعے کی چھان پھٹک کی جائے۔ اور از سر نو مواد تاریخ اسلام کو تاریخ اسلام کے قالب میں ڈھالا جائے۔ اس ضمن میں وہ علامہ محمود احمد عباسیؒ اور ان کے رفقاء کی محققانہ کاوشوں کے مدّاح تھے۔ کہ جنھوں نے نہایت دلیری سے صدیوں کے طلسم کو توڑ کر تحقیق وجستجو کی راہیں وا کی تھیں۔ حیات مسیحؑ، ظہور مہدی، جادو برحق، ایصال ثواب، حیات النبیؐ اور شفاعت وغیرہ جیسے موضوعات پر وہ اپنا مؤقف آیات قرآن حکیم پڑھ کر بیان کرتے۔ عذاب قبر کے حوالے سے ان کا نظریہ آیات قرآن حکیم پر مبنی تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ سورۃ المؤمن

آیت :۱۱ میں واضح طور پر دو زندگیوں اور دو موتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ البقرہ، آیت :۲۸ میں بھی دو زندگیوں اور دو موتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ المومنون، آیات :۱۲ تا ۱۶ میں انسانی تخلیق کے مختلف مرحلوں، زندگی، موت اور پھر روز قیامت کو اٹھا کھڑا کرنے کا ذکر ہے۔ اسی طرح روز قیامت کو ہی جزاء و سزا کے لئے میزان قائم کی جائے گی۔ ان واضح آیات قرآن حکیم کی موجودگی میں انسانی موت اور روز قیامت کو زندہ کئے جانے کے درمیانی عرصے کو ایک ''زندہ جہان'' کیوں قرار دیا جاتا ہے۔ اور پھر یہ بھی کہ قرآن حکیم میں کسی ایک بھی جگہ ''عذاب قبر'' کا ذکر نہیں کیا گیا؛ اس کے باوجود یہ لوگ روایات کا سہارا لیکر ایک تیسری زندگی پر کیوں اصرار کرتے ہیں؟ آپ سورۃ آل عمران کی آیت :185 کی تلاوت فرمایا کرتے تھے'' ہر تنفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور تم کو قیامت کے دن تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تو جو شخص آتش جہنم سے دور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا۔ اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔''

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ اصحابؓ رسول کے زبردست مداح تھے۔ حُب صحابہؓ ان کے ہر قول سے مترشح ہوتی تھی۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی کے ایثار و قربانی سے بھرپور واقعات بیان کرتے ہوئے وہ آبدیدہ ہو جاتے کہ انہوں نے نہایت نازک اور مشکل وقت میں دعوت حق قبول کی۔ اور پھر اس پر استقامت دکھائی۔ فرمایا کرتے تھے کہ صحابہؓ نزول وحی کے شاہد تھے۔ صحابہؓ اعمال نبوی کے گواہ تھے۔ صحابہؓ گلشن اسلام کی بنیادوں میں اپنا لہو بہانے والے تھے۔ ان کے جنتی ہونے کی قرآن گواہی دیتا ہے۔ اس لئے حدیث و تاریخ کی کسی بھی کتاب میں اگر ان کے حوالے سے کوئی بھی کمزور اور ہلکی بات نظر آئے، اسے فوراً رد کر دو۔ فرمایا کرتے تھے کہ انبیاء کرام علیہم السلام، امہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان میں گستاخی پر مبنی کسی بھی روایت کی تاویل نہ کیا کرو۔ اگر چہ اس کے رواۃ ''ثقہ'' ہی کیوں نہ ہوں یا روایت و روایت کے اصولوں پر وہ پوری بھی اترتی ہو۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر صحابہ کرامؓ کو درمیان سے نکال دو گے تو اسلام کی عمارت دھڑام سے زمین بوس ہو جائے گی۔ کیونکہ اس ہی مقدس جماعت نے اپنی جانوں اور مالوں سے اسلام کی رفیع الشان عمارت تعمیر کی ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ایسی

کتابیں جن میں صحابہ کرامؓ کی آپس میں ''دشمنیوں'' کونمایاں کیا گیا ہے؛ وہ اسلام دشمنوں کی مرتب کی ہوئی ہیں۔کیونکہ صحابہ کرامؓ خود قرآن کی زبان میں ''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' کی تصویر تھے۔قرآن انہیں آپس میں رحم دل کہتا ہے تو ان کے درمیان ذرا ذرا سی بات پر ہزاروں انسانوں کے قتل کے واقعات اس آیت قرآن کی نفی کرتے ہیں۔اس لئے یہ تاریخ کی داستانیں تو ہوسکتی ہیں،آخری نبیؐ کے تربیت یافتہ جاں نثاروں کے سچے واقعات نہیں۔فرمایا کرتے تھے کہ صحابہؓ کے ساتھ ساتھ تابعینؒ کی خدمات بھی تاریخ اسلام کا اثاثہ ہیں۔تابعینؒ میں وہ امیر حجاج بن یوسف ثقفیؒ کا ذکر بہت احترام کے ساتھ کرتے۔ان کی طرف سے قرآن کریم پر اعراب لگانے کے کارنامے سے لے کر خوارج کے خاتمے تک اور امیر محمد بن قاسمؒ کی فتوحات سندھ سے امیر مہلب بن ابی صفرہؒ اور امیر قتیبہ بن مسلم باہلیؒ کی ترکستانی علاقوں میں ترکتازیوں تک کے واقعات کو نہایت بلیغانہ انداز میں بیان کرتے۔موصوف کی طرف منسوب ظلم کی داستانوں کا نہایت مؤثر انداز میں رد کرتے۔اور فرمایا کرتے کہ اگر امیر حجاج بن یوسف ثقفیؒ جیسا غیرت مند حکمران آج مسلمانوں کو میسر ہوتا تو وہ ہر جا کفریہ طاقتوں کے مظالم کا تختۂ مشق نہ بنتے۔غرض ان کی خواہش تھی کہ مسلمان تحقیق و جستجو کے میدان میں آگے آئیں۔اور اوراق تاریخ پر جمی صدیوں کی گرد صاف کر کے روشن اسلام، محسنین اسلام اور سچی تاریخ اسلام کو اجاگر کریں۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کا ایک اور خاص موضوع مجاہدین اسلام کے کارنامے تھا۔وہ اپنے خطبات میں کفر و اسلام کی آویزش کا تذکرہ کرتے۔غیرت مند مسلمان حکمرانوں کی کفریہ طاقتوں کے خلاف معرکہ آرائیوں کو موضوع بناتے۔خصوصی طور پر ہلال و صلیب کے معرکے ان کے خطبات کا حصہ ہوتے۔وہ سلطان عمادالدین زنگیؒ، سلطان نورالدین زنگیؒ، سلطان صلاح الدین ایوبیؒ اور الملک العادلؒ کے عہد کی جاں فروشیوں کو اتنے مؤثر انداز و پیرایہ میں بیان کرتے کہ سننے والوں پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی۔وہ نہایت تفصیل کے ساتھ نصرانی و صہیونی طاقتوں کی اسلام دشمنی کو نمایاں کرتے۔اور ان کے مقابل صف آرا ہونے والوں کی جرأتوں کو سلام کرتے۔ان کے نزدیک عالم اسلام کے شروع سے ہی اصل دشمن نصرانی و صہیونی تھے۔اور مسلمانوں کی تمام بڑی جنگیں نصرانی و صہیونی قوتوں کے خلاف ہی لڑی گئیں۔عہد

Marfat.com

صحابہؓ میں قیصر کے خلاف بڑی جنگوں سے لے کر بحر روم کے سینے پر لڑی جانے والی بحری جنگوں تک، قبرص ورہوڈس کی جنگوں سے لیکر ہلال وصلیب کی جنگوں تک، صلیبی جنگوں سے لے کر عثمانیوں کی رزم آرائیوں تک، ہر جگہ ہلال وصلیب کے معرکے ہی نظر آتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نہایت دلسوزی کے ساتھ اندلس میں مسلمانوں کے زوال اور عیسائیوں کے مظالم کو بیان کرتے، وہ مسلمانوں کے اندلس سے انخلاء اور ان پر توڑے جانے والے لرزہ خیز مظالم کو بیان کرتے تو سننے والے تڑپ اٹھتے۔ اور پھر وہ فخریہ انداز میں سلطان مراد اول کے ہاتھوں دریائے ماریزیا ماریتز کے کنارے ہنگری، پولینڈ، بوسنیا، سربیا اور والیشیا کے بادشاہوں کے زیر کمان عیسائیوں کی متحدہ طاقت کو شکست فاش سے دوچار ہوتے ہوئے اپنے خطبات میں بیان کرتے۔ وہ الپ ارسلان کی شجاعت و دلیری، بیدار مغزی اور تقویٰ کا ذکر کرتے۔ اور پھر سلیمان عالی شان کی عظمتوں کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے۔ وہ اپنے خطبات میں سلطان محمود غزنویؒ، شہاب الدین غوریؒ اور ناصر الدین محمودؒ اور اورنگ زیب عالمگیرؒ کی رزم آرائیوں، بزم بیتیوں اور عدل وانصاف کے قصے سناتے۔ اور پھر وہ سراج الدولہ، ٹیپو سلطان، شاہ اسماعیل وسید احمد شہید، علماء صادقپور اور اسیر مالٹا واحرار کی جاں سپاریوں سے اپنی خطابت کو سجاتے۔ وہ چمرقند وستھیانہ اور ملکانہ و بونیر کے جنگی میدانوں کا اس طرح نقشہ کھینچتے کہ ان کے سامعین اپنے آپ کو ماضی کے واقعات کا حصہ تصور کرتے۔ وہ اپنے آپ کو ان کے ساتھ تاریخ کے جھروکوں میں سے نہ صرف جھانکتا ہوا محسوس کرتے۔ بلکہ وہ چشم تصور میں مسلمانوں کے عروج وزوال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے۔ ان کی گفتگو اتنی مدلل ہوتی کہ استعمار کے خلاف برسر پیکار ہر فرد اور جماعت کے لئے سامعین کے دلوں میں احترام کے جذبات موجزن رہتے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ بنیادی طور پر ایک سامراج دشمن مسلمان رہنما تھے۔ وہ استعمار سے شدید نفرت کرتے تھے۔ بلا تفریق مذہب وملت وہ استعمار دشمنوں کو پسند کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ آج کی دنیا کے تمام مسائل کی جڑ استعماری طاقتیں ہیں۔ ان کے نزدیک امریکہ و یورپ سیاسی و معاشی طور پر انسانیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ استعمار سے نفرت کو وہ ایمان کا جزو قرار دیا کرتے تھے۔ اپنی تقاریر میں مصر کے مرحوم صدر جمال عبدالناصرؒ کا ایک قول اکثر سنایا کرتے تھے کہ اگر سمندر کی عمیق تہ میں بھی

Marfat.com

دو مچھلیاں آپس میں برسر پیکار ہوں تو سمجھو کہ اس میں بھی سیاست افرنگ کارفرما ہے۔ امیر شریعتؒ اور احرار کے شعلہ نوا شاعروں وخطیبوں کے اشعار واقوال اکثر دہرایا کرتے۔ اور ان کے جیل وریل کے واقعات سے اپنے سامعین کی معلومات میں اضافہ کیا کرتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر برصغیر کے لوگ احرار کے خلوص، حب وطن اور خدمات اسلام کی قدر کرتے اور فرنگی مراعات یافتہ ٹوڈیوں کے ہاتھوں میں کھلونا نہ بنتے تو آج برصغیر کی تاریخ مختلف ہوتی۔ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے دل میں ہمیشہ استعمار سے نفرت رکھو۔ استعمار کبھی انسانیت کو فائدہ نہیں پہنچنے دیگا۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دنیا کے کسی بھی خطے میں حق و باطل کا معرکہ بپا ہو تو ہمیشہ، بلا تامل، امریکہ و یورپ مخالف صف میں کھڑے ہو جاؤ۔ یقیناً یورپ و امریکہ مخالف قوم ہی حق پر ہوگی۔ اپنی تقریروں میں جمال عبدالناصرؒ کی زبردست مدح وستائش کرتے اور ان کے خلاف لگائے جانے والے الزامات کا جواب دیتے۔ عراق۔ امریکہ جنگ کے دوران میں صدر صدام حسین کے حق میں معرکہ آرا تقاریر کیں۔ اور استعمار مخالف جذبات کو لوگوں کے دلوں میں زندہ رکھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ میری زندگی کی بڑی خواہشوں میں سے ایک بڑی خواہش یہ بھی ہے کہ مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑنے والی سلطنتوں کو بکھرتا ہوا دیکھوں۔ وہ اسرائیل کے وجود کو اس دھرتی پر کلنک کا ٹیکہ قرار دیتے تھے۔ اور ان کے نزدیک اس ناجائز ریاست کو اس دھرتی پر قائم ہی نہیں رہنے دینا چاہئے۔ وہ سمجھتے تھے کہ آج کی دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ القدس پر ''صہیونی ونصرانی قبضہ'' ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مسلمان متحد نہ ہوئے اور انہوں نے اپنے ہاں سے ملوکیت وآمریت کے روپ میں نصرانی وصہیونی مہروں سے نجات حاصل نہ کی تو شاید مسلمان صدیوں تلک غلامی کی تاریک رات میں بھٹکتے رہیں! لیکن ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ اور مسلمانوں کو آنے والے خطرات کا ادراک کرنا چاہئے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے 1953ء اور 1974ء کی تحاریک ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا۔ حزب مخالف کے ہر چھوٹے بڑے جلسے جلوس میں آپ نے شرکت کی۔ سیاسی طور پر پہلے مجلس احرار اسلام سے متاثر تھے۔ پھر جمعیۃ علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے مختلف تحریکوں میں شرکت کرتے رہے۔ 1977ء میں تحریکِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے نام سے تحریک شروع ہوئی۔ تو آپ نے اس تحریک میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ

Marfat.com

لیا۔ خواجہ محمود احمد منٹو مرحوم کے گھر میں حزب اختلاف کے رہنماؤں کا ایک اجلاس ہو رہا تھا۔ پولیس نے وہاں سے 28 رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ بھی جمعیۃ علماء اسلام کی طرف سے اس نمائندہ اجلاس میں شریک تھے۔ آپ کو DPR-32، DPR-49 اور MPO-16 وغیرہ کے تحت گرفتار کیا گیا۔ آپ پر چھ مقدمات قائم کئے گئے۔ پہلے آپ کو پولیس سٹیشن سول لائنز اور پھر ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی لے جایا گیا۔ آپ نے 33 دن تک سنت یوسفیؑ ادا کی اس دوران آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ آپ قطعاً پریشان نہ ہوئے۔ اس سارے عرصے کے دوران میں آپ سے اہل خانہ کے کسی بھی فرد کی ایک لمحے کے لئے بھی ملاقات نہ ہونے دی گئی۔ جیل میں آپ نے امامت صلوٰۃ کے فرائض بھی ادا کئے۔ اور درس قرآن سے جیل کے ساتھیوں کے دلوں کو بھی گرمائے رکھا۔ اور انہیں حوصلہ عطا کیا۔ آپ نے سختی کے ساتھ، رہائی کے لئے، سرکاری پارٹی سے سفارش وامداد حاصل کرنے سے منع کر دیا۔ اپنے زمانۂ اسارت میں آپ نے راقم السطور کے نام کچھ خطوط لکھے، جن میں جیل کی زندگی کے مشاہدات کو قرطاس پر منتقل کیا۔ آپ کے مشاہدے کے مطابق جیل، ریاست کے اندر ایک ریاست ہوتی ہے۔ جہاں عمومی طور پر ظلم کا قانون رائج ہوتا ہے۔ وہاں پر کھلنے والے گلاب کے پھولوں میں بھی خوشبو نہیں ہوتی۔ ظلم و جبر کے باعث ہر طرف نحوست ہوتی ہے۔ اخلاقی مجرموں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا ہے لیکن سیاسی قیدیوں کے ساتھ کسی حد تک رعایت بھی برتی جاتی ہے۔ آپ نے جیل کی زندگی کو اپنا قیمتی اثاثہ اور رضائے رب سمجھا لیکن کبھی کیش نہ کرایا۔ حالانکہ ان 33۔ دنوں کی اسیری کے باعث معاشی نقصان بھی بہت ہوا۔ جس کا ازالہ ایک طویل عرصے تک نہ ہو سکا۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ مدارس دینیہ کے موجودہ نظام سے مطمئن نہ تھے۔ ان کے خیال میں مدارس کے نصاب کو عصری تقاضوں کے مطابق تبدیل ہونا چاہئے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مدارس کے موجودہ نظام و ماحول نے مسلمان بچوں کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیا ہے۔ معصوم بچوں کو ایک طرف تو رسول اللہؐ کے مہمان کہا جاتا ہے۔ لیکن دوسری طرف ان کے لئے اور ان سے جس گداگری کے انداز میں چندے مانگے جاتے ہیں، ان سے کھالیں اکٹھی کرائی جاتی ہیں، ان کے لئے خیرات وصدقات مانگے جاتے ہیں؛ وہ

مناسب نہیں۔ یہ سب کچھ دینِ اسلام کے طالبان کی توہین کے مترادف ہے۔فرمایا کرتے تھے کہ مدارس دینیہ کے طلباء کے لئے تو موسم کی مناسبت سے باوقار لباس تک نہیں ہوتا۔لیکن ان مدارس کے مہتممین کی گاڑیوں،کوٹھیوں اور عینکوں وقراقلی ٹوپیوں اور عباؤں قباؤں سے نظریں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ یہ انبیاء کے وارث رسول اللہ کے مہمانوں کے نام پر چندے جمع کر کے کیونکر یورپ و امریکہ کے اسفار پر ہر سال چلے جاتے ہیں۔ ہر سال حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔اور بار بار عمرہ کے لئے عازم مکہ و مدینہ ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ چندے یہ خیراتیں، یہ صدقے یہ عطیئے ان کے لئے نہیں ہوتے۔ان پر ان کا کوئی حق نہیں ہوتا۔اگر کوئی ان کی ان اداؤں پر مہر تصدیق ثبت نہ کرے تو اس کے خلاف گمراہی وکفر کے فتوے جاری کرنے کے لئے یہ سب متحد ہو جاتے ہیں۔اس سلسلے میں آپ علامہ شبلی نعمانیؒ کی مشہور تصنیف ''الغزالی'' (سوانح امام محمد بن محمد الغزالی) کے ایک اقتباس کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ جو آپ نے نشان زد کیا ہوا تھا......... ''یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ امام صاحب بچوں کو صلہ و انعام کے قبول کرنے سے باز رکھنے کی تاکید کرتے ہیں۔افسوس ہمارے زمانے کی عربی مدرسوں کی بنیاد اسی پر قائم ہے۔ کہ طلباء کو آج فلاں شخص نے قربانی کی ایک کھال عنایت کی،فلاں شخص نے کپڑوں کی دھلائی کے لئے پیسے دیئے۔فلاں شخص نے روٹیاں بھیج دیں۔طرّہ یہ کہ یہ واقعات مدارس کی سالانہ رپورٹ میں تفصیل کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔اس قسم کی تربیت سے دنائت اور پست حوصلگی کے سوا اور کیا امید کی جاسکتی ہے۔چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑنا،ذرا ذرا سی بات پر تکفیری فتوے دینا،نذر و نیاز پر گزارہ کرنا،عوام کے مذاق کا پابند رہنا۔ یہ سب اسی تعلیم و تربیت کے نتائج ہیں۔'' ...... حضرت مولانا عبدالعزیزؒ،علامہ محمد اقبال کے بہت مداح تھے۔اور اس ضمن میں حضرت علامہ کے یہ اشعار جو اخبار کشمیری میں 20۔دسمبر 1927ء کو شائع ہوئے،پڑھا کرتے تھے:

یہ مکتب یہ اسکول یہ پاٹھ شالے
یہ تکیے یہ مندر یہ گرجے شوالے
یہ پنڈت یہ بنیئے یہ مُلا یہ لالے
یہ سب پیٹ ہیں اور ہم تر نوالے

Marfat.com

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ روایتی خطیبوں کی طرح نہ تھے۔ان کی تقریر پھسپھسی دار نہ ہوتی۔ان کا انداز دل کو موہ لینے والا اور مؤثر ہوتا۔وہ آیات قرآن حکیم سے اپنی تقریر کا آغاز کرتے۔ان کی تقریر دلائل سے مرصع ہوتی۔موقع محل کی مناسبت سے عموماً علامہ محمد اقبال، خواجہ الطاف حسین حالی اور اکبرالہ آبادی کے اشعار بھی پڑھتے۔ان کی تقریروں میں امید کا پیغام ہوتا۔مایوسی کی بات نہ کرتے۔اپنی تقریر میں جھوٹے واقعات، خودساختہ روایات اور وضعی اقوال کو بیان نہ کرتے۔کتمان حق نہ کرتے۔سرمایہ داروں، اور بااثر لوگوں اور مذہبی متکبروں کی خوشامد نہ کرتے۔نہایت سادہ انداز میں مربوط گفتگو کرتے۔ٹھہر ٹھہر کر بولتے۔ایک خطبے کے لئے ایک ہی موضوع کا انتخاب کرتے۔مائیکروفون پر چیخ چیخ کر نہ بولتے۔نہایت متانت اور سنجیدگی و وقار کے ساتھ منبر پر بیٹھتے۔لوگوں کے جذبات سے نہ کھیلتے۔ہمیشہ سچی بات کہتے۔جو بات کہتے اس پر آخری لمحے تک قائم بھی رہتے۔انہوں نے منبر اور قول حق کی حرمت پر کبھی آنچ نہ آنے دی۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ بہت علم دوست شخصیت تھے۔اہل علم کے بہت بڑے قدردان تھے۔اہل علم کی مجلس میں بہت خوش ہوتے۔ان کی خواہش تھی کہ علم کے سوتے ان کے گھر سے بھی پھوٹیں۔مطالعے اور تصنیف وتالیف کی طرف راقم السطور کا رجحان دیکھ کر کچھ نہ کچھ لکھنے کے لئے حوصلہ افزائی کی۔اخبارات و رسائل میں میرے مضامین شائع ہوتے، تو خوش ہوتے۔بہت عرصہ پہلے "ولادت رسول مقبولؐ اور عصر حاضر کے مسلمانوں کا ہدیۂ سپاس" کے عنوان سے میرا ایک کتابچہ کتابت کیا۔اور نہایت ذوق وشوق سے اس کی اشاعت کے تمام مراحل کو خود ہی طے کیا۔........... شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ سے یک گونہ خاص تعلق تھا۔شیخ القرآنؒ فوت ہوئے، تو مجھے مرحوم کے بارے میں بنیادی معلومات بہم پہنچائیں۔اور حکم دیا کہ شیخ القرآنؒ کے شایان شان فوری طور پر ایک کتاب ضبط تحریر میں لاؤ۔چنانچہ راقم السطور لکھتا رہا اور وہ کتابت کرتے رہے۔رات دن مسلسل۔انہوں نے اپنا شب و روز کا آرام تج دیا۔چنانچہ شیخ القرآنؒ کی یاد میں، ان کی وفات سے صرف تیرہ دن بعد، دارالعلوم تعلیم القرآن میں ایک جلسہ تھا۔میں نے کتاب لکھی، حضرت مولانا عبدالعزیزؒ نے کتابت کی۔شیخ القرآنؒ کی تصاویر سے کتاب کو سجایا، پیسٹنگ کی۔اور نہ صرف کتاب شائع کرادی بلکہ تعزیتی جلسے میں پیش بھی کردی۔یہ شیخ القرآن پر پہلی کتاب

Marfat.com

تھی.........مصر کے مرحوم صدر جمال عبدالناصرؒ سے آپ کو خاص عقیدت تھی۔ جس سرفروشی کے ساتھ، برطانیہ، فرانس، اسرائیل اور مغرب کے خلاف انہوں نے قیام کیا، معرکۂ سویز میں پامردی دکھائی اور اسلام کے لئے سنہری خدمات انجام دیں۔ اور مغرب کی سازشوں کو جس حکمت عملی سے انہوں نے ناکام بنایا؛ اس سے ہمارے مغرب زدہ با اثر طبقات اور سادہ لوح عوام ناآشنا تھے۔ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ، جمال عبدالناصرؒ کو عالم اسلام کا بطل جلیل، عربوں کی نشأۃ ثانیہ کا عظیم عملبردار اور وادئ نیل کا قابل فخر فرزند کہا کرتے تھے۔ راقم السطور نے آپ کی ہی فرمائش پر، تقریباً سات سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب ''مجاہد کبیر جمال عبدالناصرؒ'' لکھی۔ طباعتی وسائل کی عدم دستیابی کی بناء پر اس کتاب، کا شائع ہونا مشکل نظر آیا.........تو 15۔ جنوری 1980ء کو مرحوم کے 62۔ ویں یوم ولادت کی مناسبت سے ایک مختصر کتاب ''عظیم مشرقی رہنما جمال عبدالناصرؒ'' شائع کی۔ یہ کتاب بھی آپ نے ہی کتابت کی.........امیر حجاج بن یوسف ثقفیؒ کے حوالے سے آپ کی فکر روایتی ''علماء'' سے مختلف تھی۔ آپ کے نزدیک امیر حجاجؒ ایک عظیم مسلمان فاتح تھے۔ وہ مسلمانوں کے محسن تھے۔ اور ان کو بدنام کرنے کے لئے اسلام دشمنوں نے بہت سے افسانے تراشے۔ جنھیں بعد میں جمودی لکھاری اپنی کتابوں میں جگہ دیتے چلے گئے۔ لاہور کے ایک ہفت روزہ ''ترجمان اسلام'' میں ایک ''خطیب اسلام'' نے امیر حجاج بن یوسف ثقفیؒ کے بارے میں ایک مضمون لکھا۔ کہ ان کے ہاتھوں ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہؓ و تابعینؒ شہید ہوئے۔ راقم نے اس کے جواب میں مضمون لکھا تو بہت پسند کیا۔ اور فرمایا کہ میری طرف سے یہ بھی اضافہ کرو کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہؓ و تابعینؒ تو رہے ایک طرف، صرف پچاس صحابہؓ کے ہی نام بتادو، راقم نے چار قسطوں میں مضمون لکھا۔ مگر متعلقہ رسالے کے منتظمین نے کچھ مصلحتوں کے تحت مضمون شائع کرنے کا سلسلہ منقطع کردیا۔ حضرت مولاناؒ نے مجھے اس موضوع پر مزید تحقیق کرنے کے لئے فرمایا۔ چنانچہ ایک عالیشان ریسرچ ورک ''امیر حجاج بن یوسف ثقفیؒ'' کے نام سے موصوف کے سوانح و کارناموں اور اعتراضات کا علمی و مدلل جواب کئی برسوں کی محنت سے تیار ہوگیا۔ اس کا کچھ حصہ حضرت مولاناؒ کا کتابت کیا ہوا ہے.........ستر کے عشرے میں زیڈ۔ اے۔ سلہری مرحوم نے مسئلہء قومیت کے ضمن میں مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا ابو

Marfat.com

الکلام آزادؒ کے خلاف ایک روزنامے میں مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ اس کے جواب میں، میں نے حضرت مولانا کے ہی حکم پر، ''دو عظیم رہنما'' کے عنوان سے ساڑھے چھ سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب لکھی، اس کی کتابت بھی آپ نے ہی کی۔ یہ کتاب آزادئ برصغیر کے موضوع پر ایک خوبصورت کتاب ہے۔ مالی وسائل مہیا ہونے پر زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر جلوہ آرا ہوگی۔ تو ایک ریفرنس بک قرار دی جائے گی.......... آپ کی آخری یادگار کتابت میں سے راقم کی مرتب کی ہوئی ایک کتاب ''اجالوں کے سفیر'' ہے۔ جو پانچ صد سے زائد مناقب اصحابؓ رسولؐ کا انتخاب ہے۔ یہ کتاب بہت جلد زیور طباعت سے آراستہ کی جائے گی' ان شاءاللہ۔.......... آپ کی ہی فرمائش پر راقم السطور کا ایک علمی و تحقیقی کام انساب کے حوالے سے ہے۔ ''الشجرات الکبریٰ'' کے عنوان سے۔ انساب رسول پر تاریخ کی یہ سب سے بڑی کتاب ہوگی، بحمد اللہ۔ جس میں بارہ ہزار سے زائد اشخاص کی، رسول اللہؐ سے بائیس پشت اوپر اور ایک ہزار سال بعد تک کی رشتہ داری Tabular form میں ظاہر کی گئی ہے۔ حضرت مولانا راقم کے اس تحقیقی کام پر بہت فخر فرمایا کرتے تھے۔.......... درحقیقت یہ تمام تصانیف آپ کی ہی کاوشوں اور توجہات کا نتیجہ ہیں۔ اور آپ کی ہی فکر کی ترجمان ہیں...... جب آپ کے مخالفین نے مسئلہ عذاب و ثواب قبر کی آڑ میں کفریہ فتووں، سازشوں اور کردار کشی کی ایک منظم مہم کو بام عروج پر پہنچادیا۔ تو راقم السطور نے ''حقیقت حیات و ممات'' کے عنوان سے آیات قرآن حکیم کی روشنی میں ایک کتاب لکھی۔ 188 صفحات پر مشتمل اس کتاب کی آپ نے کتابت فرمائی اور اشاعت عام کا اہتمام فرمایا.......... جب آپ کے مخالفین نے آپ کے خلاف ایک خطرناک اتحاد قائم کر لیا۔ اور عدالت میں ایک جھوٹا بیان داخل کرایا۔ جس کے مطابق مسجد ''الفاروق'' کو ان سوداگران حرم نے اپنی ذاتی جائیداد کے طور پر پیش کیا۔ تو راقم نے ''روشن حقائق'' (حصہ اول) کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔ جس میں حقائق ہی حقائق تھے۔ حضرت مولانا نے اس کتاب کی بھی کتابت کی.......... حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کی خواہش تھی کہ ایک علمی' ادبی و تحقیقی رسالہ جاری کیا جائے۔ جو ہندوستان کے ''برہان''، ''معارف'' اور ''بصائر'' کے انداز کا ہو، چنانچہ راقم نے ''روشن حقائق'' کے ہی عنوان سے ایک رسالہ شروع کیا۔ پہلا شمارہ منظر عام پر آیا۔ تو علمی حلقوں میں اس کی بہت پذیرائی

Marfat.com

ہوئی۔لیکن بے پناہ مصروفیات نے یہ سلسلہ جاری نہ رہنے دیا.......... جب کافرگروں کا زور بڑھتا چلا گیا۔ تو حضرت مولاناؒ کے حکم پر ایک کتاب مرتب کی گئی۔جس کا نام ''تحفۃ للمکفرین'' تجویز ہوا۔اس کتاب میں کافرگری کی تاریخ کو ایک منفرد انداز میں یکجا کیا گیا ہے۔ یہ بھی ایک معرکہ آراء کتاب ہوگی.......... غرض یہ کتابیں اشاعت کے مراحل طے کرنے کے بعد باذوق افراد کے ہاتھوں میں پہنچیں گی تو فکر وشعور کے نئے نئے ابواب رقم ہوں گے۔اور تحقیق وجستجو کی نئی نئی راہیں واہوں گی۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ اپنے عہد کے ایک عظیم خطاط تھے۔آپ مختلف زبانوں میں خطاطی کرتے۔ عربی، فارسی، اردو، پنجابی، گوجری اور پشتو کتابوں کی آپ نے خطاطی کی۔ بلا مبالغہ پورے برصغیر میں آپ نے سب سے زیادہ خالص ایرانی نستعلیق میں خطاطی کی۔ نسخ، ثلث اور لاہوری نستعلیق کو بھی آپ نے زینت بخشی۔ دور دور سے اہل علم باذوق حضرات آپ سے اپنی کتب و رسائل اور اشتہارات کی خطاطی کرانے کے لئے تشریف لاتے۔آپ نے تحریری حسن کاری کو، جو مسلمانوں کا فن اور ورثہ سمجھا جاتا ہے، ایک نئے اور انوکھے انداز سے جلا بخشی۔آپ نے مسلمانوں کے اس فن کو زندہ رکھا کہ جس نے مصوری و تصویر کشی پر پابندی کے باعث مصورانہ صلاحیتوں کو تحریری حسن کاری کا روپ عطا کیا۔آپ کی تحریری حسن کاری کے نمونوں پر مشتمل ایک خوبصورت کتاب، ''آثارِ حضرت مولانا عبدالعزیز خطاط'' کے عنوان سے جلد ہی، انشاءاللہ، زیورِ طباعت سے آراستہ کر کے آپ کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ ایک صاحب مطالعہ شخصیت تھے۔آپ کے تبحر علمی کا اعتراف ملکی و غیر ملکی دانشور بھی کرتے تھے۔آپ سے ملاقات کے لئے تشریف لانے والے اصحاب آپ کی مدلل گفتگو سے متاثر ہو کر دوبارہ ملاقات کی تمنا دل میں سجائے رکھتے۔آپ احباب کو کتابوں کے تحائف پیش کرتے۔آپ نے اپنی ذاتی لائبریری میں ہزاروں کتابیں جمع کیں۔ نہ صرف جمع کیں بلکہ ان کا مطالعہ بھی کیا۔ فارغ وقت میں وہ مطالعہ کرتے۔ کتاب سے آپ کو بے پناہ محبت تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ جس گھر میں کتاب نہیں، وہ ویران گھر ہے۔ وہ دوست احباب کو تلقین کیا کرتے تھے کہ کتابیں پڑھا کریں۔ کتابیں خریدیں اور ذاتی لائبریری قائم کریں۔آپ کے آثار میں سے، آپ کی ذاتی لائبریری، دار بنی عبدالعزیز کے مکینوں اور ان

کے آنے والے مہمانوں کو ہمیشہ آپ کی یاد دلاتی رہے گی۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کو مسجد الفاروقؓ سے ایک خاص اُنس و تعلق تھا۔ جب آپ کی عمر سولہ سترہ برس تھی، تو آپ نے یہاں پر امامت و خطابت کے فرائض انجام دینے شروع کئے۔ اور پھر اپنی زندگی کے پچاس قیمتی برس اس مسجد کی نذر کر دیئے۔ آپ نے اس مسجد کو علاقے میں توحید کا سب سے بڑا مرکز بنا دیا۔ دور دور تک اس مسجد کی پہچان توحید تھی۔ اس مسجد کی توسیع میں آپ نے بے پناہ دلچسپی لی۔ آپ اپنی مصروفیات میں سے، خصوصی طور پر، مسجد کی تزئین و آرائش کے لئے وقت نکالتے۔ اس مسجد کی ایک ایک اینٹ آپ کی نگرانی میں نصب ہوئی۔ اس مسجد کے محراب پر کندہ ایک ایک گل و بوٹے سے مرصع نقش آپ کے ذوق کا عکس ہے۔ اس مسجد کی دیواروں پر کندہ گل کاری اور آیات مقدسہ کا انتخاب اور رنگوں کا حسین امتزاج آپ کے حسن ذوق کی گواہی دیتا ہے۔ اس مسجد میں سہولیات کی بہم رسانی اور تزئین و آرائش کے لئے آپ کی آواز پر اہل محلہ نے ہمیشہ لبیک کہی۔ آپ پر اعتماد کا اظہار کیا۔ اور آپ کا مان رکھا۔ کچھ بااثر کروڑوں پتی سرمایہ داروں، تبلیغیوں اور کافر گروں نے ایک سازش کے تحت اس علاقے کے اس سب سے بڑے مرکز توحید کو کمزور کر دیا۔ اور اسے سازشوں کی آماجگاہ بنا ڈالا۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اس کا فیصلہ، روز قیامت اللہ کے حضور ہوگا۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ رفاہی و سماجی کاموں میں بھی بھرپور حصہ لیا کرتے تھے۔ علاقے کی فلاح و بہبود کے لئے وہ ہمیشہ پیش پیش ہوتے۔ لوگوں کی غمی و خوشی میں شریک ہوتے۔ اور حتی المقدور اپنی ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتے۔ آپ نے ہمیشہ مظلوم کا ساتھ دیا۔ اور ظالم کے مقابل ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ کسی بھی قدرتی آفت کے موقع پر آپ متاثرین کے کام آتے۔ سانحۂ اوجھڑی کیمپ کے موقع پر جب اک قیامت صغریٰ بپا تھی۔ لوگ سڑکوں گلیوں میں بھاگ رہے تھے۔ بڑی بڑی شاہراہوں پر ٹریفک جام تھی۔ ہماری رہائش گاہ کی گلی میں بھی انسانوں کا ایک اژدھام تھا۔ آپ نے اپنے گھر کے دروازے متاثرین کے لئے کھول دیئے۔ مجھے یاد ہے کہ **1971**ء کی جنگ کے دنوں میں ہمارے گھر میں ہمسایہ گھروں کے بچے اور معزز خواتین تشریف لے آتیں۔ آپ ان کے ساتھ اکرام سے پیش آتے۔ اسی طرح اگر کوئی سائل مسجد

Marfat.com

میں آجاتا۔آپ اس کی امداد کے لئے اپیل کرتے۔اسی طرح دور دراز کے مدارس کے ''سفراء'' آتے۔ آپ ان کے لئے خصوصی چندے کی اپیل کرتے۔اور اہل محلّہ بھی ان کو مایوس نہ جانے دیتے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ ایک زندہ دل شخصیت تھے۔ظاہری تصنع و بناوٹ سے کوسوں دور۔متقی، پرہیزگار، پاکیزہ جذبات کے ساتھ پاکیزہ زندگی گزارنے والے، دلیری کے ساتھ سچوں کے ساتھ کھڑے ہو جانے والے۔بحیثیت موحد، مفسر قرآن کریم، محدث، مفکر، محقق، خطیب، خطاط، مجاہد، علم پرور اور سماجی رہنما آپ کو کبھی فراموش نہ کیا جائے گا۔ایک سچے مسلمان اور انسان دوست کے طور پر آپ ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں زندہ رہیں گے۔ ☆

''آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے.اس لئے ہر انسان کو اس کے حصول کے لئے کوشش کرنا ضروری ہے.اگر کوئی چیونٹی بن کر محض دشمن کے کاٹ ہی سکتا ہے تو اُسے ضرور کاٹنا چاہیئے''

(سیّد حسین احمد مدنیؒ)

''صداقت اپنے حامیوں کی کثرت وقلت اور استقامت و تزلزل سے ہمیشہ بے پرواہ رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی.سچ کی کسوٹی اس کے حامیوں کی کثرت نہیں ہے.اس کے لئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ وہ سچ ہے''

(مولانا ابُوالکلام آزاد)

کتاب ''دو عظیم رہنما'' کا ایک ورق۔۔۔حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا انداز خطاطی اور تزئین

دانا، عالم

نتیجۂ فکر
جناب نظام الدین نظامی

آوے یاد پیا عبدالعزیز مینوں جہڑا جگر نوں کر کے فگار ٹریا
سوہنا پھُل انمُل سی دوستی دا، ساری خلق دا ہو کے غمخوار ٹُریا
ہر اک دُکھئے دے غم دا پیال بن کے تھاں تھاں وَنڈدا لُطف تے پیار ٹُریا
کی ہویا اے پنچھیو کون کوئی چھڈ کے روندا سارا گلزار ٹُریا
عقلمند، دلبند، دانا، عالم لے کے دِلاں دا چَین قرار ٹُریا
غیرت مند، دلیر تے مرد مومن، دَس کے جگ تے اُچا کردار ٹُریا
سچا، سخی، صابر، مہربان، ساتھی، عزت دار، انکھیلا، خوددار ٹُریا
اتھوں چاہواں، دعاواں عقیدتاں دے گلے پہن کے پھُلاں دے ہار ٹُریا
اپنی رنگ رنگیلڑی زندگی دے، دَس کے رنگ اولکھ ہزار ٹُریا
بیڑی عمل تے بحرِ جہان وچوں چپُو شوق دے مار کے پار ٹُریا
بہیڑہ دل دا خالی ہے رونقاں توں، ہاسے کھَس کے جِویں دِلدار ٹُریا
ہوئی وَصل دی مَوج بہار رُخصت، دے کے ہِجراں فراق دی یار ٹُریا
لِشکاں مار دے رہن گے بعد اُس دے ایسے علم دے موتی کھلار ٹُریا
اُہدے جانڑ تے ساری خدائی بولی، وفادار ٹُریا وفادار ٹُریا
اَے پر رَسم قدیم جہان دی اے جو دی آیا اِتھے آخر کار ٹُریا
چھڈ گیا نظامی نوں سوچ اندر، اپنا آخری گھار سنوار ٹُریا

Marfat.com

خطّاط العصر

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ

کی

خطّاطی

کے

چند نمونے

تِلْکَ اٰثَارُنَا تَدُلُّ عَلَیْنَا

فَانْظُرُوْا بَعْدَنَا اِلَی الْاٰثَارِ

یہ ہمارے آثار ہیں، جو ہمارا پتہ دیتے رہیں گے

ہمارے بعد اِن آثار کو دیکھ لینا۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ
مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ؕ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ
نَسْتَعِیْنُ ؕ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ
صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ
عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ؏

• سب طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے • بڑا مہربان نہایت رحم والا • انصاف کے دن کا حاکم • (اے اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں • ہم کو سیدھے رستے چلا • ان لوگوں کے رستے جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا • نہ ان کے جن پر غصے ہوتا رہا نہ گمراہوں کے۔

بمناسبت | طبع و نقش اوّل | ربیع الاوّل ۱۴۰۷ ہجری / نومبر ۱۹۸۶ عیسوی

ممتاز عزیز پرنٹرز — سلطانپورہ۔ راولپنڈی

ممتاز عزیز پرنٹرز۔ طباعت میں نقش اوّل، سورۃ الفاتحہ،

کتابت: حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، آج سے 17 برس پہلے۔

Marfat.com

حمد و سپاس افزون از عدد و شمار مر صانعِ کریمی را، جلّ جلالہٗ،
کہ بہ قدرتِ کاملۂ خویش جمیعِ رُسُل و انبیا را ہادی و راہ نمایِ
فرقۂ انام گردانید، و شکر و ستایش بیرون از حدّ و انحصار مر خالقِ
رحیمی را، عمّ نوالہٗ کہ بہ صنعتِ شاملۂ خود مشایخ و اولیا را مقتدا و

ایک فارسی کتاب کا پہلا صفحہ، حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا اندازِ خطاطی

ـــــ ←

ث ان تمام افعال و اعمال کے بارے میں جو کہ اس کی پشت پر کئے گئے ہونگے، جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرت صادق و مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ یہی آیت کریمہ تلاوت فرما کر اپنے صحابہ کرام سے پوچھا اَتَدْرُوْنَ مَا اَخْبَارُهَا ؟ (کیا تم جانتے ہو کہ زمین کی وہ خبریں کیا ہیں جو وہ اس روز بیان کرے گی؟) تو انہوں نے حسب عادت ادب سے عرض کیا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ یعنی اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور اس کا رسول کیونکہ علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کا علم دنیا والوں کے پاس اس کے رسول کے ذریعے ہی آتا ہے، اس لئے وہی بتا سکتے ہیں، تب آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ خبریں یہ ہونگی کہ زمین اس روز ہر مرد اور عورت کے بارے میں یہ گواہی دے گی کہ اس نے فلاں روز میری پشت پر فلاں اور فلاں کام کئے تھے۔ (ترمذی، عن ابی ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ)

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝	اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی تو وہ اسے دیکھ لے گا ۸
سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً	سورۃ عادیات مکی ہے، اور اس کی گیارہ آیتیں ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے
وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝	قسم ہے ان (گھوڑوں) کی جو دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے ۱
فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝	پھر وہ چنگاریاں جھاڑتے ہیں ٹاپ مار کر ۲
فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝	پھر تاخت و تاراج کرتے ہیں صبح کے وقت ۳
فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝	پھر وہ اڑاتے ہیں اس موقع پر گرد و غبار ۴
فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝	پھر وہ اسی حالت میں جا گھستے ہیں کسی لشکر میں ۵
اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝	بلاشبہ انسان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے ۶
وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝	اور وہ خود اس پر گواہ بھی ہے ۷

منزل ۷

ع ۲۲

لے سو وہ اپنے اس قادرِ مطلق مالک کے حکم سے بول پڑے گی، اور انسان کا سب کیا کرایا پوری طرح بیان کر دے گی،

ئه اپنی اپنی قبروں سے میدانِ محشر کی طرف چل پڑیں گے تاکہ اپنے کئے کا بدلہ پا سکیں، گروہ در گروہ، نیک الگ بد الگ، کافر الگ، مؤمن الگ جیسا کہ سورۂ نبأ میں ارشاد فرمایا، يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۝ (جس دن صور میں پھونک مار دی جائے گی اور تم سب فوج در فوج امڈے چلے آؤ گے) نیز دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگ مختلف حالتوں میں پلٹیں گے میدانِ حشر سے اپنے اپنے آخری ٹھکانوں کی طرف، داہنے ہاتھوں والے جنت کی طرف اور بائیں والے دوزخ کی طرف۔ (صفوۃ البیان)

ـه اور زندگی بھر کا ریکارڈ ان کے سامنے رکھ دیا جائے گا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر عمل کی سزا و جزا بھی لازمی ہوگی، کیونکہ یہاں پر لِيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ فرمایا گیا ہے نہ کہ جَزَاءَ اَعْمَالِهِمْ۔

ـه کوئی کمی بیشی ان سے نہ ہوگی۔

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ

لے اگرچہ بعض حضرات نے ان صفات کا موصوف اونٹوں کو قرار دیا مگر آگے جو ضبح یعنی ہانپنے اور ایراء یعنی ٹاپ مار کر آگ نکالنے اور اغارۃ یعنی صبح ہوتے ہی لوٹ ڈالنے اور تاخت و تاراج کرنے کا جو ذکر آیا ہے، وہ گھوڑوں پر ہی صحیح طور سے چسپاں ہوتا ہے نہ کہ اونٹوں پر، اسی لئے صحیح قول کے مطابق ان تینوں صفات کے موصوف گھوڑے ہیں نہ کہ اونٹ، اور یہی رائے ہے جمہور مفسرین کرام کی۔ علیہم الرحمۃ والرضوان۔

ئه ضبح گھوڑے کی سانس کی اس آواز کو کہتے ہیں جو دوڑتے وقت اس کے نتھنوں سے نکلتی ہے جس کو اردو میں ہانپنا کہتے ہیں، اور اس میں انسان کے لئے یہ درسِ عظیم ہے کہ یہ گھوڑا جو خالق نے محض اپنے کرم اور اپنی رحمت و عنایت سے تمہارے کام میں لگا دیا ہے وہ کس قدر جفاکشی اور وفاداری سے تمہاری خدمت انجام دے رہا ہے، یہاں تک کہ جان کی بازی لگانے سے بھی گریز نہیں کرتا، مگر دوسری طرف تم ہو کہ اپنے خالق و مالک پھر صاحب نعمت سے مستفید ہونے کے باوجود اس سے غافل ہو، العیاذ باللہ۔

ـه یعنی ان کے سموں کی چوٹ جب پتھروں پر پڑتی ہے تو اس سے ان کی چنگاریاں نکلتی ہیں، اور قدح کے معنی ہی پتھر پر پتھر مار کر آگ نکالنے کے ہیں اور ایسے پتھر کو جو اس غرض کے لئے دوسرے پر مارا جاتا ہے، قداح یا قداحہ کہا جاتا ہے۔ (صفوۃ البیان)

ـه جیسا کہ لوٹ مار کی قبائلی زندگی میں عموماً ہوتا تھا کہ وہ صبح ہوتے ہی اچانک دشمن پر حملہ کیا کرتے تھے تاکہ اسے سنبھلنے کا موقع نہ مل سکے اور وہ مقابلے کے لئے تیاری نہ کر سکے، اسی لئے ان کے یہاں غارتگری کے الارم کے طور پر جو نعرہ استعمال ہوا کرتا تھا وہ واصباحاہ ہی تھا، اور اسی لئے صبح کے وقت حملہ کرنے کے لئے صبح کا لفظ ہی استعمال ہوا کرتا تھا

حضرت مولانا محمد اسحاق خان صاحب المدنی مدظلہ العالی کی مشہور تفسیر "عمدۃ البیان" کے لئے خطاط العصر حضرت مولانا عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خطاطی کا نمونہ

Marfat.com

(١١) سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ
وَآيَاتُهَا ثَلَاثٌ وَّعِشْرُوْنَ وَمِائَةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ①

الف لام را، یہ ایک ایسی عظیم الشان کتاب ہے جسکی آیتیں محکم کر دی گئیں[1] پھر ان کی تفصیل کر دی گئی[2]، ایک انتہائی دانا اور نہایت باخبر ھستی کی طرف سے ①

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ ②

کہ تم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو[3]، بلاشبہ میں اللہ کی طرف سے تمہارے لئے ڈر سنانے والا بھی ہوں[4] اور خوشخبری دینے والا بھی[5] ②

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ③

اور یہ کہ تم اپنے رب سے معافی مانگو[6] پھر اسی کی طرف رجوع بھی کرو[7] وہ تمہیں ایک خاص مدت تک[8] اچھے سامان زندگی سے بھی نوازے گا[9] اور ہر صاحب فضل کو اس کا فضل بھی عطا فرمائے گا[10] اور اگر تم منہ پھیرے ہی رہے تو میں تمہارے بارے میں ایک بڑے (ہی ہولناک) دن[11] کے عذاب سے ڈرتا ہوں ③

١- نظم و ترکیب اور معانی و مضامین دونوں کے اعتبار سے کہ نہ اس کے ظاہر پر کسی اعتراض کی گنجائش ہے اور نہ اسکے باطن اور معانی کے لحاظ سے کسی شک و شبہ کے لئے کوئی مجال اور نہ کسی اور کتاب سے اس کے منسوخ ہونے کا کوئی سوال ٢- کہ اس کے عقائد، احکام، مواعظ امثال اور اخبار وغیرہ کو چھوٹی بڑی مختلف سورتوں میں اسطرح مفصلاً بیان کر دیا گیا کہ گویا بیش بہا موتیوں کو ایک لڑی میں نہایت عمدگی سے پرو دیا گیا ہے۔ ٣- کہ یہی اس کا وہ مرکزی نقطہ اور بنیادی مضمون ہے جس پر اسکے جملہ مضامین کا مدار و انحصار ہے اور اسی کی تعلیم و تبلیغ پر ہر پیغمبر کو مامور فرمایا گیا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ. ٤- ان لوگوں کے لئے جو ایک اللہ کے سوا اوروں کی پوجا کرتے اور ان کی حاجت روائی و مشکل کشائی کے زعم میں مبتلا ہیں. ٥- ان لوگوں کو جو عقیدۂ توحید سے سرشار اور صرف ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت و بندگی سے مشرف ہوں ٦- اس کفر و شرک اور ان معاصی و ذنوب پر جن کا ارتکاب تم اس سے پہلے کر چکے ہو ٧- آئندہ کے لئے سچی توبہ اور اس پر استقامت کے ذریعے، کما قال تعالیٰ: ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ٨- یعنی تمہاری عمر مقدر تک. ٩- معلوم ہوا کہ نیک اعمال کا کچھ بدلہ اس دنیا میں بھی ملتا ہے اگرچہ اصل اور پورا بدلہ آخرت میں ملے گا، نیز برے اعمال کی کچھ سزا بھی اس دنیا میں بھی ملتی ہے اور مختلف شکلوں میں اگرچہ اصل اور

تفسیر ”عمدۃ البیان“ کے لئے خطاط العصر کی خطاطی کا ایک اور نمونہ

Marfat.com

عمرؓ جری و عمرؓ جرأت و عمرؓ جانباز — عمرؓ قوی و عمرؓ قوت و عمرؓ ممتاز

عمرؓ حدیثِ شجاعت حکایتِ شمشیر — عمرؓ فسانۂ غزوات، قصۂ توقیر

عمرؓ وقارِ قیادت عمرؓ شکوہِ جہاد — عمرؓ مجاہدِ بے باک و بندۂ آزاد

عمرؓ رفیع و عظیم و عمرؓ عروج و فراز — عمرؓ بلند عزائم عمرؓ فلک پرواز

عمرؓ میان سے نکلی ہوئی ننگی تلوار — عمرؓ کی ذات سراپا اشدّاءُ علی الکفار

عمرؓ کا نام شکوہ و جلال کا مظہر — عمرؓ کی شان سزاوارِ عظمتِ منبر

عمرؓ کے نام سے طاغوت لرزہ بر اندام — عمرؓ کی سطوت و ہیبت سے سرنگوں اصنام

عمرؓ بشارتِ شوکت عمرؓ نویدِ ظفر — عمرؓ کے پاؤں تلے تختِ کسریٰ و قیصر

عمرؓ قبول و عمرؓ قابل، عمرؓ مقبول — عمرؓ دعائے پیغمبر، عمرؓ مرادِ رسولؐ

عمرؓ ضیائے حقیقت عمرؓ رسول صفات — عمرؓ اذانِ محبت، عمرؓ نشانِ حیات

عمرؓ سیادتِ اعلیٰ امامتِ کبریٰ — عمرؓ صداقتِ اولیٰ شہادتِ عظمیٰ

عمرؓ خاصۂ خاصانِ مومنینِ کرام — عمرؓ خلیفۂ برحق عمرؓ امیر و امام

عمرؓ مشیرِ پیمبر، عمرؓ سفیرِ نبیؐ — عمرؓ رفیقِ غنیؓ ہے عمرؓ شفیقِ علیؓ

عمرؓ کے نام پر لاکھوں شہادتیں قرباں عمرؓ کی خلافت پر صدہا ولایتیں قرباں

اصحابؓ رسولؐ پر پانچ صد سے زائد مناقب پر مشتمل کتاب ''اجالوں کے سفیر'' میں سے ایک ورق۔ امیر المومنین سید عمر فاروقؓ کے لئے ایک منقبت۔ حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی حیات کے آخری ایام کی آخری کتابت۔

Marfat.com

نسخۂ کیمیاء

مُسلمانو! آج تُم زلزلوں سے ڈرتے ہو کبھی تُم خود ایک زلزلہ تھے. آج اندھیروں سے کانپتے ہو کیا یاد نہیں کہ تمہارا وجود مکمل اجالا تھا. یہ بادلوں کے میلے پانی سے بھیگ جانے کے خیالی تصور سے تم نے اپنے پائجامے چڑھا لئے، وہ تمہارے ہی اسلاف تھے، جو سمندروں میں اُتر گئے۔ پہاڑوں کی چھاتیوں کو چیر ڈالا۔ بجلیاں چمکیں تو اُن پر مُسکرا دیئے۔ بادل گرجے تو قہقہوں سے جواب دیا۔ آندھیاں اُٹھیں تو اُن کے رُخ پھیر دیئے۔ طوفان آئے تو اُن سے کہا کہ تمہارا راستہ یہ نہیں ہے۔ یہ ایمان کی کمزوری ہے کہ شہنشاہوں کے گریبانوں سے کھیلنے والے آج خود اپنے گریبانوں سے کھیلنے لگے ہیں اور خدا سے اس درجے غافل ہوگئے ہیں کہ جیسے اس پر کبھی ایمان ہی نہ تھا۔ عزیزو! میرے پاس تمہارے لئے کوئی نیا نسخہ نہیں ہے. چودہ سو برس پہلے کا وہی پُرانا نسخہ ہے، جس کو کائناتِ انسانی کا سب سے بڑا محسن لایا تھا۔ اور وہ نُسخہ صرف قرآنِ حکیم ہے."

(ابوالکلام آزادؒ)

کتاب "دو عظیم رہنما" کا ایک ورق...... آج سے تقریباً 27 برس پہلے، حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خطاطی اور تزئین کا نمونہ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ الجن

ترجمہ: "اور یہ مسجدیں اللہ کی ہیں اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔"

"الفاروق سٹریٹ" (گلی ۱۷)، سلطانپورہ

راولپنڈی۔ پاکستان

فون: ۸۴۵۳۱۰، ۸۴۳۳۱۱

خطیب جامع مسجد "الفاروق"

"الفاروق سٹریٹ" (گلی ۱۷)، سلطانپورہ

راولپنڈی۔ پاکستان

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے لیٹر پیڈ کے لئے کتابت کئے ہوئے چند الفاظ باضابطہ پیسٹنگ سے پہلے

جامع مسجد "الفاروق"

(مولوی) عبدالعزیز خطاط

نصف صدی تک جس مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیئے: اس مسجد کے نام اور اپنے نام کی نستعلیق میں خطاطی کا ایک انداز

Marfat.com

میرا شجرۂ نسب

"میں ان علمائے حق کا پرچم لئے پھرتا ہوں جو ۱۸۵۷ء میں فرنگیوں کی تیغ بے نیام کا شکار ہوئے تھے، ربّ ذوالجلال کی قسم مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں، لوگوں نے پہلے ہی کب کسی سرفروش کے بارے میں امتیاز سے سوچا ہے، وہ شروع سے تماشائی ہیں اور تماشا دیکھنے کے عادی! میں اس سرزمین میں مجدد الف ثانیؒ کا سپاہی ہوں، شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان کا متبع ہوں، سید احمد شہیدؒ کا نام لیوا اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی جرأت کا پانی ہوں، میں ان باغی مقدمات سازش میں پا بہ زنجیر صلحائے اُمت کے لشکر کا ایک خدمت گذار ہوں جنہیں حق کی پاداش میں عمر قید اور موت کی سزائیں دی گئی تھیں، ہاں ہاں میں انہی کی نشانی ہوں، انہی کی صدائے بازگشت ہوں، میری رگوں میں خون نہیں آگ دوڑتی ہے۔ میں علی الاعلان کہتا ہوں میں قاسم نانوتویؒ کا علم لے کر نکلا ہوں، میں نے شیخ الہندؒ کے نقشِ قدم پر چلنے کی قسم کھا رکھی ہے، میں زندگی بھر اسی راہ پر چلتا رہوں گا، میرا اس کے سوائے کوئی موقف نہیں، میرا ایک ہی نصب العین ہے اور وہ برطانوی سامراج کی لاش کو کفن یا دفنانا۔ ہر شخص اپنا شجرۂ نسب ساتھ رکھتا ہے، میرا یہی شجرۂ نسب ہے، میں سر اونچا کر کے فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں اسی خاندان کا ایک فرد ہوں۔"

(امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ۔ تقریر ۲۳ مارچ ۱۹۳۹ء)

برصغیر کے ایک عظیم انقلابی عالم دین کی استعمار دشمن فکر کو حریت پسند عالم دین حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خطاطی کا عنوان بنایا

Marfat.com

مولوی عبدالعزیز خوشنویس

سروده: ڈکتر محمد حسین تسبیحی (رها)

گوهرِ رخشان بود عبدالعزیز — زینتِ ایمان بود عبدالعزیز
نسخ و نستعلیق او آبِ حیات — کوثرِ عرفان بود عبدالعزیز
با قلم پیوسته او گوید سخن — گلشن جانان بود عبدالعزیز
در نوشتن ابنِ مقلہ آمده — رهروِ انسان بود عبدالعزیز
در کتابت ثانیِ مستعصمی — کاتبِ ریحان بود عبدالعزیز
او نوشته هفتصد و هفده کتب — روحِ خطاطان بود عبدالعزیز
در کتابت کاتبِ خوش گفت و گو — سروِ خوش نازان بود عبدالعزیز
هم خطیب و هم امامِ مسجد است — چهره اش شادان بود عبدالعزیز
او بود نقاشِ الفاظِ ادب — شاعران را شان بود عبدالعزیز
مولوی عبدالعزیز خوش گهر — گلبنِ خوبان بود عبدالعزیز
رازِ دل گوید به درگاهِ خدا — عاشقِ یزدان بود عبدالعزیز
او بود مهمان نواز و خوش سخن — یاورِ مهمان بود عبدالعزیز
خاندانش مهدِ عرفانِ خدا — قاریِ قرآن بود عبدالعزیز
در نماز و در دعا و وِردِ حق — هادیِ نیکان بود عبدالعزیز
چاره و درمانِ دلهای غمین — بهترین درمان بود عبدالعزیز
از فقیران دستگیری می کند — عشق او احسان بود عبدالعزیز
یارِ من باشد به هنگام سخن — از سخن گویان بود عبدالعزیز
در وفا دارد صفای مردمی — در وفا یکسان بود عبدالعزیز
این "رها" باشد رفیقِ راهِ او — چون که از یاران بود عبدالعزیز
در حدیث و در روایت خوش بیان — دائماً خندان بود عبدالعزیز

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اعزاز میں، معروف ایرانی دانشور ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی (رہا) کی ایک نظم؛ جس کی حضرت مولانا مرحوم نے خود کتابت فرمائی۔

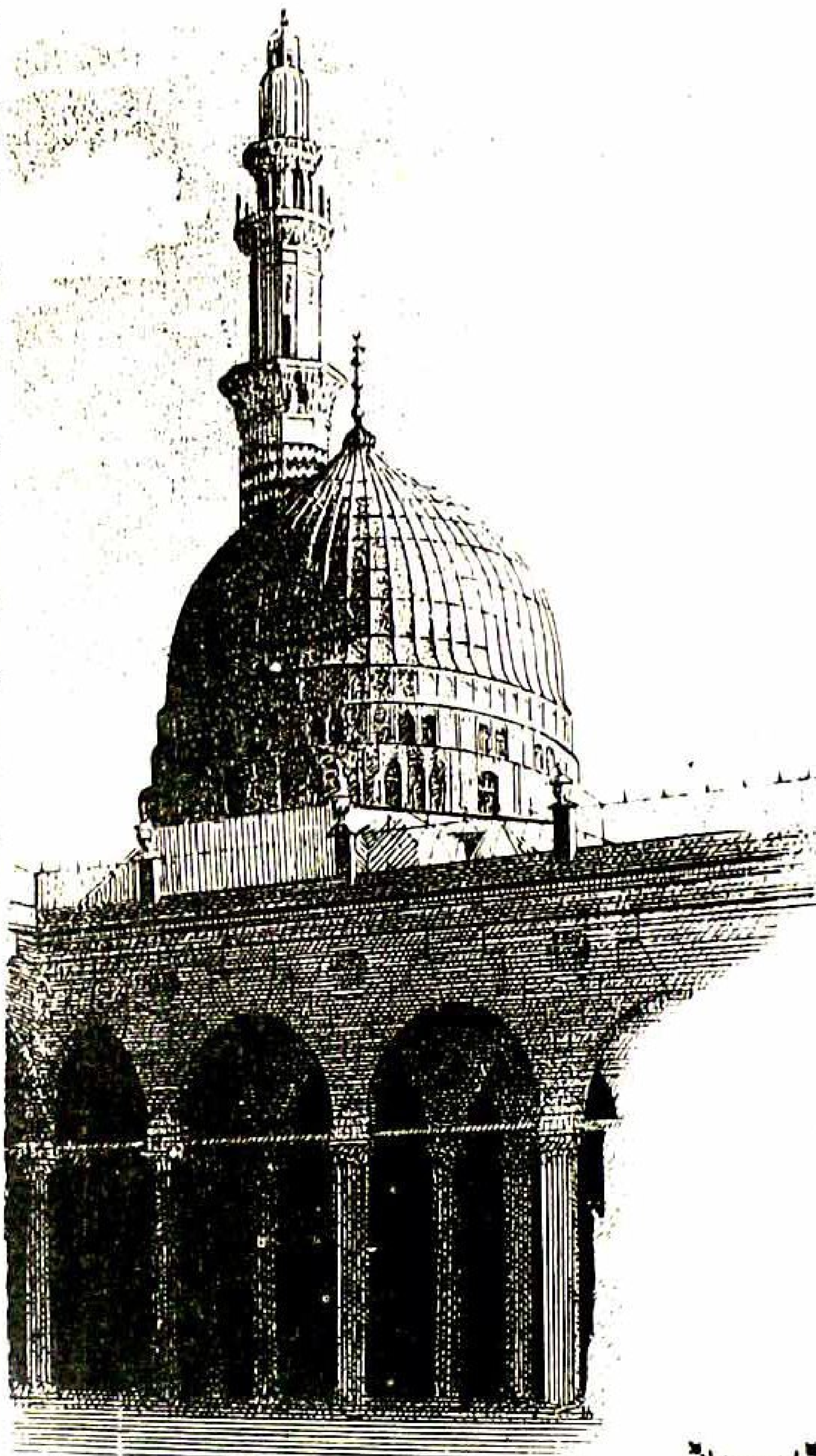

نقشہ سحر و افطار برائے راولپنڈی و مضافات

رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ / مئی ۱۹۸۷ء

نام دن	تاریخ شمسی	تاریخ قمری	اختتام سحر		وقت عصر		وقت افطار		وقت عشاء	
			گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ
بدھ	۲۹ اپریل	یکم رمضان	۳	۴۸	۴	۵۲	۶	۵۲	۸	۲۰
جمعرات	۳۰ اپریل	۲	۳	۴۸	۴	۵۲	۶	۵۲	۸	۲۰
جمعہ	یکم مئی	۳	۳	۴۷	۴	۵۲	۶	۵۳	۸	۲۱
ہفتہ	۲	۴	۳	۴۵	۴	۵۲	۶	۵۳	۸	۲۲
اتوار	۳	۵	۳	۴۴	۴	۵۲	۶	۵۴	۸	۲۳
پیر	۴	۶	۳	۴۳	۴	۵۳	۶	۵۴	۸	۲۴
منگل	۵	۷	۳	۴۲	۴	۵۴	۶	۵۵	۸	۲۵
بدھ	۶	۸	۳	۴۱	۴	۵۴	۶	۵۵	۸	۲۱
جمعرات	۷	۹	۳	۴۱	۴	۵۴	۶	۵۶	۸	۲۷
جمعہ	۸	۱۰	۳	۴۰	۴	۵۵	۶	۵۷	۸	۲۸
ہفتہ	۹	۱۱	۳	۳۹	۴	۵۵	۶	۵۸	۸	۲۹
اتوار	۱۰	۱۲	۳	۳۷	۴	۵۵	۶	۵۹	۸	۳۰
پیر	۱۱	۱۳	۳	۳۵	۴	۵۶	۷	۰۰	۸	۳۱
منگل	۱۲	۱۴	۳	۳۴	۴	۵۶	۷	۱	۸	۳۲
بدھ	۱۳	۱۵	۳	۳۲	۴	۵۶	۷	۲	۸	۳۳
جمعرات	۱۴	۱۶	۳	۳۱	۴	۵۷	۷	۳	۸	۳۴
جمعہ	۱۵	۱۷	۳	۳۰	۴	۵۷	۷	۳	۸	۳۶
ہفتہ	۱۶	۱۸	۳	۲۹	۴	۵۷	۷	۴	۸	۳۷
اتوار	۱۷	۱۹	۳	۲۸	۴	۵۸	۷	۴	۸	۳۸
پیر	۱۸	۲۰	۳	۲۷	۴	۵۸	۷	۵	۸	۳۹
منگل	۱۹	۲۱	۳	۲۶	۴	۵۹	۷	۶	۸	۴۰
بدھ	۲۰	۲۲	۳	۲۵	۴	۵۹	۷	۷	۸	۴۰
جمعرات	۲۱	۲۳	۳	۲۴	۴	۵۹	۷	۸	۸	۴۲
جمعہ	۲۲	۲۴	۳	۲۳	۵	۰۰	۷	۸	۸	۴۳
ہفتہ	۲۳	۲۵	۳	۲۲	۵	۰۰	۷	۹	۸	۴۴
اتوار	۲۴	۲۶	۳	۲۱	۵	۰۰	۷	۱۰	۸	۴۵
پیر	۲۵	۲۷	۳	۲۰	۵	۱	۷	۱۱	۸	۴۶
منگل	۲۶	۲۸	۳	۲۰	۵	۱	۷	۱۱	۸	۴۷
بدھ	۲۷	۲۹	۳	۱۹	۵	۱	۷	۱۲	۸	۴۸
جمعرات	۲۸	۳۰	۳	۱۸	۵	۲	۷	۱۳	۸	۴۹

معیاری طباعت کا واحد مرکز

ممتاز عزیز پرنٹرز

این۔ای۔۲۱۱۷۔اے
چکلالہ روڈ۔سلطان پورہ
راولپنڈی

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا سولہ برس پہلے رمضان المبارک کی مناسبت سے کتابت کیا ہوا ایک کیلنڈر

Marfat.com

مَن هٰذَا الرَّجُلُ ؟ هٰذَا طَارِقٌ صَدِيقٌ سَعِيد أَيْنَ يَجْلِسُ سَعِيد ؟

يَجْلِسُ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَوْقَ الكُرْسِيِّ مَتٰى تَدْرُسُ ؟ أَدْرُسُ مَسَاءً

مَن هٰذَا الرَّجُلُ ؟ هٰذَا طَارِقٌ صَدِيقٌ سَعِيد أَيْنَ يَجْلِسُ سَعِيد

يَجْلِسُ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَوْقَ الكُرْسِيِّ يطلب الماء للولد الصغير يأخذ المدرّس الكتاب

الموضوع . الحوار ، الوحدة الأولى : لقاء بين احمد ومحمود . الوحدة الثانيه ، جولة على المكتبات . الوحدة الثالثة . رحلة فى عطلة نهاية السنة . القراءة والمطالعة . الوحدة الرابعة . القرآن الكريم والحديث ومختارات من أقوال إقبال . الوحدة الخامسة ، الحكم والأمثال . فى السيرة المباركة .

قَلَمٌ قَلَمٌ كِتَابٌ مَدْرَسَة بَاب نَافِذَة

قلم قلم کتاب سکول دروازہ کھڑکی

سَاعَة سَبُّورَة وَرَقَة عَلَم حَدِيقَة

گھڑی تختۂ سیاہ کاغذ جھنڈا باغ

علّامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

کتابت : عبدالعزیز

عربی رسم الخط میں ایک نمونۂ خطاطی ، زیر مشق میں سے انتخاب

Marfat.com

ادارۂ اشاعتِ اسلام

گلھڑہ گلی، مری کا سہ ماہی اجلاس
جامعہ اشاعت اسلام جامعہ آباد میں

۲۸-۲۹ شوال ۱۴۰۲ ہجری
۱۹-۲۰ اگست ۱۹۸۲ عیسوی
جمعرات و جمعۃ المبارک
جمعرات بعد نماز ظہر تا نماز جمعۃ المبارک

زیرِ صدارت

پیر طریقت مولانا پیر
مُحمّد اظہر مدظلہ العالی
سجادہ نشین بکوٹ شریف

منعقد ہو رہا ہے

اس موقعہ پر اراکینِ ادارۂ اشاعتِ اسلام
کے علاوہ مقامی علماء کرام شرکت فرما رہے ہیں

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے ؟

اقبال

میری زندگی کا مقصد ترے دین کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

ادارۂ اشاعتِ اسلام کے راہنما
ممتاز عالم دین حضرت مولانا

عبدالعزیز

خطیب جامع مسجد الفاروق، راولپنڈی

نمازِ جمعہ کے اجتماع سے خطاب فرمائیں گے

جُملہ مُسلمانوں سے شرکت کی اپیل ہے

اعلان
ادارۂ اشاعت اسلام مری کا ترجمان مجلّہ "اشاعت اسلام" ہر ماہ شائع ہوتا ہے جس میں دینی معلومات کے ساتھ ساتھ ادارہ کی خبریں بھی شائع ہوتی ہیں، اسے خود پڑھئے، رشتہ داروں اور دوستوں کو تحفہ دیجئے۔ قیمت فی پرچہ صرف ۲ روپے

منجانب: منتظمہ کمیٹی ادارۂ اشاعتِ اسلام جامعہ آباد گلھڑہ گلی مری

کتابت: عبدالعزیز، تزئین: عبدالحفیظ۔ مطبع: ایس۔ ٹی پرنٹرز راولپنڈی

آج سے ۲۱ برس پہلے، حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا، قلم برداشتہ، کتابت کیا ہوا ایک اشتہار؛

عبدُالعزیز (خوشنویس)
خطیبُ جامع مسجدُ الفارُوق

مکان: این۔ ای ۱۷۳۴۔ اے
گلی: ۱۷۔ محلہ سُلطانپورہ
راولپنڈی

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے لیٹر پیڈ کا عکس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرم و محترم جناب ــــــــــــــــــــــــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ جامع مسجد الفارُوق سُلطانپورہ راولپنڈی میں گزشتہ ساڑھے چھ برس سے حضرت مولانا عبدُالعزیز صاحب خطیبِ اعلٰے وامام صلوٰۃ جامع مسجد الفارُوق ـــ درسِ قرآنِ حکیم دینے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اس درسِ قرآنِ حکیم سے براہِ راست قرآن فہمی میں اضافہ ہوا ہے۔ او بیشمار اصحاب علومِ قرآن سے استفادہ کر چکے ہیں، الحمدُ للہ

ـــ مؤرخہ ۷۔ مئی ۲۰۰۰ء، بروز اتوار بعد از نمازِ عشاء قرآنِ حکیم کے چودہ پاروں اور سورۃ النحل کے درس کی تکمیل ہو گی۔ اس پُرمسرت موقع پر آپ سے استدعا ہے کہ اپنے قیمتی وقت میں سے چند لمحات نکال کر درسِ قرآن کی اس بابرکت تقریب میں شرکت کی سعادت حاصل کریں۔

متمنی شرکت: عبدالحفیظ۔ بابر ناہید اعوان
چوہدری محمد اسلم ظفر۔ راجہ ضمیر احمد
شیخ عبدالرحمٰن ـــ ظہور احمد

ج س م ف:
حاجی محمد یعقوب، خان عبدالقیوم،
جُمعہ گل، چوہدری منیر احمد،

فون: ۵۹۵۴۴۸۵ ـــ ۴۲۲۸۹۶

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن سے بے پناہ محبت تھی۔ آپ نے تقریباً آٹھ برس میں اٹھارہ پاروں کا درس دیا۔ ہر سورۃ / پارے کے درس کی تکمیل کے بعد آپ ایک تقریب منعقد کرتے۔ سورۃ النحل کے درس کی تکمیل کے موقع پر منعقدہ تقریب کے لئے دعوت نامہ کا ایک عکس

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عبدالحفیظ نامہ

بہ مناسبت جشن نامزدی جناب آقای عبدالحفیظ فرزند ارجمند و دلبند
جناب آقای عبدالعزیز خوشنویس

جوینده جویندگان عبدالحفیظ — شد رهنمای مهربان عبدالحفیظ
سرو شکوفان آمده در زندگی — رونق فزای خاندان عبدالحفیظ
مهر و محبت را بود نور امید — راه وفا را شادمان عبدالحفیظ
صیت سخن دارد نوای خوب او — ابن العزیز خوش بیان عبدالحفیظ
پیوند عشق و عاشقی شد استوار — در نامزدی جویان جان عبدالحفیظ
ماهر بود در علم تاریخ جهان — نسابۂ دوران زمان عبدالحفیظ
چشم و چراغ خاندان خود بود — لطف و سخاوت را نشان عبدالحفیظ
در خلق و خوی مردمی اول بود — روح مروت را امان عبدالحفیظ
قلبش بود پیمانگر لطف خدا — عهد الست کاملان عبدالحفیظ
کاخ گلستان را بود خوشبو گلی — روشنگر هر بوستان عبدالحفیظ
در رادیو دارد نوای انس و جان — مشک ختن را پاسبان عبدالحفیظ
فکرش بود روشنگر راه خدا — در زندگی چون گلستان عبدالحفیظ
خدمت کند خلق خدا را هر زمان — خلق ملک را مهربان عبدالحفیظ
در مهربانی همچو او نبود کسی — شاهنشه سیف البیان عبدالحفیظ
مهر پدر در جان او باشد عجین — از مادرش گوهرفشان عبدالحفیظ
نور دو چشم خواهران خود بود — باغ و بهار خواهران عبدالحفیظ
گوینده الفاظ مهر و عاطفت — ماه و سهیل کهکشان عبدالحفیظ

باشد "رها" همراه و همکار حفیظ
رحل دلکش باشد قرآن عبدالحفیظ

سروده: دکتر محمد حسین تسبیحی "رها"
۲۰-اپریل ۱۹۹۲ء

ناچیز، عبدالحفیظ بن عبدالعزیز کی منگنی کے موقع پر معروف ایرانی دانشور و شاعر آقای دکتر محمد حسین تسبیحی (رہا) کا نتیجۂ فکر بعنوان "عبدالحفیظ نامہ"، کتابت: حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گلہائے مسرّت

بمناسبت تقریبِ عروسی عبدالحفیظ بن عبدالعزیز

سرگرمِ التفات ہے یہ ساعتِ حسیں
کیف و تجلیات کا ہر سُو سماں ہے آج
طے ہو گئی ہیں حسن و محبت کی منزلیں
کتنا حسین چہرۂ عمرِ رواں ہے آج

اکرم، ریاض، طاہر و عاصم ہیں کتنے شاد
چہرے ہیں آج سب کے مسرت سے ہمکنا
سرشار ہیں خوشی میں وحید و نوید بھی
دولہا کو دیکھتی ہے نظر ان کی بار بار

یہ بزمِ انبساط ہے وجہِ سکونِ دل
یہ ربطِ حسن و عشق ہے آغازِ زندگی
مژدہ سنا رہی ہے سرِ انجمن صبا
نورین کا حفیظ ہے ہمرازِ زندگی

زُلفیٰ، اسامہ، عینی بھی آتے ہیں یوں نظر
گلشن میں جیسے موجۂ گل ہو رواں دواں
پھولوں میں پھول بن گئے عائشہ اور انیق
یہ سیلِ رنگ و بو ہے کہ پریوں کا کارواں

عبدالعزیز خوش ہیں تو ممتاز شادماں
ہر سمت سازہائے طرب ہیں چھڑے ہوئے
عبدالشکور، واحد و طارق ہیں باغ باغ
گلہائے آرزو ہیں دلوں میں کھلے ہوئے

موقع بھی ہے خوشی کا خدا بھی ہے مہرباں
کیسے بھلا یہ آج نہ کشور دعا کرے
سکھ چین سے بسر ہو سدا ان کی زندگی
پھولیں پھلیں حفیظ و غزالہ خدا کرے

زُہرہ، صفیرہ، یاسمین، میمونہ، طاہرہ
خوشیوں کی آج ان کی کوئی انتہا نہیں
روبینہ کہہ رہی ہے یہ سلمیٰ سے برملا
نوشاہ اور بھی ہیں مگر بھائی سا نہیں

دعاگو، سجاد کشور
۲۳- اپریل ۱۹۹۵ء
اتوار

ناچیز، عبدالحفیظ بن عبدالعزیز، کی تقریب عروسی کے موقع پر محترم سجاد کشور کا نتیجہ فکر "گلہائے مسرت" کی کتابت کا عکس

Marfat.com

باغی مُرید

ہم کو تو میسّر نہیں مٹّی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن!
شہری ہو دہاتی ہو مُسلمان ہے سادہ
مانندِ بُتاں پُجتے ہیں کعبے کے برہمن!
نذرانہ نہیں! سُود ہے پیرانِ حرم کا
ہر خرقۂ سالُوس کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرّف میں عُقابوں کے نشیمن!

برہمن: ہندوؤں کی سب سے اونچی ذات۔ خرقہ: گدڑی
مہاجن: سوداگر زاغ: کوّا عقاب: بلند پرواز شکاری پرندہ سالوس: دغا، فریب۔
نشیمن: آشیانہ

علامہ اقبالؒ

کتابت: عبدالعزیز

کلام اقبال میں سے انتخاب، نظم ''باغی مرید'' کی خطاطی کا عکس

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن، تم ہو
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن، تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو
بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن، تم ہو
ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے؟

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں، اور کہیں ذاتیں ہیں!
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

حضرت علامہ اقبال

کتابت: عبدالعزیز

کلام اقبال میں سے انتخاب؛ ایک اور نمونہ خطاطی

بی تو مادر گرفتارُ و غریبم
اسیر و دردمند و بی نصیبم
دو چشمام اشکباره هر شو و روز
خدایا ما چرا دیر از حبیبم

بی تو مادر نمی دونم کجایم
بهر جایی که میرم بی نوایم
دل و جونم هوایت کرده مادر
نمی دونم چه جوری پیشت آیم
۱۲

ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی کی کتاب ''دوبیتی ہای محلی تجرہ'' کے ایک ورق کا عکس

غلغلہ بر زلزلہ
المعروف بہ
جوہرِ تحقیق

مؤلف و مرتب:
حضرت مولانا قاضی
محمد شمس الدین درویش

پیشکش: شعبۂ نشر و اشاعت
دار العلوم حنفیہ عثمانیہ رجسٹرڈ
ورکشاپی محلہ۔ راولپنڈی
فون: ۷۱۹۵۲

خط نستعلیق میں ایک کتاب کے سرورق کا عکس، اس سرورق کی تزئین دو رنگوں میں کی گئی

قائم شدہ ۱۳۷۸ھ ۱۹۵۹ء

جامعہ فرقانیہ مدنیہ (رجسٹرڈ)

کوہاٹی بازار۔ راولپنڈی۔ پاکستان

فون: ۵۵۱۹۴۳ — ۷۰۶۶۹

1960ء کی دہائی میں حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا انداز خطاطی

المعہد الاسلامی بجامع الصدیق الاکبرؓ

المرکز جی-۱۰-مرکز باسلام آباد۔ پاکستان

فون ۸۵۷۹۵۰

اسلام آباد کے ایک مدرسہ کے لیٹر پیڈ کی خطاطی کا عکس

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ (القرآن)

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ (الحدیث)

مدرسہ تحفیظ القرآن

ایک مدرسہ کے لیٹر پیڈ کے لئے کتابت کئے گئے الفاظ کا عکس

Marfat.com

شکریہ

ان احباب کا، کہ جنہوں نے رضا کارانہ طور پر حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کے لئے خون کے عطیات دیئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہمیں زیر بار احسان کر دیا؛

1۔ محترم طارق عبداللہ ملک (پہلی مرتبہ آپریشن کے موقع پر)

2۔ محترم بابر ظہور چوہدری

3۔ محترم عابد ظہور چوہدری

4۔ محترم ظہور احمد چوہدری

5۔ محترم الحاج ندیم زبیر (دو مرتبہ)

6۔ محترم جمیل احمد بیگ

7۔ محترم محمد داؤد یعقوب

8۔ محترم بابر ناہید اعوان

9۔ راؤ صباحت علی خان

10۔ محترم شیخ عبدالرحمان

11۔ ناچیز، عبدالحفیظ بن عبدالعزیز (دو مرتبہ)

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ ۭ (الاعراف: ۱۵۶)

اور (اے ہمارے ربّ!) ہمارے لئے اس دُنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی ہم تیری طرف رُجوع ہو چکے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا انداز خطاطی

Marfat.com

شکریہ

ان تمام ڈاکٹر صاحبان کا، کہ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ مختلف اوقات میں، جن کے زیر علاج رہے۔ اور یہ تمام حضرات، جو اپنے اپنے شعبے میں عمدہ شہرت کے حامل ہیں، نہایت توجہ، محبت اور خلوص کے ساتھ خصوصی توجہ فرماتے رہے؛

1۔ ڈاکٹر مقبول احمد

2۔ ڈاکٹر افتخار حسین قاری

3۔ ڈاکٹر سید ابرار حیدر

4۔ ڈاکٹر وسیم اے خواجہ

5۔ ڈاکٹر محمد فہیم

6۔ ڈاکٹر سعید احمد

7۔ ڈاکٹر بشارت علی خان

8۔ ڈاکٹر ظفر محمود ندیم

9۔ میجر ڈاکٹر محمد عارف

10۔ لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر ارشد محمود

11۔ لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر شاہد رانا

12۔ سرجن کمانڈر ظفر اقبال گوندل

13۔ بریگیڈیئر ڈاکٹر ایم۔ ریحان برنی

14۔ بریگیڈیئر ڈاکٹر صاحبزادہ اے حلیم

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ اپنی بیماری کے دوران میں مندرجہ ذیل ہسپتالوں میں زیر علاج رہے۔ اور تمام ہسپتالوں کے متعلقہ احباب نے عمدہ علاج کے لئے بہترین سہولتیں بہم پہنچائیں۔

1۔ PNS Hafeez: نیول ہسپتال اسلام آباد

2۔ PIMS۔ اسلام آباد

3۔ فوجی فاؤنڈیشن ہسپتال راولپنڈی اور

4۔ سی ایم ایچ راولپنڈی

Marfat.com

بسیار شگفت آور است کہ پس از اینکہ مولانا عبدالعزیز خوشنویس بہ رحمت ایزدی پیوستند، مدتی بعد خدای یگانہ بہ فرزند دلبند ایشان جناب آقای عبدالحفیظ حفظہ اللہ تعالیٰ یک فرزند سعادتمند اعطا کرد و بہ اصطلاح فارسی خدای بزرگ بہ ایشان یک "نوہ" و بہ اردو "پوتا" داد بہ نام "عبدالعزیز ثانی" اینک منظومہ ای بہ نام "عبدالعزیز ثانی نامہ" تقدیم می شود:

آفتاب صبحگاهی

عبدالعزیز ثانی

۱۳۸۲ ھ ش

بہ مناسبت ولادت باسعادت فرزند دلبند

جناب آقای عبدالحفیظ بن عبدالعزیز کہ "عبدالعزیز ثانی" نامیدہ شدہ

عبدالعزیز ثانی نامہ

عبدالعزیز ثانی، شیرین و گل فشانی
چون ماه آسمانی، در خاندان امانی

گشتہ ولادت او، ماه سعادت او
پیک صداقت او، گلهای بوستانی

او را قدم مبارک، برسر تاج تبارک
زندہ بُود جوانک، خورشید آسمانی

پیک محبت آمد، جاه و جلالت آمد
صدق و کرامت آمد، چون مہر داستانی

عبدالحفیظ بابا، مادر خوش و فریبا
خواهر بُود گل آرا، شیرین و خوش زبانی

شادان بُود دل او، خوشبو بود گل او
این بچہ خوش گل او، سرو سخن روانی

ماهِ محبت آمد، گل های رحمت آمد
"ثانی" سلامت آمد در باغ زندگانی

Marfat.com

سلطان کاکو مبارک، پیک صفای بابک
جالش بُوَد به کاخک، صورتگر معانی

آمد صدای بلبل، در باغ و در چمن گل
هم یاسمین و سنبل، عبدالعزیز ثانی

هر جا چمن دمیده، سرو و گلشن چمیده
قامت بُوَد کشیده، آن آیت جوانی

ای ماه نو کجایی؟ خوشنود و خوش نوایی
نَبُوَد ترا جدایی، در راه آشنایی

عبدالعزیز دادا، عبدالحفیظ بابا
تسبیحی گشته چاچا، دوستدار و جان جانی

عمه به دل عزیز است، هم پاک و هم تمیز است
غم ها از او گریز است، فارسی به خوش بیانی

روی تو ماه زیبا، کار تو خوب و اعلا
شیرین و خوش نواها، شاه سخن فشانی

داری جمال خوباں، اے گُلبُن گلستان
اے سرو ناز بستان، پاینده نوجوانی

ای بچۂ خوش ادایی، دیدار می نمایی
تو پاک و با صفایی، آزاده رستگانی

فارسی بخوان عزیزم، اے بچہ تمیزم
بحر تو گل بریزم، ایران و اصفهانی

دارم دعا برایت، جانت بود سلامت
هستی تو ناز و نعمت، در عشق و کامرانی

سال ولادت تو، عمر دراز یابی
"شهزاده تاب وطاقت عبدالعزیز ثانی"
"۲۰۰۳ء م"

گوہر فشان مادر، قرآن حق نشانی
"نور جبین فرزند، عبدالعزیز ثانی"
"۱۴۲۴ھ ق"

ای بلبل محبت، ای ماه مهربانی
"آفتاب صبحگاہی، عبدالعزیز ثانی"
"۱۳۸۲ھ ش"

ای جان خوب بابا، ای روشنی به خانه
ای گلشن جوانی، تابنده زنده مانی

دست دعا بر آرم، قرآن به سر در آرم
در حفظ حق بمانی، ای شاه دلستانی

بنده "رها" دعاگو، از بهر شاه گلرو
عبدالعزیز ثانی، از ذات حق نشانی

سرودۂ دکتر محمد حسین تسبیحی (رها)
۲۰۰۳/۵/۱۵ء م = ۱۳۸۲/۲/۲۵ھ ش

Marfat.com

عصرِ حاضر کے بے مثل و مایۂ ناز

مفسر • محدث • محقق • عالم • خطیب • خطاط

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ

نے نصف صدی تک معرکہ آرا دینی و علمی خدمات انجام دیں۔۔۔ حضرت مولانا مرحوم نے ظلم و جبر اور اثر و چمک کے مقابلے میں جرأت و عزیمت اور استقلال و استقامت کی عدیم النظیر تاریخ رقم کی۔ آپ نے جمودی علماء کی روش سے ہٹ کر دین اسلام کے روشن پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ اور اپنے مواعظ و دروس میں اسلام کو ہی ہر عہد کا قابلِ عمل خوبصورت طریقہ ثابت کیا۔ حضرت مولانا مرحوم نے قرآن کریم سے استنباط کرتے ہوئے بعض مروجہ مسائل میں جمودی علماء کے خودساختہ عقائد سے اختلاف فرمایا۔ حضرت مولانا مرحوم کی فکر، تحقیق، شعور اور آگہی کو

عبدالحفیظ بن عبدالعزیز

نے

تفرداتِ عزیزی

کے عنوان سے ایک دستاویز کی صورت میں محفوظ کر دیا ہے۔

اپنے ذوقِ مطالعہ کی تسکین کے لئے

زحمتِ انتظار گوارا فرمائیے۔

عصر حاضر کے قابل فخر

مفسر | محدث | محقق | عالم | خطیب | خطاط

حضرت

مولانا عبدالعزیزؒ

کو پاکستان میں خالص ایرانی نستعلیق میں سب سے زیادہ خطاطی کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔۔۔آپ نے ہزاروں کتب، رسائل، اشتہارات، سرورق، لیٹر پیڈز، تعارفی کارڈز، اسناد، مہروں اور لائبریری رجسٹرز کو اپنے مخصوص انداز میں خوشنویسی سے زینت بخشی۔ آپ کے اندازِ خوشنویسی کو عصر حاضر کے شہرہ آفاق خط شناس اور ماہرینِ آثاریات نے خراج تحسین پیش کیا۔ آپ کے ان آثار کا ایک بڑا حصہ محفوظ ہے۔ بحمد اللہ۔ ان تاریخی نوادرات و آثار کے نمونوں پر مشتمل کتاب:

احوال و آثارِ

حضرت مولانا عبدالعزیز خطّاط

مرتّبہ

عبدالحفیظ بن عبدالعزیز

بہت جلد منصۂ شہود پر جلوہ آرا ہو رہی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

Marfat.com

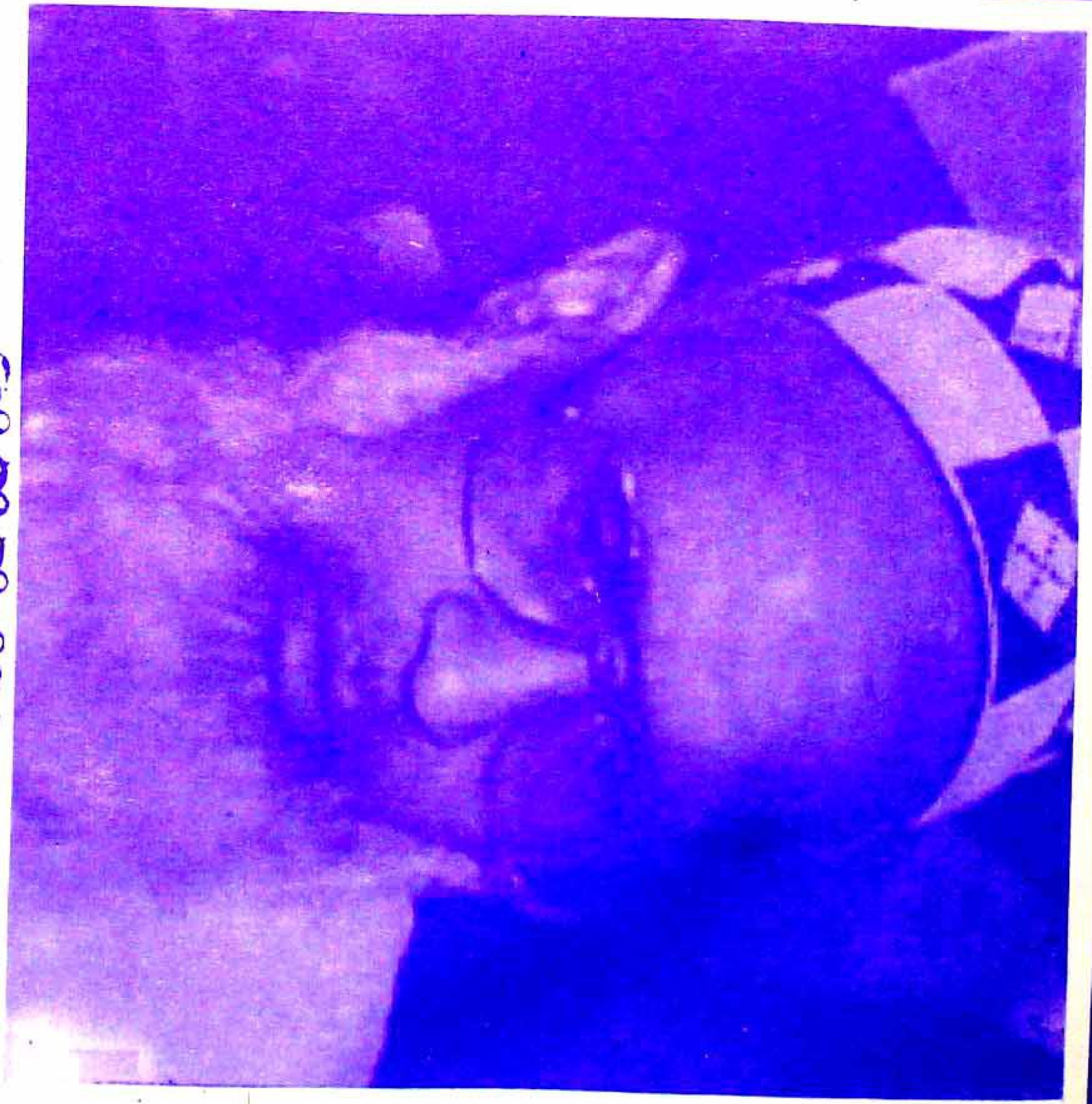

راست باز، راست رو، راست گفتار، حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

یادگار سلف، صاحب علم و فضل، تیمیہ ثانی، حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

نے اپنی زندگی کے انتہائی قیمتی 32 برس دار بنی عبدالعزیز میں بسر کیے

اور یہیں سے بہشت ہائے جاودانی کے لئے ابدی سفر کا آغاز کیا

Marfat.com

alim-e-deen. He did not care to say correct thing. He opposed socialism, communism, lord-ism and religious theocracy. He ever argued in favour of his thoughts with reasons. He earned his livelihood honenstly. He ever expected from the Ullama-e-Deen that they should serve the religion and teached the Muslims without any greed. They should not be under the influence of Billionaires and they should not be rely on the billionaires of the area. In fact Maulana Sahib was an echo against the cruel system. He has expanded the revolutionary and true meaning message of Quran without any hesitation and fear. History seems to have reached once again a point of no return and Maulana Abdul Aziz believed the moment to be ripe for the final realization of the "Quranic Verses":

> It is He, who has sent His Apostle with guidance and the religions

Maulana Sahib never afraid to look reality in the face. he forever observed himself on the side of truth and justice. His force of expressions showed no sign of slackening and his determination to expose all falseness and hypocricy never faltered, till he breathed his last on 11 Jan 2002. "May Allah reward him Jannat-ul-Firdaus." Aameen.

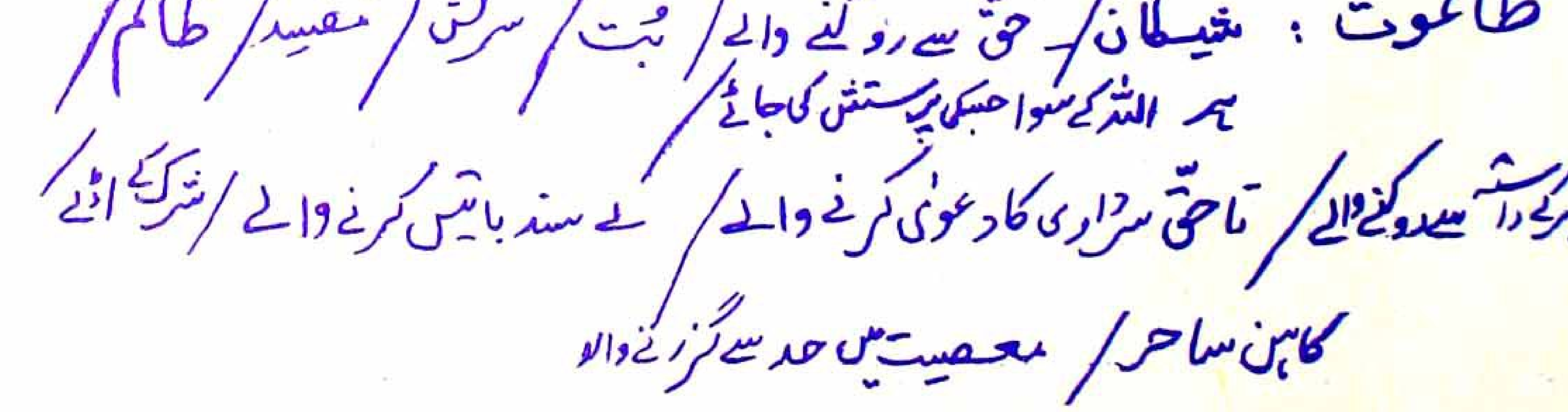

A hand writing of Maulana Abdul Aziz

registered in the office of Sub Registrar. Joint Stock. Punch House. Lahore. On 25th of February, 1999 the then so called President of Anjuman-e-Jamia Masjid Al-Farooque in connivance with other illiterate members of Anjuman Jamia Massjid Al-Farooque sent a notice to Maulana Abdul Aziz to justifiy his theory regarding the Azab-e-Qabr. The said notice was placed before me by Maulana Sahib and deputed me to defend him from the people who have the nefarious designs and conspiracy of so called Karore Pati (Billionaires) Chaudhary's. I extend full commitment with Mualana Abdul Aziz to sacrify for him and for his holy cause. so I filed a suit for permanent Injunction against the illiterate means group of so called local billionaires of the Illaqa and successfully defend him for four years but unfortunately Maulana Abdul Aziz fel ill and due to his ailment he was not able to come to Mosque.

Maulana Abdul Aziz was a man of great qualities. he has vast knowledge of Quran and Sunah. He has deep concern over the Europeans style of Government. He also dislike dictators in Muslim Governments he ever favoured the true sence of Khulafa-e-Rashideen. He spoke of the momentous crisis that today faced the "European"etc. i.e. the axis of power. science and civilization. and traced it to a loss of old justification that had either to motivated and validate its ideological. social and ecnomic life and the failures of subsequent efforts to replace them. It is this fatal vacuum. the absence of a raison d'etre i.e. diving the flower of its youth to desperation. on the path of bestiality drugs and suicide. He also discouraged those peoples who usurped the money property of orphans and widows and they performed Hajj with their money.

Maulana Abdul Aziz was a bold. fearless and untiring

Marfat.com

MAULANA ABDUL AZIZ
As Unforgetable Personality

by

Ch. Muhammad Aslam Zafar
(Advocate)

In fact Maulana Sahib was an echo against the cruel sysytem. He has expanded the revolutionary and true meaning message of Quran without any hesitation and fear.

We are not here to play, to dream, to drift
We have hard work to do, and loads to lift
shone not the struggle, 'ts God's gift.

If we study the lives of great men, behind the stands of intense and heroic struggle running to them all. One of those men whose life is fascinating is Maulana Abdul Aziz, who born in Rawalpindi on 25th of April, 1935. He was a man of diverse qualities and bold religious intellectual person.

I have the honour to in-touch with him for a few years. In 1992, I met him first time at the break fast arranged by my father in the honour of Maulana Abdul Aziz and there after I remain associated with him and understand his ethics and theories regarding religion of Islam and after conversation, I find him different person from traditional and professional Ulma-e-Deen. He was Khateeb-e-Aala of Jaamia Masjid Al-Farooque, Sultan Pura, Rawalpindi which was

Let there be a community among you who will invite (others) to do good command what is proper and forbid what is improper. those will be prosperous. (The House of Imran سورۃ آل عمران 104).

In this mortal world he became immortal. Death for him is only a stage from the stages of life. I salute his qualities and heart

مُحکم آیات اور اہلِ زیغ

هُوَ الَّذِیٓ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ
هُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ
زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشٰبَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَ ابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِهٖ
وَ مَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا
بِهٖ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۝ آل عمران

"وہی تو ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی، اس میں محکم (پختہ) آیتیں ہیں، وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری متشابہ (کئی معنی دینے والی) پس جن لوگوں کے دلوں میں زیغ (کجی) ہے سو وہ اس کے متشابہات کی پیروی کرتے ہیں، فساد (گمراہی) کی غرض سے اور اسکا (غلط) مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے، اور اس کا مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور مضبوط (پختہ) علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے، اور نہیں سمجھتے مگر عقل والے:"

A sample of calligraphy by Maulana Abdul Aziz

Marfat.com

filling the lacuna in my religious thoughts and gave me intellectual & spiritual satisfaction.

Maulana Abdul Aziz was a knowledgeable orator and presented Islam in the present day context which compelled me to admit him as an eminenet religious scholar. Thus I started visiting him off & on to seek his guidance in various queries cropped up in mind regarding religion. He was undoubtedly an Apostle in religious doctrine. He used to deliver his speeches in a simple, effective and elogent manners which made the audience understandable. He was true muslim with true faith on supermacy of Almighty Allah. He openly spoke against usurs and mammonism. When he highlighted the reality of Azab-e-Qabr & Shirk in the light of Quranic verses, riff-raff of the vicinity became vindictive and poured over his dignity. They extended unabated infliction to force him to submit before their false doctrine. Despite of a prolonged excruciation and character assessination, he remained unshaky with unflinching faith on Almighty Allah. He faced the cruel monsters and wrote a history of RESISTENCE and stood against the followers of false religious doctrine. Such crisis touched to its culmination when these evil-doers started creating obstructions in his mission of Quranic teachings in the mosque. This height of criminality made him gloomy and effected his health to an alarming extent, but he did not yield before hooligans. The decaying health could not keep him survived longer and ultimately his soul departed from this mortal world on 11-01-2002 (Inna- Lillah-e-Wa Inna Ilaih-e-Rajeun). I am confident that the beacon light which Maulana Abdul Aziz has set up will spread its golden rays to the human race. He justified his duties before Almighty Allah in accordance with the Quranic verse:-

Marfat.com

MAULANA ABDUL AZIZ

A Symbol of Determination

by

M. Ikram Butt

Despite of a prolonged excruciation and character assessination, he remained unshaky with unflinching faith on Almighty Allah. He faced the cruel monsters and wrote a history of RESISTENCE and stood against the followers of false religious doctrine.

I had been in contact with late Maulana Abdul Aziz, Imam Al-Masjid -ul Farooque, Sultanpura, Rawalpindi for more than 30 years. I used to attend Jumua congregation and listen his sermons. I always found him quite different from general professional maulavies whose knowledge remains within the gamut of concoct & sham stories. His versatile genius towards Islamic doctrine opend new vistas of vision which suggested ways to pass better life, on straight path showed by the holy prophet Hazrat Muhammad (.P.U.H). The books of his son depict his phylosophy and provide a food for thought, widens the mental horizen and breeds a clear discernment to solve the problems. It helps to know the real Islamic way of life and gives an interesting readings. His sermons helped in

Marfat.com